سیرتِ امامِ اعظم

ابو حنیفہؒ

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری

Marfat.com

DATA ENTERED

سیرت امامِ اعظم ابوحنیفہ

مصنف

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری

نگارشات پبلشرز

حبیب ایجوکیشنل سنٹر 38-مین اردو بازار لاہور | 24- مزنگ روڈ' لاہور
فون 7240593 فیکس 042-5014066 | فون 7322892 فیکس 042-7354205
e-mail:nigarshat@yahoo.com
www.nigarshatpublishers.com

Marfat.com

۲۹۷۶۳.۹۲
ع ۱۵۵ ا
۷۲۷۰۹

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: سیرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ
مصنف: مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری
ناشر: آصف جاوید
برائے: نگارشات پبلشرز
24- مزنگ روڈ' لاہور
PH:0092-42-7322892 FAX:7354205
فرسٹ فلور' حبیب ایجوکیشنل سنٹر' 38- مین اردو بازار لاہور
PH:0092-42-5014066 FAX:7354205
مطبع: المطبعۃ العربیہ' لاہور
سال اشاعت: 2007ء
قیمت: =/200 روپے

Marfat.com

فہرست مضامین

پیش لفظ 7

باب اوّل

حیات امام اعظم ابو حنیفہؒ 15

نام و نسب، لفظ مولیٰ کا پس منظر، امام صاحب کا مولد۔

تابعیت امام اعظم 22

حضرات صحابہ جن کا زمانہ امام صاحب نے پایا، تابعی کی تعریف، امام صاحب تابعی ہیں۔

مختصر حالات زندگی 31

سیاسی حالات، تحصیل علم کی ابتدا، تحصیل علم کلام، فقہ کی طرف توجہ۔

امام حماد اور ان کا حلقہ درس 39

حماد کا حلقہ درس، استاذ سے پہلا اختلاف، استاذ کا احترام، استاذ کی نیابت، امام صاحب کے دیگر اساتذہ، رواۃ صحیحین، صرف مسلم کے رواۃ، صرف بخاری کے رواۃ، عبدالکریم پر اعتراض۔

مسند درس و افتا 50

فقہ اور حدیث اصول درسگاہ ابی حنیفہ، حالات درس، حلقہ درس کی مقبولیت۔

باب دوم

اہم واقعات زندگی اور مناظرے 59

زید بن علی کا خروج، امام صاحب کا سفر مکہ، قیام مکہ معظمہ، امام اوزاعی سے مناظرہ، ابوالعباس سے بیعت، ابراہیم بن میمون کا قتل، قیام کوفہ۔

مناظرے 72

قتادہ سے مناظرہ، یحییٰ بن سعید سے مناظرہ، امام ابو یوسف کو تادیب، قاضی ابن ابی لیلیٰ پر تنقید، ایک رافضی سے مناظرہ، خوارج کے ساتھ مناظرہ، ایک رومی سے مناظرہ، اہل مدینہ سے مناظرہ، ابن اسحاق سے مناظرہ، امام باقر سے مناظرہ،

چند مسائل 83

سانپ اور دیت، طلاق کی قسم، دو بھائیوں کا عقد، انگوٹھی کا مسئلہ، تکفیر میں احتیاط، حضرت عائشہؓ کا سفر، ایک قیاس۔

گرفتاری اور وفات 88

عہدۂ قضا سے انکار، قضا سے انکار کا سبب، بغاوت کا الزام، گرفتاری، وفات، صلوٰۃ جنازہ اور تدفین، امام صاحب کا مقبرہ۔

باب سوم

7 بشارات اور خراج عقیدت 97

بعد وفات ابی حنیفہ، بحث ونظر۔

خراج عقیدت 103

یحییٰ بن سعید القطان، محدث ابن داوٗد، مکی بن ابراہیم، امام احمد بن حنبل، امام شعرانی، حفص بن عبدالرحمٰن، عبداللہ بن مبارک، امام ابو یوسف، سفیان بن عینیہ، امام مالک، امام شافعی، مسعر بن کدام، یحییٰ بن معین، امام مزنی، ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ۔

اعتراضات وجوابات 110

قرأۃ شاذہ، امام صاحب کی تکفیر، کتاب منخول کی حقیقت، ایمان والدین رسول اللہ صلعم، طعن اول قلت روایت، دوسرا طعن ضعف، تیسرا طعن قلت عربی، چوتھا اعتراض ارجاء، پانچواں اعتراض، چھٹا اعتراض قیاس۔

باب چہارم

امام ابوحنیفہ اور حدیث 125

امام صاحب اور اصول حدیث، امام صاحب کے اصول، روایت بالمعنی، حدیث کے اصطلاحی الفاظ، حدیث کے اصطلاحی الفاظ، حدیث میں مقام امام، محدثین کے آراء، امام صاحب کے حدیث میں شاگرد، کتب احادیث، مسانید امام اعظم، کتب الآثار، کتب امام ابو یوسف۔

باب پنجم

فقہ حنفی یا دستور اسلامی کی تاریخ وتدوین 139

حضرات صحابہ میں اہل افتا، کوفہ کی درسگاہ، ضرورت تدوین فقہ، کیفیت تدوین، امام صاحب کی تقریر، شرکاء تدوین فقہ، کتب فقہ ابی حنیفہ۔

Marfat.com

باب ششم

اجتہاد و تقلید 156

تقلید کی ابتداء، آزادروشی اور ابن حزم، امام ابن تیمیہ، آزادروشی کے اثرات، ڈاکٹر مصطفےٰ احمد مشقی، حضرت مولانا آزاد۔

باب ہفتم

فقہ حنفی یا دستور اسلامی کے چند نمونے 166

ماخذ و حوالہ جات، سیاسیات، تقرر حاکم شرعی، انتخاب امام کا طریقہ، حاکم شرعی کے اوصاف، شرائط اجتہاد، حضرت شاہ صاحب کی رائے، حکومت کے فرائض، حاکم عادل، اقلیتوں کے ساتھ، قتل ذمی، ذمیوں کے لیے سہولتیں، جزیہ اور خراج، شرائط اہل جزیہ، مقدار و مصارف، خراج۔

مسلمان غیر مسلم مملکت میں 179

قیام جمعہ وعیدین، حدود و قصاص۔

معاشیات و اقتصادیات 183

ربوی معاملات اور بیوعات فاسدہ، ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکٹنگ، ملاوٹ اور کھوٹ، قمار یا سٹہ،

امداد باہمی یا کواپریٹو سوسائٹیاں 191

کوآپریٹو سوسائٹیاں۔

امور خانہ داری یا معاشرت 193

امور خانہ داری، عقد نکاح، انتخاب زوجہ، کفو، ولی، مہر، شاہدین۔

باب ہشتم

قواعد کلیہ کا بیان 201

قاعدہ نمبر ا، قاعدہ نمبر ۲، قاعدہ نمبر ۳، قاعدہ نمبر ۴، قاعدہ نمبر ۵، قاعدہ نمبر ۶، قاعدہ نمبر ۷، قاعدہ نمبر ۸، قاعدہ نمبر ۹، قاعدہ نمبر ۱۰۔

باب الاستحسان 210

العرف 214

عرف کیا ہے، ضمیمہ مرجوعات ابی حنیفہ، ماخذ و حوالہ جات۔

مرجوعات ابی حنیفہ 220

فہرست مرجوعات ابی حنیفہ 222

Marfat.com

باب نهم

افکار و آراء 224

ماخذ وحوالہ جات، افکاروآراء، پروفیسر لابیر، ڈاکٹر اتر یکوانسابا، پروفیسر بیوار کاز، ڈاکٹر سانتیلانا، ڈاکٹر سلیم باز جو، پروفیسر دمبری، پروفیسر ہوکنگ، ڈاکٹر عبدالرزاق، ڈاکٹر عبدالسلام ذہنی، ڈاکٹر وان کریم،

چند اپنے حضرات 228

علامہ کرمانی، مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ۔

باب دهم

امام ابوحنیفہ اور علم الکلام 230

فرق باطلہ 232

شیعہ، خوارج، مرجیہ، جبریہ، جہمیہ، کرامیہ، معتزلہ، امام صاحب پر اعتراضات، امام بخاری اور ذہلی، مکتوب امام صاحب۔

فقہ اکبر اور امام ابوحنیفہ 245

فقہ اکبر اور علماء، فقہ اکبر مرویہ، شبہات کا ازالہ۔

باب یاذ دهم

امام ابوحنیفہ کی عملی زندگی 254

ماخذ وحوالہ جات، حلیہ شریف۔

امام ابوحنیفہ اور تصوف 257

بیعت یا صحبت، خرقہ خلافت کی اصل، کثرت عبادت، امام صاحب کے اوقات، زہد وتقویٰ، اقوال اور آرائیں، جامع الصفات، چند واقعات، وظیفہ خوری سے اجتناب، مشتبہات سے اجتناب، امانت داری، حق ہمسائیگی، سخاوت، سخاوت ومروت، وقار اور حلم، والدین کا احترام، حسن وسلوک، خاتمہ الکتاب۔

خاتمه الکتاب

وصایا اور اقوال زریں 279

وصیت امام اعظم، اقوال زریں۔

ماخذ و حواله جات

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرَّحیم

پیش لفظ

حامداً ومصلیاً.........امابعد

بندہ حقیر و ہیچمدان کی یہ پانچویں تصنیف یا تالیف ہے جس پر اس حقیر نے اپنی وسعت بھر محنت صرف کی ہے۔ اس سے پیشتر چار کتابوں پر اگرچہ محنت اور وقت کافی صرف ہوا ہے لیکن وہ کتابیں نہ اتنی ضخیم ہیں اور نہ ان میں اتنا الجھاؤ ہے۔

میں زمانۂ طالب علمی میں سوچا کرتا تھا کہ آج کل اہل علم اور اہل قلم خصوصاً اردو داں حضرات تحقیق اور ریسرچ کے نام سے علمائے متاخرین کی مختلف شخصیتوں مثلاً ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن رجب، ابن کثیر پر تحقیق فرمار ہے ہیں لیکن اس شخصیت (جو بقول امام شافعی صاحبؒ ان سب کی علمی نانہ سے مربی کی حیثیت رکھتی ہے) پر کوئی کچھ نہیں لکھ رہا حالانکہ موجودہ زمانہ میں جس قدر امام ابوحنیفہؒ پر تحقیق کی جائے گی اسی قدر عالمی مسائل سہولت کے ساتھ حل ہوسکیں گے۔

شکر خدا کہ اب گذشتہ آٹھ سال سے میں نے بعض اخبارات اور رسائل میں کبھی کبھی امام اعظم ابوحنیفہ پر مضامین پڑھے ہیں۔ بدیں وجہ بندہ کا دیرینہ جذبہ عود کر آیا اور قلب کے گوشہ میں جو باریک سی چنگاری دبی پڑی تھی وہ اس ہلکی سی ہوا سے کچھ چمک دینے لگی۔ جس کی وجہ سے بتوفیق ایزد تعالی امام صاحب پر کچھ تحقیقی طور سے لکھنے کا ارادہ کرلیا۔ بہت دن خاکہ بنانے میں صرف ہو گئے جوں جوں سوچتا تھا کام کا پھیلاؤ اور اس کا نقل میری ہمت کو پیچھے کی طرف دھکیل دیتا تھا خدا خدا کر کے مدینہ اخبار میں شائع کیا۔ اتفاق کی بات وہ مضمون لوگوں کو اس قدر پسند آیا کہ ہندوستان اور پاکستان کے چند موقر جرائد نے اس کو مدینہ سے نقل

Marfat.com

کیا۔اس طرح اس عاجز کی ہمت بندھ گئی اور ایک دن امام صاحب کی سوانح حیات لکھنے کی بسم اللہ کر ہی دی۔

یوں تو اردو لٹریچر میں امام صاحب کی متعلق مختلف عنوانات کے تحت بہت کچھ موجود ہے لیکن مفصل اور جامعیت کے اعتبار سے بجز علامہ شبلی کی سیرت نعمان کے اور کوئی کتاب قابل ذکر یا معیاری نہیں ہے لیکن میں جس طرح امام صاحب کے متعلق تحقیق و ریسرچ کا متمنی تھا اس سے سیرت نعمان تقریباً خالی ہی سی ہے اللہ تعالی کے فضل و کرم سے امید ہے کہ قارئین کرام تحقیق و ریسرچ کے معیار پر میری اس حقیر کوشش کو علامہ شبلی نعمانی کی سیرت نعمان اور ابوزہرہ مصری کی کتاب ابوحنیفہ سے کمتر نہ پائیں گے۔(ان شاء اللہ)

کتاب کی ترتیب

اس کتاب کی ترتیب وتدوین امام صاحبؒ کی اب تک کے تمام تذکروں میں بالکل نئی ہے۔اس عاجز نے ترتیب کو درست اور مناسب رکھنے کے لئے ہفتوں سوچا ہے پھر کہیں جا کر مضامین کو قلمبند کیا ہے۔یوں ممکن ہے کہ قارئین کرام میں سے بعض کو اس ترتیب سے اتفاق نہ ہو لیکن

للعاشقین مذاهب

اس کتاب کے اخذ و استنباط کے لیے مجھے بہت اسفار کرنے پڑے ہیں۔ایک دفعہ علی گڑھ یونیورسٹی کی لائبریری میں بھی پہنچ کر وہاں سے کچھ اخذ کیا ہے۔چند مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ کی بھی ورق گردانی کی ہے۔رہا مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم بجنور اور مولانا احمد رضا صاحب بجنوری و مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری اور جناب سعید اختر صاحب مدیر مدینہ بجنور اور بندہ حقیر کا ذاتی کتب خانہ، سو یہ کتاب ان ہی کتب خانوں کی مرہون منت ہے اس کے لیے اولاً میں اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں اور پھر ان حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

امام ابوحنیفہ کے متعلق جب کبھی مجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ فلاں کتاب میں فلاں جگہ فلاں چیز دستیاب ہو سکتی ہے اس حقیر فقیر نے اللہ تعالی کی امداد سے اس کتاب کے حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔اس طرح یہ کتاب امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متعلق بے شمار قدیم و جدید، عربی فارسی، اردو زبان کے لٹریچر کا ایک بیش قیمت مجموعہ ہے۔اللہ تعالی شرف قبولیت سے نوازے۔

Marfat.com

راقم الحروف نے کم وبیش اس کتاب کی تدوین وترتیب پر پانچ سال صرف کئے ہیں۔اور ایک انسانی کوشش کا جہاں تک تعلق ہے اس سے دریغ نہیں کیا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ درمیان میں بعض کتابیں مثلاً وصایا،محبت والے اور اسی طرح مدینہ اخبار اور دوسرے رسائل کے لیے مختلف عنوانات کے تحت سینکڑوں مضامین لکھے ہیں لیکن تدبر وتفکر اور تجسس کے اعتبار سے یہ کتاب مجھے کسی بھی لمحہ فارغ نہ کرسکی۔

اہل علم سے گزارش

حضرات! اس حقیر کی یہ ناچیز کوشش اس کے بعد آپ کے سامنے ہے جب کہ اس کے متعدد اقساط مدینہ اخبار بجنور میں اور میری بلا خواہش کے مدینہ سے منقول ہوکر نوائے وقت پاکستان، انقلاب بمبئی، چٹان لاہور، بصیرت لاہور میں شائع ہو چکے ہیں جن کو پڑھ کر اہل علم قدر دان حضرات نے جلدی سے جلدی اس کتاب کی طباعت کے لیے اصرار کیا ہے۔تاہم مجھے نہ اپنے علم پر ناز ہے اس لیے کہ فوق کل ذی علم علیم سے یہ دنیا بھری پڑی ہے لیکن اہل علم اور قدر دان حضرات کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے جہاں تک کسی کی لغزش پر اطلاع پائی ہے۔ مطلع کیا ہے۔یہی آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت میری ضعیف ترین انسانیت کو جو خطا اور نسیان سے مرکب ہے فراموش نہ فرمائیں۔

کچھ اپنے بارے میں

اخبارات اور رسائل ونیز میری چند کتابوں کو دیکھنے کے بعد بعض حضرات نے میرے متعلق استفسارات کئے۔حد یہ ہے کہ ایک مرتبہ جناب مولانا قاضی شمس الدین صاحب ساکن موضع درویش ضلع ہزارہ مغربی پاکستان نے مسئلہ بکر الصوت...... پر مکاتبت اور مراسلت کرتے ہوئے ایک سوال کے تحت مجھ سے میرا علمی ونسبی نسب نامہ دریافت کرلیا جس کے لیے مجھے مجبور ہونا پڑا۔چنانچہ میں نے اپنے پراگندہ حالات ان کو لکھ کر بھیج دیئے۔اور آئندہ کے لیے مناسب سمجھا کہ اس کتاب میں بھی ان پراگندہ حالات کو ذکر کردوں۔شکر خدا کہ یہ میری اپنی خواہش نہیں بلکہ دوسروں کے سوالات کا جواب ہے۔

میرا وطن ضلع بجنور کا ایک قدیم ترین قصبہ شرفاء اور اہل علم کی بستی نہٹور ہے۔ تاریخ پیدائش کا علم نہیں البتہ میری مڈل کی سند پر جنوری ۱۹۲۷ء لکھا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ میری پیدائش ۱۹۲۵ء کی ہے۔ میرے دادا قصبہ منڈاور کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ان کے والدین قتل کر دیے گئے تھے۔ یہ بہت ہی کم سن تھے۔ اس کی پرورش موضع ترکولہ (متصل قصبہ نہٹور جو سادات کہ بستی ہے) کے ایک سیّد نے کی تھی۔ وہیں یہ رہا کرتے تھے اور اسی خاندان میں ان کی شادی بھی ہوئی بعد میں کسی وجہ سے میرے دادا نے نہٹور کی سکونت اختیار کرلی۔

میرے دادا کے چار بیٹے اور اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ ان تمام کی شادیاں چاند پور کے علاقہ کے مواضعاتِ شیوخ میں ہوئیں۔ میری والدہ ان ہی دیہات کے شیخ زادوں کی بیٹی ہیں۔ میرے والد کی دوسری شادی قصبہ کوٹ قادر کے ایک سیّد کے یہاں ہوئی۔ اور موجودہ نسل کی شادیاں اور خود میری شادی شیوخ کے گھرانے میں ہوئی اس کے علاوہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میرا سلسلہ نسب کیا ہے کیونکہ ہمارے گھرانے میں پڑھنے لکھنے کا دستور نہیں تھا۔ اس پورے گھرانے میں سب سے پہلے میری بڑی بہن اور اس کے بعد میرے بھانجے نے تعلیم حاصل کی اور سب کے آخر میں میرے پڑھنے کا نمبر آیا۔

مجھے پڑھنے کے لیے کسی نے آمادہ نہیں کیا تھا میں خود ہی محلہ کے بچوں کے ساتھ سرکاری اسکولوں میں پڑھنے جانے لگا تھا اس لئے میں نے قرآن شریف شروع میں نہیں پڑھا ۱۹۴۳ء میں، میں مڈل کے امتحانات سے فارغ ہوا اور ایک سال کے بعد بورڈ کے پرائمری اسکول میں مدرس بنا دیا گیا۔

۱۹۴۹ء میں مجھے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ میں نے سرکاری اسکول کی مدرسی سے استعفیٰ دیکر قرآن شریف اور فارسی کا آمد نامہ حضرت مولانا حامد حسن صاحب گنگوہی تلمیذ رشید حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھنا شروع کیا۔ چونکہ میں ہی تنہا ان سے پڑھنے والا تھا اس لیے وقت کی کوئی پابندی نہ تھی۔ جب ان کو وقت ملتا تھا پڑھا دیتے تھے۔ اس لیے بسا اوقات ایسا ہوا کہ کبھی کسی دوکان کے تختے پر اور کبھی کسی کنویں کی سیڑیوں پر اور کبھی کسی مسجد میں، میں نے ان سے سبق پڑھا ہے۔ ایک ہی کتاب کا دن میں چار، چار مرتبہ سبق ہو جایا کرتا تھا اس طرح میں

Marfat.com

نے صرف دو سال کی مدت میں فارسی میں گلستان تک اور عربی میں مختصر المعانی، شرح وقایہ، سلم وغیرہ تک درس نظامی کی سب کتابیں پڑھیں۔

۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء میں میرا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ہدایہ اولین، جلالین مقامات حریری، ملا حسن، میبذی، سراجی وغیرہ کتابوں میں ہوا۔ اس طرح دورۂ حدیث ۱۹۵۴ء یا ۱۳۷۳ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب وغیرہم حضرات سے پڑھا۔

دورۂ حدیث سے فارغ ہوکر میں دارالافتا میں مشق فتاویٰ نویسی کے لیے داخل ہوگیا اور یہاں دو سال تک حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب سے استفادہ کیا اسی کے ساتھ ساتھ حکیم سید محفوظ علی صاحب سے فن طب کو بالاستیعاب حاصل کیا۔ موصوف ہی نے میری حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے انڈین میڈیسن بورڈ سے میرا رجسٹریشن بھی کرادیا تھا۔

دورۂ حدیث سے فارغ ہوتے ہی میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوگیا اور حضرت والا نے ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ میں مجھے سب سے پہلے ذکر جہری اور پاس انفاس تعلیم فرمایا چنانچہ بتوفیق ایزدی، طب وافتا اور سلوک یہ سب چیزیں پابندی سے ہوتی رہیں۔ بالآخر حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے رمضان ۱۳۷۴ھ کو قیام ٹانڈہ کے موقع پر اپنے حسن ظن کی بنا پر اس عاجز و نالائق کو اپنی نسبت اور اجازت بیعت سے نوازہ اور شوال ۱۳۷۴ھ کو اپنی ایک مستعمل کلاہ بھی عطا فرمائی۔ ''زہے نصیب......'' بہر حال یہ تو وہ ہیں اور رہا میرا معاملہ

من آنم کہ نم دانم

غالباً ۱۳۷۵ھ کو میں ہاپوڑ پڑھانے چلا گیا وہاں ایک سال رہا اسی سال حضرت نے رمضان المبارک میں بانس کنڈی (آسام) میں قیام فرمایا وہاں بھی معیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہاں سے آنے کے بعد چند مہینوں کے لیے نہٹور میں مطب کا سلسلہ شروع کردیا۔ لیکن حضرت اقدسؒ کے اشارے اور مرضی کی بنا پر ۱۳۷۵ ہجری یا ۱۹۵۶ء میں مجھے بجنور یتیم خانہ کا ناظم بنا کر بلا لیا گیا۔ ایک سال سے زائد یہاں کام کیا۔ انجمن یتیم خانہ کے منتظمین اور اپنے چند مخلص

Marfat.com

احباب کے مشورے سے ۱۹۵۸ء یا ۱۹۵۷ء کو محلّہ قاضی پاڑہ کا مدرسہ رحیمیہ (جس کو حکیم رحیم اللہ صاحب تلمیذ رشید حضرت نانوتوی نے بنوایا تھا جو تقریباً دس پندرہ سال سے بند پڑا تھا) اپنے شیخ محترم حضرت مدنیؒ کے نام کی نسبت سے مدرسہ عربیہ رحیمیہ مدینۃ العلوم بجنور کے نام سے پھر دوبارہ آباد کیا جو بحمد للہ اب کافی ترقی کر گیا ہے۔ بندہ اب بھی اس کا ایک ادنیٰ خادم ہے۔

یہ عریانی نہ ویرانی نہ آہِ فتنہ ساماں ہے
جنوں میں جیسا ہونا چاہیے ویسا گریباں ہے

فقط والسلام

خادم
عزیز الرحمٰن غفرلہ مدنی دارالافتاء بجنور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام اعظم ابوحنیفہ قرآن پاک کی روشنی میں

اَلسَّابِقُونَ الاَوَّلُونَ مِنَ المُھَاجِرِینَ وَالاَنصَارِ وَالَّذِینَ اتَّبَعُوھُم بِاِحسَانٍ رَضِیَ اللّٰہ عَنھُم وَرَضُو عَنہ (الایۃ)

مہاجرین اور انصار میں سابقین اولین اور جن حضرات نے انؑ کی نیکیوں میں اتباع کی اللہ نے ان سب کو پسند کرلیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

افضل التابعین امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جسمیں ہو بے پردہ روح قرآنی

(با اعتبار فقہ مراد ہے)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افضل التابعین امام اعظم ابو حنیفہؓ

حدیث شریف کی روشنی میں

رُجُلٌ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اسکو وہاں سے اتار لائے گا۔

(مسلم)

بالاتفاق اس حدیث کا مصداق ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؓ ہیں۔

(سبحان اللہ عزوجل) (سیوطی)

Marfat.com

باب اوّل

حیات امام اعظم ابوحنیفہؒ

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ هو المسک ما کررته تیضوع

نعمان کا تذکرہ ہمارے لیے بار بار کرو! کیونکہ وہ ایک مشک ہے جس کی تکرار سے خوشبو ہی پھیلے گی۔ (امام شافعی)

نام ونسب

نام نعمان، کنیت ابوحنیفہ، لقب بالاتفاق امام اعظم ہے۔آپ کی کنیت ''ابوحنیفہ'' کسی اولاد کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ کنیت وصفی ہے۔''یعنی ابا الملۃ الحنفیہ'' اور بوجہ آیۃ مبارکہ

وَاتَّبِعُو مِلَّةَ اِبراهِيمَ حَنِيفًا (الایۃ)

ابراہیم حنیف کی ملت کی اتباع کرو۔

آپ نے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اسے شرف قبولیت بخشا ۔جس کی وجہ سے اصل اسم نعمان پر غالب آ گئی قبولیت اور پسندیدگی اسی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے کنیت کے ساتھ ایک لقب امام اعظم کو بھی شہرت دوام بخشی۔

ذَالکَ فَضلُ اللّٰہ یُو تیهِ من یَّشاء (الایۃ)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

لہٰذا اب امام اعظم کہہ دینا ہی پورا تعارف ہے۔

آپ کا سن ولادت متفق علیہ اور مشہور روایت کی بنا پر ۸۰ھ ہے علامہ موفق اور دیگر

مورخین ومحدثین اور اصحاب الرجال نے مختلف اسناد سے اسی روایت کو ترجیح دی ہے دوسری روایت ۶۱ھ کی ہے لیکن یہ روایت ضعیف ہے اول الذکر روایت کے متعلق علامہ موفق فرماتے ہیں۔

الصحیح ھی الروایۃ الاولیٰ وھی المجمع علیھا[1]

صحیح روایت پہلی ہی ہے اور اسی پر سب کا اتفاق ہے۔

امام صاحب نسلاً فارسی ہیں سلسلہ نسب یہ ہے۔

نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان بن ثابت بن قیس بن یزدگرد بن شہریار بن نوشیروں[2]

بعض نے آپ کو عربی النسل بتلایا ہے[3] لیکن صحیح یہی ہے کہ آپ فارسی ہیں مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ غلام خاندان سے تعلق رکھتے ہیں یا آپ کے اجداد غلام تھے۔[4] اس کے ثبوت میں حافظ ابن حجر مکی صاحب خیرات الحسان نے ایک روایت آپ کے پوتے یعنی اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے اس طرح نقل کی ہے۔

واللہ ما وقع لنا رق قط[5]

خدا کی قسم ہم کبھی غلام نہیں تھے۔

اسی روایت کو جمہور علماء مورخین نے اختیار کیا ہے علامہ شبلی کی تحقیق بھی بہت خوب ہے فرماتے ہیں۔

خطیب مورخ بغدادی نے امام صاحب کے پوتے اسماعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہیں کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت

---

(۱) مناقب ص۵ ج۱۔

(۲) حدائق الحنفیہ ص۱۷۔

(۳) ابوزہرہ ص۱۲۔

(۴) صاحب اتحاف النبلا نے امام صاحب کو رقیت کی طرف منسوب کیا ہے لیکن دلیل میں کوئی روایت پیش نہیں کی۔

(۵) خیرات الحسان ص۱۹۔

Marfat.com

بچپن میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ان کے اوران کے خاندان کے حق میں دعا کی ہے۔ امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں ہے۔

اسماعیل نے امام صاحب کے داداد کا نام نعمان بتلایا ہے اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ زوطی اور ماہ مشہور ہے غالباً جب زوطی ایمان لائے تو ان کا نام نعمان سے بدل دیا گیا۔ اسماعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے باپ کا نام غالباً کچھ اور ہوگا۔ ماہ اور مرزبان لقب ہوں گے کیونکہ اسمعیل کی روایت سے اس قدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارس کا ایک مشہور اور معزز خاندان تھا۔ (۱) فارسی میں رئیس خاندان کو مرزبان کہتے ہیں۔ اسی لئے قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں۔ امام حافظ ابولحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہوں گے کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن میں یقیناً کہتا ہوں کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک ہی معنی ہیں دراصل وہی ''مہ'' ہے جس کے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں مشہور مصرعہ ہے۔

نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

عربی لہجہ نے مہہ کو ماہ کر دیا ہے (۲)

لیکن وہ روایات کہ جن کو بعض مورخوں نے بیان کیا ہے زوطی کابل سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور قبیلہ تیم اللہ کی ایک عورت نے ان کو خرید لیا تھا، واہیات اور کمزور اور بے اصل ہیں۔ کیونکہ معیار شرافت تقوی ہے نہ کہ نسب، قرآن میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَاللّٰہِ اَتقٰکُم (الایتہ)

تم میں سے شریف ترین اللہ کے نزدیک تمہارے سب سے زیادہ متقی ہیں۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اولی بی المتقون من کانو وحیث (کانو!)

---

(۱) سلسلۂ نسب سے معلوم ہوا کہ آپ شاہی خاندان سے تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ شہنشاہان عالم نے بھی آپ ہی کے فقہ پر اپنی حکومتوں کو قائم کیا۔

(۲) سیرت النعمان ص ۱۴۳

Marfat.com

مجھ سے نزدیک تر متقی ہیں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔

پھر بقول علامہ جلال الدین سیوطی کہ حدیث لوکان الدین کے مصداق امام صاحب ہیں۔اب کسی مزید دلیل ذکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔پھر حضرات صحابہؓ میں بہت سے صحابہ غلام تھے۔حضرت بلالؓ کے مقابلہ میں امت میں کس حر کو پیش کیا جا سکتا ہے؟یا کفار مکہ کے سرداروں میں کس کا نام لیا جا سکتا ہے؟[1]

ابولهب فی فائق الحسن لم یکن　　عدیل بلال اسود اللون حالک

ابولہب حسین ترین ہونے کے باوجود حضرت بلال سیاہ ترین پر فوقیت نہ لے سکا۔کسی نے کیا خوب کہا ہے[2]

خاک کے پردے میں ہیرے کی کنی ہوتی ہے

حضرات تابعین اور ائمہ کرام کی ایک کثیر تعداد غلام تھی۔عطا بن ابی رباح ،ربیعۃ الرائے ،نافع ،طاؤس ،بن کیسان ،ابن ابی کثیر ،میمون بن مہران ،مکحول ضحاک بن مزاحم ،حسن ، ابن سیرین وغیرہم۔لہٰذا اب اس اعتراض کی حقیقت کہ امام ابوحنیفہ مولی ہیں۔تار عنکبوت کے سوا کچھ نہیں ہاں اس میں شک نہیں کہ بعض روایات میں امام ابوحنیفہؒ کے نام کے ساتھ لفظ مولی ملتا ہے لیکن اس کا تاریخی پس منظر کیا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

لفظ مولیٰ اور اس کا پس منظر

اہل عرب اس لفظ کا استعمال بہت سے معنی میں کرتے ہیں مثلاً مولی بمعنی ''آقا''،مولی بمعنی ''غلام''،مولی بمعنی ''حلیف'' لیکن اصطلاحاً مورخین نے ان کا اطلاق غیر عرب پر کیا ہے۔

هو الاسم الذی اطلقه المورخون علی غیر العرب

مولی ایک اسم ہے۔جس کا اطلاق مورخوں نے عجمیوں پر کیا ہے۔

اور حضرات تابعین کے زمانے میں یہ لفظ فقہائے کرام کے لیے بھی مستعمل تھا۔

هم حملة الفقه فی عصر التابعین

موالیٰ عصر تابعین میں اہل فقہ ہیں۔

---

(۱) ابوزہرہ ص ۱۴

(۲) ایضاً

Marfat.com

لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ تابعین کے زمانہ میں تمام اہل فقہ کو ''موالی'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا؟ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں اہل عرب فتوحات میں زیادہ مشغول تھے اور اسلامی سلطنت کی حدود روز بروز وسیع تر ہو رہی تھیں۔ عربوں کو عجمی شہروں اور اہل عجم کو عربی امصار میں آنے جانے کے مواقع کثرت سے پیش آتے تھے اور اسی مضمون میں فریقین کے دوستانہ تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے ایسے تعلقات کو اہل عرب ''ولا'' اور ایسے اشخاص کو موالی کہتے تھے لہٰذا اگر زوطی (امام کے دادا) نے بھی کسی عرب سے یہی رشتہ قائم کرلیا ہو تو کیا بعید ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ اس زمانہ میں علماء فقہا ہی موالی کیوں تھے؟ وجہ اس کی صاف ظاہر ہے کہ اہل عرب کو فتوحات اور امور حکمرانی سے فرصت نہیں تھی جو وہ علم کی طرف توجہ کرتے اور اس وقت تک علم حدیث، علم فقہ اہل عرب کے نزدیک فن کے درجہ میں شمار نہیں ہوتے تھے مگر اہل عجم کے نزدیک ان کی حیثیت ایک مستقل فن کی تھی۔ اور وہ ان کو فن ہی کی طرح سیکھتے تھے لہٰذا اس وقت اہل عجم کو اسی علمی شرافت کی وجہ سے اگر ''موالی'' سردار کہا گیا تو بہت خوب کہا گیا۔

امام صاحب کا مولد

آپ کا مولد کوفہ ہے اس وقت کوفہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ علامہ کوثری نے نصب الرایہ کے مقدمہ میں کوفہ کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔

> کوفہ عہد فاروقی ۱۷ھ میں بحکم امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ تعمیر کیا گیا۔ اور اس کے اطراف میں فصحائے عرب آباد کئے گئے۔ اور سرکاری طور پر یہاں کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تقرر ہوا، ان کی علمی منزلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کو اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا، ابن مسعودؓ کے مجھے یہاں خاص ضرورت تھی لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھتے ہوئے ان کو بھیج رہا ہوں حضرت ابن مسعودؓ نے کوفہ میں حضرت عثمانؓ کے آخر وقت تک لوگوں کو قرآن پاک اور مسائل دینیہ کی تعلیم دی۔ حضرت ابن مسعودؓ کی اس جدوجہد اور کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس شہر میں چار ہزار علماء اور محدثین پیدا ہو گئے۔ حضرت علیؓ جب کوفہ پہنچے تو اس شہر کے علمی ماحول کو دیکھ کر فرمایا اللہ

Marfat.com

تعالیٰ بھلا کرے ابن مسعودؓ کا کہ انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا۔اور دوسرے جلیل القدر صحابہؓ مثلاً حضرت سعید بن جبیرؓ یہاں ایسے تھے کہ جب حضرت ابن عباسؓ سے کوفہ کا کوئی آدمی مسئلہ دریافت کرتا تو فرماتے کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیرؓ نہ تھے جو یہاں دریافت کرنے آئے۔اسی کوفہ میں مشہور تابعی ''امام شعبی'' رہتے تھے۔ان کے متعلق حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے باوجودیکہ ہم غزوات میں حضور صلعم کے ساتھ شریک رہے لیکن اس کی یادداشت جتنی ان کو ہے ہم کو نہیں حضرت ابراہیم نخعی کا قیام بھی کوفہ ہی میں رہا۔ان کے بارے میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اصحاب نقد کے نزدیک ان کے مراسل صحیح سمجھے جاتے ہیں۔انہوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت عائشہؓ کا زمانہ پایا ہے۔ابوعمران نے ان کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ ابراہیم نخعی اپنے زمانے کے تمام علما سے افضل ہیں۔۹۵ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو تو ابوعمران نے ایک شخص سے کہا کہ آج تم نے سب سے زیادہ فقیہہ انسان کو سپرد خاک کر دیا ہے،اس نے کہا کہ حسن بصریؒ سے بھی زیادہ!فرمایا بلکہ تمام اہل بصرہ اور اہل کوفہ،اہل شام،اہل حجاز سے بھی زیادہ۔

کوفہ کی عالمی قدر و منزلت کا اُس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس شہر میں پندرہ سو صحابہؓ کا قیام رہا ہے۔جن میں ستر اصحاب بدری تھے علاوہ ازیں حضرت علقمہ کا قیام بھی اس شہر میں تھا رامہرمزی نے اپنی کتاب الفاصل میں قبابوس سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت علقمہ کے پاس جایا کرتے ہیں اور یہ تو حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد ہیں فرمایا جان پدر!میں خود ان کے پاس جناب رسول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو مسائل دریافت کرنے کے لیے آتے جاتے دیکھتا ہوں۔

قاضی شریح یہاں کے مشہور قاضی رہ چکے ہیں ان کے بارے میں حضرت علیؓ کا بیان ہے شریح اٹھو! اور فیصلہ کرو! کیونکہ تم عرب میں سب سے بڑھ کر قاضی ہو ان کے علاوہ ۳۴ حضرات اور بھی یہاں رہتے تھے جو اصحاب رسول اللہ صلعم کی موجودگی میں اصحاب فتویٰ تھے۔

اس دور کے بعد ان حضرات کے شاگردوں کا زمانہ آتا ہے ان کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز تھی، ابو بکر حصاص کہتے ہیں کہ دیر جماجم میں حجاج سے جنگ کرنے کے لیے تنہا عبدالرحمٰن ابن ذلاشعث کے ساتھ چار ہزار کی تعداد میں قرا تابعین تھے۔ رامہرمزی انس ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں کوفہ پہنچا تو اس وقت وہاں چار ہزار محدثین اور چار سو فقہا موجود تھے۔ عفان ابن مسلم [(۱)] سے روایت ہے کہ جب ہم کوفہ پہنچے تو وہاں ہم نے چار ماہ قیام کیا حدیث کا وہاں اس قدر چرچا تھا کہ اگر ہم حدیثیں لکھنا چاہتے تو ایک لاکھ لکھ سکتے تھے لیکن ہم نے صرف ۵۰ ہزار پر اکتفا کیا اور یہ حدیثیں وہ ہیں جو جمہور کے نزدیک مسلم ہیں۔

کوفہ کی اس مختصر عالمی اور تاریخی داستان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث اور رجال کی کتابوں میں بیشتر رواۃ کوفہ ہی کے کیوں ہیں؟ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں متعدد بار حدیث حاصل کرنے کوفہ گیا ہوں [(۲)] اہل کوفہ کی علمیت سے متاثر ہو کر امام ترمذی نے اکثر جگہ اہل کوفہ کے مذہب کا ذکر کیا ہے یہی شہر امام صاحب کا مولد ہے جہاں سے ہمیشہ علوم نبوت کی نشر و اشاعت ہوئی ہے لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حنفی فقہ حدیث کے خلاف ہے یا محض قیاس پر مبنی ہے وہ ان مشہور تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

(امام صاحب نے اپنے زمانے میں کوفہ کا کوئی تابعی اور صحابی ایسا نہیں چھوڑا جس سے ملاقات نہیں کی پھر آپ سے بھی بہت سے تابعین نے روایات نقل کی ہیں۔)

---

(۱) آپ امام احمد اور امام بخاری کے استاد ہیں۔

(۲) فتح الباری ص ۱۹۴، ج ۲

Marfat.com

تابعیت امام اعظمؒ

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے سوانح نگاروں کے درمیان آپ کی تابعیت کا مسئلہ بہت اہم شمار کیا گیا ہے اور مخالفین اور موافقین نے بھی اس کے نفی و اثبات میں بہت کافی زور صرف کیا ہے۔

یہ معرکہ اگرچہ آج کل کی روشنی خصوصا غیر قوموں میں لفظی منازعت کی حیثیت رکھتا ہو تو ہو لیکن اس سے مسلمانوں کی اپنے پیغمبر سے والہانہ عقیدت اور محبت اور قرآن کریم سے بے پناہ تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

السابقون الاولون من المهاجرين ولانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضو عنه (الاية)

سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار اور ان کی نیکیوں میں جنہوں نے اتباع کی اللہ تعالی ان سب سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

آخر جن لوگوں کو خداوند عالم کی طرف سے یہ شرافت اور بزرگی حاصل ہوئی ہے ان کے اعزاز و اکرام کی کنہ کو کون پہنچ سکتا ہے۔ حدیث شریف میں پیغمبر خدا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

طوبى لمن رأنى ولمن رآء من رأنى

مبارک ہو جس نے مجھے دیکھا اور میرے دیکھنے والوں کو دیکھا

۹۰۷۲۷

Marfat.com

آخر اس نسبت میں کچھ تو خیر و برکت ہے جس کی طرف آنحضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم

مبارک تر میرا زمانہ ہے پھر اس سے متصل پھر اس سے متصل۔

اسی قسم کی آیات واحادیث سے حضرات صحابہؓ وتابعین کے مقام کی رفعت کا اندازہ ہوسکتا ہے اسی مرتبہ کی رفعت کی طرف حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں اشارہ کیا ہے۔

فضیلت میں اویس قرنیؒ حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں اس گرد کے برابر بھی نہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جہاد کی شرکت میں بیٹھ گئی تھی۔

بہر حال حضرات صحابہؓ کے بعد حضرات تابعین ہی کا مرتبہ ہے۔حضرت امام ابوحنیفہ تابعی ہیں یا نہیں یہ مسئلہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ آپ کا سن پیدائش ۸۰ھ اور دوسری روایت کی بنا پر ۶۱ھ ہے اور حضرات صحابہؓ کی جماعت میں سے سب سے آخر وفات پانے والے حضرت ابو الطفیل (مکہ معظمہ) ۱۱۰ھ ہیں اور امام صاحب کا سن وفات ۱۵۰ھ (غالباً) ہے۔لہٰذا ۸۰ھ لغایۃ ۱۱۰ھ یا ۶۱ھ لغایۃ ۱۱۰ھ، ۳۰ اور ۵۲ سال کی مدت میں کتنے صحابہؓ موجود ہوں گے۔جن سے امام صاحب کی ملاقات کے قوی امکانات موجود ہیں۔پہلی روایت ۳۰ سالہ مدت میں مندرجہ ذیل حضرات صحابہؓ کی ملاقات کے قوی امکانات موجود ہیں۔

حضرات صحابہؓ جن کا زمانہ امام صاحب نے پایا

۱۔	حضرت انس بن مالکؓ	متوفی	۹۳ھ
۲۔	حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ	"	۸۷ھ
۳۔	حضرت سہل بن سعدؓ	"	۸۸ھ
۴۔	حضرت ابو الطفیلؓ	"	۱۱۰ھ یا ۱۰۲ھ
۵۔	حضرت واثلہ بن الاسقعؓ	"	۸۵ھ
۶۔	حضرت مقدام بن معدیکربؓ	"	۸۷ھ

۷۔ حضرت ابو امامہ باہلیؓ	〃	۸۶ھ
۸۔ حضرت عمرو بن حریثؓ	〃	۸۵ھ
۹۔ حضرت عبداللہ بن بسرؓ	〃	۸۸ھ یا ۹۶ھ
۱۰۔ حضرت بسر بن ارطاۃؓ	متوفی	۸۶ھ
۱۱۔ حضرت عبداللہ بن حارثؓ بن جزر	〃	۸۵ھ یا ۸۶ھ یا ۸۷ھ یا ۸۸ھ یا ۹۹ھ
۱۲۔ حضرت عتبی بن عبدالسلمیؓ	〃	۸۷ھ یا ۹۰ھ
۱۳۔ حضرت اسعد بن سہلؓ	〃	۱۰۰ھ
۱۴۔ حضرت سائب بن یزیدؓ	〃	۹۱ھ
۱۵۔ حضرت طارق بن شہاب بجلی کوفیؓ	〃	۸۲ھ یا ۸۳ھ
۱۶۔ حضرت عبداللہ بن ثعلبہؓ	〃	۸۷ھ یا ۸۹ھ
۱۷۔ حضرت عبداللہ بن الحارث بن نوفلؓ	〃	۹۹ھ
۱۸۔ حضرت عمر بن ابی سلمہؓ	〃	۸۳ھ
۱۹۔ حضرت مالک بن حویرثؓ	〃	۹۴ھ
۲۰۔ حضرت محمود بن لبیدؓ	〃	۹۶ھ
۲۱۔ حضرت مالک بن اوسؓ	〃	۹۲ھ
۲۲۔ حضرت قبیصہ ابن ذویبؓ	〃	سہ (تقریب)

جناب حافظ المزی نے بیان فرمایا ہے کہ امام صاحب کی ملاقات ۲۷ صحابہؓ سے ہوئی ہے۔[1] تاہم بقیہ سن وفات حضرات کی فہرست ہم نے پیش کر دی۔ منصف مزاج اہل علم تو امام صاحب کی تابعیت سے انکار نہیں کر سکتے اور دوسروں کو ہم قابل اعتنا نہیں سمجھتے۔

---

(۱) معجم المصنفین ص ۳۳، ج ۲۔

ــ حضرت عبداللہ بن حارثؓ کے سن وفات میں جس قدر اختلاف ہے وہ ہم نے ذکر کر دیا لیکن برہان الاسلام حسین بن علی بن حسین غزنوی نے جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ان کا سن وفات ۹۹ھ ہے (مقدمہ مسند امام اعظم ص ۶۹، مطبوعہ کراچی)

Marfat.com

تابعی کی تعریف

امام صاحب کی تابعیت کے متعلق اختلاف ،تابعی کی تعریف کے اختلاف پر مبنی ہے۔بعض حضرات نے رویت کے ساتھ روایت کی بھی شرط لگائی ہے۔لیکن یہ قید صحیح نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے صرف رویت ہی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے جس کی بنا پر جمہور نے صحابیؓ اور تابعی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

من لقی النبی صلعم مومنا به ومات علی الاسلام ولو تخللت ردة[1]

صحابی وہ ہے جس نے بحالت ایمان حضورؐ سے ملاقات کی اور اسلام پر وفات پائی اگر چہ درمیان میں ارتداد پیش آ گیا ہو۔

اس تعریف میں صرف ملاقات کا اعتبار کیا گیا ہے اگر اس کے ساتھ روایت کی قید کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضرات صحابہؓ کی کثیر تعداد تبہ صحابیت سے نکل جائی گی جس کو کوئی بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور تابعی کی تعریف صحابیؓ کی تعریف سے ماخوذ ہے۔

التابعی وهو من القی الصحابی[2]

تابعی وہ ہے جس نے صحابی سے ملاقات کی

حافظ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان میں اسی تعریف کو اکثر محدثین کا مسلک قرار دیا ہے۔اسی تعریف کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی بیان فرماتے ہیں۔

هذاهو المختار خلافاً لمن اشترط فی التابعی طول الملاذمةو صحت السماع[3]

یہ بہترین تعریف ہے ہاں ان کے خلاف ہے جو تابعی کے لئے طول صحبت اور صحت سماع کی قید لگاتے ہیں۔

شیخ ابوالحسن نے حافظ ابن حجر کی تصویب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

علامہ عراقی کہتے ہیں کہ اسی تعریف پر اکثر علماء کا عمل ہے اور یہی معتبر ہے کیونکہ حضور صلعم نے اپنے ارشاد میں اسی طرف اشارہ کیا ہے طوبی لمن رأنی وآمن بی وطوبی لمن رآء من رأنی۔اس حدیث شریف میں محض

---

(۱) نخبۃ الفکر، ص۸۱ ج۲ (۲) ایضاً ص۸۴ (۳) نزہۃ النظر، ص۸۴

Marfat.com

رویت ہی کی قید ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی رو سے امام صاحب تابعین کے رشتہ میں منسلک ہیں اس لیے کہ آپ نے انس بن مالکؓ اور دوسرے صحابہؓ کو دیکھا ہے (اس کے بعد فرماتے ہیں) جن لوگوں نے امام صاحب کے تابعی ہونے کا انکار کیا ہے وہ متعصب اور کم فہم ہیں۔ (۱)

لٰہذا ان وجوہات کی بنا پر ابن حبان کی رائے قابل قبول نہیں ہے۔ (۲)

امام صاحب تابعی ہیں

اس مختصر تمہید کے بعد امام صاحب کی تابعیت کا مسئلہ ہے۔ جس کا مجملاً ذکر تو سطور بالا میں آچکا ہے مگر یہاں قدرے تفصیل انسب ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

ادرک الامام ابو حنیفه جماعة من الصحابة لانه ولد بالکوفة سنة ثمانین من الهجرة و بها یومئذٍ من الصحا بة عبدالله بن ابی اوفی فانه مات بعد ذلک بالاتفاق وبالابصرة یومئذٍ انس بن مالک ومات سنة تسعین اوبعدها (۳)

امام صاحب نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے کیونکہ وہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اور اس وقت کوفہ میں عبداللہ ابن اوفی موجود تھے اس لیے کہ بالاتفاق ان کا انتقال ۸۰ھ کے بعد ہوا ہے اور بصرہ میں اس وقت حضرت انس موجود تھے اور ان کا انتقال ۹۰ھ میں یا اس کے بعد ہوا ہے۔

حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

فهو بهذا لا عتبار من التابعین

اس وجہ سے امام صاحب تابعین میں سے ہیں

علامہ عسقلانی نے بخاری کی شرح میں باب الصلوٰۃ فی الثیاب کے تحت بیان فرمایا ہے کہ یہی جمہور کا مسلک ہے۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔

---

(۱) تنزیہ النظر، ص۸۴، (۲) تنسیق النظام ص (۳) ایضاً

Marfat.com

انه رای انس بن مالک مراراً (۱)

امام صاحب نے انس بن مالک کو چند بار دیکھا ہے۔

غرض کہ ائمہ فن مثلاً خطیب بغدادی، ابن جوزی، مزی، یافعی، عراقی، ذہبی ابن حجر، قسطلانی، سیوطی وغیرہ حضرات امام صاحب کی تابعیت پر متفق ہیں۔ (۲) علامہ ابن حجر مکی نے شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا ہے۔

ادرک الامام الاعظم ثمانیة من الصحابة (۳)

امام صاحب نے آٹھ صحابہ سے ملاقات کی ہے۔

جن آٹھ یا دس صحابہؓ سے امام صاحب نے ملاقات کی ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔	انس بن مالکؓ	متوفی	۹۳ھ
۲۔	عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ	"	۸۷ھ
۳۔	سہل بن سعدؓ	"	۸۸ھ
۴۔	ابوطفیلؓ	"	۱۱۰ھ
۵۔	عبداللہ بن انیسؓ	"	۸۲ھ
۶۔	عبداللہ بن جزائز بیدیؓ	"	۹۹ھ
۷۔	جابر بن عبداللہؓ	"	۹۴ھ
۸۔	عائشہ بنت عجردؓ	"	ھ
۹۔	واثلہ بن الاسقعؓ	"	۸۵ھ
۱۰۔	معقل بن یسارؓ	"	ھ

دارقطنی نے کہا ہے کہ آپ نے صرف حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا ہے ابوطفیل وغیرہ کو نہیں دیکھا لیکن دارقطنی کی یہ رائے انصاف اور تحقیق پر مبنی نہیں ہے کیونکہ بقول صاحب در مختار آپ نے ۵۵ حج کئے ہیں۔ پندرہ حج حضرت ابوطفیل (مکہ معظمہ) کی حیات میں کئے ہیں اور حضرت ابوطفیل کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا ہے اور امام صاحب کی پیدائش ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ ہے۔ یعنی آپ ۷۰ سال حیات رہے۔ ۱۵ سال کی عمر میں پہلا حج اپنے والد صاحب کے ساتھ

(۱) خیرات الحسان (۲) اوجبۃ الجید، ص ۴۵ (۳) تنسیق النظام، ص ۱۰

Marfat.com

کیا۔اس لئے ۱۵ حج کی مدت ۱۱۰ھ پر ختم ہو جاتی ہے۔ پہلا حج ۹۵ھ اپنے والد صاحب کی معیت میں کیا ہے۔[1] لہٰذا عقل دار قطنی کے قول کو کس طرح تسلیم کرے کہ حضرت ابو طفیل مسجد حرام میں تشریف رکھتے ہوں امام صاحب بالغ بھی ہوں اور پھر بھی صحابی کی ملاقات سے گریز کرتے رہیں؟ اس مدت میں تو سماع حدیث بھی یقینی ہے۔

خامہ انگشت بدانداں کہ اسے کیا لکھئے ناطقہ سر بگر بیاں کہ اسے کیا کہئے

ان وجوہات کی بناپر ابن سعد کی رائے نہایت قیمتی ہے۔

فهو بهذا الاعتبار من طبقة التابعين ولم يثبت ذلك لاحد من ائمة الامصار المعاصرين له كالا وزاعي بالشام والحمادين بالبصرة والثوري بالكوفة وما لك با لمدينة ومسلم بن خالد الزنجي بمكة والليث بن سعد بمصر[2]

امام صاحب اس اعتبار سے تابعین کے طبقہ میں سے ہیں۔ یہ خصوصیت آپ کے معاصر ائمہ میں سے کسی کو حاصل نہیں مثلاً اوزاعی کو شام میں، حماد بن زید اور حماد بن سلمہ (بصرہ) ثوری (کوفہ) مالک (مدینہ) مسلم ابن خالد (مکہ) لیث بن سعد (مصر) میں

یعنی جس قدر امام صاحب کو حضرات صحابہؓ کی ملاقات کے مواقع حاصل ہوئے دوسروں کو نہیں۔ حضرت انسؓ کی ملاقات کا معاملہ تو مخالفین کو بھی تسلیم ہے۔ علامہ ذہبی نے اس بارے میں امام صاحب کا قول پسند نقل کیا ہے۔[3] علامہ کردری اور علامہ موفق نے اپنی اپنی کتابوں میں امام صاحب کے مرویات کو بھی ذکر کیا ہے اور ان کی تعداد پچاس بتلائی ہے علامہ خوارزمی فرماتے ہیں۔

اتفق العلماء على انه روى عن اصحاب رسول الله صلعم لكنهم اختلفوا في عددهم[4]

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام صاحب نے صحابہؓ سے روایات نقل کی

---

(۱) اوجز، ص ۵٦، ج اتحریر فرماتے ہیں کہ اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا تفصیل ملاحظہ فرمائیے اوجز۔
(۲) تنسیق ص ۱۰، (۳) مناقب از ذہبی ص ۸، (۴) تنسیق ص ۱۰

Marfat.com

ہیں لیکن ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔

بعض حضرات نے ۶ بعض نے ۵ بعض نے ۷ اور بعض نے مرویات کی تعداد ۸ بتلائی ہے۔علامہ کردری نے ان حضرات صحابہؓ کے نام بھی شمار کرائے ہیں۔مثلاً انس ابن مالک،عبداللہ بن ابی اوفی،حضرت سہل بن سعد،حضرت ابوطفیل،حضرت عامر ابن واثلہ،حضرت واثلہ،بن اسقع حضرت معقل بن یسار حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم۔علامہ موصوف نے ان روایات کو درایۃً بھی ثابت کیا ہے اور وہ قرائن بھی ذکر کر دیے ہیں کہ جن کی وجہ سے صاحب انصاف کو اعتراف ہی کرنا پڑتا ہے۔اس میں شک نہیں کہ محدثین کرام نے ان مرویات پر اعتراض بھی قائم کیے ہیں لیکن!

قد بیّنا ان الامکا ن ثابت و الناقل عدل المثبت اولی من النافی (۱)

ہم نے بیان کر دیا کہ امکان موجود ہے اور ناقل عادل ہے اور منفی کے مقابلہ میں مثبت کو قوت حاصل ہوتی ہے۔

اور ہم مثبت کی پوزیشن میں ہیں اس لیے ہمارے دلائل کو زیادہ تقویت حاصل ہے۔(۲) حضرت عبداللہ بن مبارک جن کو امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

کفی نعمان فخراً ما رواہ   من الاخبار عن عزد الصحابۃ

بہر حال یہ روایت کی شرط کے مطابق بھی امام صاحب کی تابعیت سے انکار محال ہے ورنہ متفق علیہ تعریف کی رو سے تو کوئی اشکال ہی باقی نہیں رہتا۔امام صاحب نے حضرت عبداللہ بن جزر بن الحارث سے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔

قال ابو حنیفۃ ولدت سنۃ ثمانین سنۃ و حججت سنۃ سۃ وتسعین وانا ابن ست عشرۃ سنۃ فلما دخلت مسجد الحرام ورایت حلقۃ عظیمۃ فقلت لابی حلقۃ من ھٰذہ فقال حلقۃ عبداللہ بن الحارث بن جزالذیدی صاحب النبی صلعم فتقد مت فسمعتہٗ یقول سمعت رسول اللہ صلعم یقول من تفقہ فی دین اللہ کفاہ اللہ مھمہ یر زقہ من حیث لا یحتسب (۳)

(۱) کردری ص۱۴،ج۱، (۲) معجم المصنفین ص۲۶،ج۲، (۳) مسند امام اعظم

Marfat.com

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور اپنے والد کے ہمراہ ۹۶ھ میں حج ادا کیا اس وقت میری عمر ۱۶ سال کی تھی جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک بڑا حلقہ دیکھا تب میں نے اپنے والد سے دریافت کیا۔ یہ حلقہ کن کا ہے تو میرے والد نے کہا حضرت عبداللہ بن حارث صحابیؓ کا ہے۔ میں آگے بڑھا اور ان کو میں نے یہ کہتے سنا کہ حضور صلعم نے فرمایا ہے جس نے فقہ فی الدین حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے مقاصد کا ذمہ دار ہوگا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔

یہ حدیث صحیح ہے اور جیسا کہ گذشتہ حاشیہ میں بیان کیا جا چکا ہے حضرت عبداللہ بن حارث کی وفات ۹۹ھ ہے۔ بہر حال ہر طرح ہمارا مدعا ثابت ہے۔

Marfat.com

مختصر حالات زندگی

سیاسی حالات

جس وقت امام اعظم ابوحنیفہ پیدا ہوئے اس وقت عبدالملک سریر آرائے سلطنت تھا اوراس کی طرف سے حجاج بن یوسف عراق کا گورنر مقرر تھا۔ حجاج بن یوسف کا نام آجانے کے بعداس وقت کے سیاسی حالات پر کسی خاص تبصرہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ اس نے اس قدر مظلوموں کو ناحق قتل کیا اوراس قدر صلحاء اور علماء کو تلوار کے گھاٹ اتارا کہ جس کی وجہ سے امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ اگر سب پیغمبروں کی امتیں اپنے اپنے بدکاروں کو پیش کریں اوران سب کو ایک پلّہ میں رکھا جائے اور ہم صرف حجاج بن یوسف ہی کو پیش کریں تو یقیناً ہمارا پلّہ بھاری رہے گا۔ اسی طرح ابراہیم بن یزید نخعی نے اس کے انتقال کی خبر سن کر سجدۂ شکر ادا کیا اور فرط مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔

ظلم ستم کے ان بھیانک اندھیاروں سے خوف زدہ ہوکر صلحائے امت اور مقتدائے ملت گوشہ گیر ہو گئے تھے۔ لیکن اگر کسی نے ذرا سی بھی جرأت دکھائی اسی نے اپنا سر موت کے آستانہ پر بھینٹ چڑھادیا اور وہ اس طرح ان اندھیاروں سے نجات پا گیا۔

عبدالملک کا انتقال ۸۶ھ میں ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا ولید خلیفہ ہوا۔ اس کے زمانہ میں زوردستی اور ظلم پروری کا تو وہی عالم تھا لیکن مسلمانوں کی حکومت کی حدود کابل اور قندھار تک پہنچ گئی تھیں۔ مگر اشاعت علم نبوت کا کوئی خاص بندوبست نہ تھا۔ علماء کرام انفرادی طور پر

(۱) طبقات ابن سعد ص ۱۹۵، ج ۶

اپنے اپنے حجروں میں بیٹھے وراثت نبی صلعم کی حفاظت کر رہے تھے اور طالبان علم دین کو بہزار دشواری علم پہنچا رہے تھے۔

خدا خدا کر کے ۹۵ھ میں حجاج کا اور ۹۶ھ میں ولید کا انتقال ہوا۔ ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔ اس کے بارے میں مورخین کی رائے ہے کہ بنی امیہ میں سب سے بہترین خلیفہ ہوا ہے اس کی لونڈی نے اپنے اشعار میں اس کی مدح کرتے ہوئے کہا ہے۔

(۱) تو بہترین دولت ہے کاش کہ تجھے بقا ہوتی مگر مجبوری ہے کہ انسان کے لیے بقا نہیں ہے۔

(۲) جہاں تک مجھے علم ہے تجھ میں کوئی عیب نہیں ہے بجز اس کے تو فانی ہے۔ (۱)

۲۰ صفر ۹۹ھ کو سلیمان کا انتقال شہر وابق (قنسرین) میں ہوا اس طرح سلیمان ۲ سال اور ۵ دن کم آٹھ مہینہ خلیفہ رہا۔

سلیمان کی وصیت کے مطابق عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے اور ۱۰۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے زمانہ میں علم کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی۔ یہ خود بڑے زبردست عالم تھے اور علماء کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے اس لیے ان کے زمانہ میں علماء بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ ہی نے تدوین حدیث کا کام شروع کرایا تھا۔ اپنے عمال کو بھی اس کی تاکید کر رکھی تھی اور خود بھی علماء سے ربط قائم کر کے اس کام کو نہایت انہماک سے کیا۔ امام بخاری نے اسی کو اپنی جامع صحیح میں اس طرح بیان کیا ہے۔

کتب عمر بن عبدالعزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان حدیث رسول اللہ صلعم فاکتبہ فانی خفت من دروس العلم و ذھاب العلماء (۲)

عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ حضور صلعم کی احادیث کو لکھو۔ اس لیے کہ مجھے علم اور علماء کے اٹھ جانے کا خوف ہے۔

اس واقعہ کے متعلق علامہ بدرالدین عینی نے بیان فرمایا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے یہ حکم نامہ اپنے زمانے کے تمام علمائے کرام کے پاس بھجوایا تھا جس کی وجہ سے ۱۰۰ھ میں تدوین حدیث کا کام شروع ہو گیا تھا۔ (۳)

---

(۱) طبقات ابن سعد ص ۲۰۰، ج ۶ (۲) بخاری شریف (۳) عمدۃ القاری ص ۵۲۶، ج ۱

Marfat.com

اس سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو رہی ہے کہ خلیفہ عبدالملک اور ولید کے زمانے میں جس خوف نے علمائے کرام گوشہ گیر بنا دیا تھا وہ خوف باقی نہیں رہا تھا بلکہ حالات برعکس ہو گئے تھے۔ علماء کو اشاعت علم کے بیش از بیش مواقع حاصل تھے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ واقعہ فاجعہ کربلا یعنی شہادت حسینؓ نے مسلمانوں کے قلوب میں جو جذبات بنی امیہ کے خلاف بھر دیئے تھے وہ غیر فانی تھے۔ طرفداران حسین حکومت پر تنقید کرنے سے غافل نہیں تھے۔ عباسی حضرات ہر وقت موقع کے متلاشی رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۰۰ھ میں خلافت عباسی کے لیے پہلی تحریک شروع ہوئی اور اس کے بعد زور پکڑتی چلی گئی آخر کار ۱۳۲ھ میں ابو العباس اس خاندان کا پہلا خلیفہ تخت خلافت پر قابض ہو گیا۔ خلافت عباسیہ ہی کے زمانہ میں امام صاحب نے ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ گویا کہ امام صاحب کا ۷۰ سالہ (۸۰ھ لغایۃ ۱۵۰ھ) زمانہ سیاسی اعتبار سے ایک انقلابی زمانہ ہے جس میں بہت تھوڑی مدت تو امن وسکون کی گزری ہے۔ کیونکہ ابتدائی زمانہ (۹۹ھ تک) ایسا زمانہ ہے کہ جس میں حجاج بن یوسف کا دست ظلم وستم سے کوئی محفوظ نہیں اور اس کے بعد کا زمانہ بنو عباس اور بنو امیہ کی مخالفت اور ہنگامہ خیز ریشہ دوانیوں اور قتل و غارت کا زمانہ ہے۔ لہٰذا ہمارے ناظرین کو اس سیرت کا مطالعہ کرتے وقت ان حالات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ ان ہی حالات میں امام صاحب کا وہ تاریخی وانقلابی اور مذہبی کارنامہ ہوا جس کو تدوین فقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

تحصیل علم کی ابتداء

امام صاحب کا آبائی پیشہ تجارت تھا اس لیے آپ نے بھی اسی کو اختیار کیا اور اسی کو ذریعہ رزق بنائے رکھا۔ ائمہ میں کسب معاش اور اشاعت علم دو متضاد راہوں پر بیک وقت گامزن ہونے کی سب سے پہلی مثال آپ نے قائم کی آپ نے اپنے علم کو امراء وسلاطین کے عطیات کا کبھی شرمندہ احسان نہیں بنایا اور نہ تلامیذ اور عقیدت مندوں ہی کا مرہون کرم بنایا بلکہ تلامذہ اور غربا و مساکین کو اپنے مال میں شریک بنائے رکھا اور ہمیشہ ایسے ضرورت مندوں کی تربیت و پرورش فرمائی جو لاوارث اور نادار تھے۔

Marfat.com

ریشمی کپڑے کی تجارت کا کام تھا۔ ہزاروں اور لاکھوں کا کاروبار تھا۔ اور عراق، شام وایران، عرب کو مال سپلائی کیا جاتا تھا۔ اتنے پھیلاؤ اور وسعت کے باوجود کیا مجال کہ ایک درہم مشتبہ آجائے یہی وجہ تھی کہ آپ کی تجارت صدق وامانت میں حضرت صدیق اکبرؓ کی تجارت کا چرچہ تھا۔ (۱)

تجارتی امور کی وجہ سے شہروں اور بازاروں میں آپ کی بکثرت آمدورفت رہتی تھی۔ ایک دن گذرتے ہوئے امام شعبی سے ملاقات ہوگئی۔ امام شعبی نے دریافت کیا صاحبزادے! کیا کرتے ہو، کہاں آتے جاتے رہتے ہو؟ جواب دیا تجارت مشغلہ ہے اسی ادھیڑبن میں لگا رہتا ہوں۔ سوداگروں کے پاس آمدورفت رہتی ہے۔ پوچھا علماء کے پاس بھی آتے جاتے ہو؟ جواب دیا

انا قليلا لاختلاف اليهم (۲)

میں ان کے پاس کم آتا جاتا ہوں۔

امام شعبی نے یہ گوہر نایاب دیکھ کر ترغیب علم فرمائی جس کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں۔

فوقع في قلبي من قوله فتركت الاختلاف السوق واخذت في العلم (۳)

میرے قلب میں امام شعبی کی بات بیٹھ گئی اور میں نے بازار کی آمدورفت چھوڑ کر علم کو حاصل کرنا شروع کر دیا۔

اس وقت امام صاحب کی عمر کیا تھی؟ اس کے متعلق آپ کے قدیم وجدید دونوں سوانح نگاروں نے سکوت اختیار کیا ہے، حد یہ ہے کہ ابوزہرہ مصری جیسے محقق اور علامہ شبلی جیسے مورخ بھی سکوت اختیار کئے ہوئے ہیں اس لیے اس کا حل قطعیات سے تو ممکن نہیں لہٰذا ظنیات اور قیاسات سے کام لینا پڑ رہا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ نے ۹۶ھ تک حصول علم کی طرف توجہ نہیں کی تھی اس وقت ولید حیات تھا۔ ۹۶ھ کے اواخر میں ولید کا انتقال ہوا اس کے بعد سلیمان تخت پر بیٹھا اور

(۱) ابوزہرہ مصری ص ۲۸، (۲) موفق ص ۵۹، ج ۱ (۳) ایضاً

Marfat.com

اس کا ۹۹ھ میں انتقال ہوا اس وقت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے اور وہ ۱۰۱ھ میں وفات پا گئے لہٰذا آپ نے ۹۶ھ لغایۃ ۱۰۱ھ کے کسی حصہ میں تحصیل علم کی ابتدا فرمائی ہو گی اس لیے کہ ۱۲۰ھ میں امام حماد کا انتقال ہوا[1] اس وقت امام صاحب کی عمر ۴۰ سال کی تھی[2] اور آپ کو ان کی شاگردی اختیار کئے ہوئے ۱۸ سال ہو چکے تھے امام زفرؒ امام صاحب کا قول نقل کرتے ہیں۔

قدمت البصرة فظنت انی لا اسئل عن شئی الا اجبته، فسالونی عن اشیاء ولم یکن عندی فیها جواب فجعلت علی نفسی لاافارق حماداً حتی یموت فصحبته ثمانی عشرة سنة[3]

میں بصرہ اس خیال سے آیا کہ جس چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھا جائے گا میں اس کا جواب دوں گا چنانچہ چند چیزوں کے بارے میں مجھ سے پوچھا گیا تو ان کا جواب میرے پاس موجود نہ تھا چنانچہ میں نے تاحیات امام حماد کی صحبت میں رہنے کا فیصلہ کر لیا لہٰذا میں ۱۸ سال تک ان کی مجلس میں رہا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۸ سال طالب علمی کی اور اس کے بعد اپنا حلقہ درس شروع کر دیا تھا۔ اس طرح ۱۰۲ھ کو ابتدا مان کر ۱۲۰ھ (۱۸ سال) کو سن فراغت مانا جائے گا لیکن یہ ۱۸ سالہ مدت تحصیل علم فقہ و حدیث کے لیے قرار دی جائے گی۔ کیونکہ ابتداً آپ نے علم کلام حاصل کیا تھا جیسا کہ امام شعبی سے ملاقات کرنا اور مدتوں علم کلام اور مناظروں میں شرکت کرنا پھر ایک عورت سائلہ کی وجہ سے فقہ کی طرف متوجہ ہونا یہ سب قرائن ایسے ہیں جن سے ابتداء ۱۰۲ھ سے پیشتر ماننی پڑے گی اس کے متعلق تحقیق آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔

تحصیل علم کلام

امام صاحب نے علم کلام کو اولاً کیوں سیکھا؟ اس کا بہترین جواب علامہ شبلی نے دیا ہے جس کو بعینہ نقل کیا جا رہا ہے۔

اس وقت علم جس چیز کا نام تھا وہ ادب، انساب، ایام العرب، فقہ، حدیث،

---

(۱) ابوزہرہ (۲) ایضاً (۳) ایضاً

Marfat.com

کلام تھا۔ علم کلام اگر چہ آج کل کا علم کلام نہ تھا کیونکہ اس عہد تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو نہیں پڑا تھا تاہم ان علوم میں وقت نظر، بلندی خیال زور طبع کے لیے اس سے وسیع تر میدان نہ تھا۔ اسلام جب تک عرب کی آبادی میں غدود رہا اس کے مسائل نہایت سادہ اور صاف رہے لیکن فارس اور مصر اور شام پہنچ کر اس میں رنگ آمیزیاں شروع ہو گئیں۔ ان ملکوں میں اگر چہ حکمت و فلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا۔ تاہم فلسفے کے بگڑے بگڑائے مسائل لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے اور طبیعتیں عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھیں۔ قرآن پاک میں خدا کی ذات وصفات، مبدأو معاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب نے ان کو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوص و اعتقاد کے لیے وہی کافی تھا۔ بخلاف اس کے فارس اور شام میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہو گئیں۔ جو وسعت تمدن اور ترقی حالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہیے تھیں۔ تنزیہ و تشبیہ، صفات عینیت و غیریت و حدوث قدوم غرضکہ اس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے جن کو بحث و تدقیق کی وسعت نے مستقل فن بنا دیا یا رفتہ رفتہ عام اعتقادی مسائل میں بھی موشگافیاں شروع ہو گیں اور رایوں کے اختلاف سے مختلف فرقے بنتے گئے۔ جو مرجی، معتزلی، خارجی، جہمی، رافضی کہلائے یہ اختلاف یہاں تک بڑھا کہ اہل حق جو اب تک ان بحثوں سے الگ تھے ان کو بھی مخالفت کی ضرورت سے اس طرح متوجہ ہونا پڑا اور اس طرح علم کلام پیدا ہو گیا۔ جس کو تدوین و ترتیب کی وسعت نے اس مرتبہ پر پہنچا دیا کہ بڑے بڑے ائمہ مذہب مثلاً امام اشعری ابوالمنصور ماتریدی کا مایہ ناز ٹھہرا۔

علم کلام زمانہ مابعد میں اگر چہ مدون و مرتب ہو کر اکتسابی علوم میں داخل ہو گیا لیکن اس وقت تک اس کی تحصیل کیلیے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں، قدرت نے امام ابو حنیفہ میں یہ سب باتیں جمع کر دی تھیں۔ رگوں میں ایرانی خون، طبیعت میں زور اور جدت تھی۔ مذہبی

روایتیں کوفہ میں ایسے عام تھیں کہ ایک معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں بیٹھ اٹھ کر حاصل کر سکتا تھا۔ (۱)

علامہ نے جو وجہ بیان فرمائی ہے وہ محض قیاسی نہیں ہے خود امام صاحب سے اس سلسلہ میں متعدد روایات مروی ہیں۔ (۲) اور یہ بھی محتاج جواب نہیں ہے کہ علم کلام میں امام صاحب کے استاذ کا پتہ لگایا جائے اس لیے کہ جن لوگوں کو ہندوستان میں خاندان مغلیہ اور نواب اودھ کا آخری دور حکومت اور فن قصہ گوئی کے بارے میں کچھ علم ہے وہ جانتے ہیں کہ فن قصہ گوئی کے لیے کسی خاص علم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ذہانت اور تیزی طبع کی ضرورت ہے (اردو میں الف لیلی اور داستان امیر حمزہ طلسم ہوشیر یا فن قصہ گوئی کا زندہ شاہکار ہیں) اس کے بعد جیسا ماحول ہو گا ذہن وہی رخ اختیار کرے گا ہم نے بہت سے جہلا اور ان پڑھوں کو دیکھا ہے کہ مشاعروں میں شرکت کی وجہ سے وہ اشعار کہہ لیتے تھے۔ یہی حال امام صاحب کا تھا قدرتی طور پر ذکاوت، ذہانت زور طبع، حاضر جوابی، بلند خیالی سب کچھ آپ میں موجود تھیں۔ دینی معلومات کے لیے خیرالقرون تھا۔ دینی مسائل گلی کوچوں میں سب جانتے تھے۔ لونڈیاں اور باندیوں کو بہت کافی معلومات تھیں یعنی قدرتی عطیات کے ساتھ ماحول بھی موافق تھا بس امام صاحب نے اتنا کیا کہ تاجروں کی مجلس سے اٹھ کر مناظروں میں جا بیٹھے جیسا کہ آج کل بھی کوئی موزوں طبع دوکاندار دوکان سے اٹھ کر بیت بازی کی مجلس میں جا بیٹھے اور بیت بازی کرنے لگے۔

اس کے بعد یہ تحقیق طلب امر ہے کہ امام صاحب نے کتنے عرصہ تک علم کلام کے ساتھ اشتغال رکھا؟ اس باب میں بھی ہمیں کوئی تصریح نہیں ملی البتہ یحیٰی بن شیبان کی ایک روایت ہے جس مین امام صاحب سے منقول ہے میں ایک زمانہ تک اس علم میں مشغول رہا ہوں اور ایک مدت تک اس قسم کے لوگوں سے مناظرے کئے ہیں۔ حتی کہ بیس دفعہ بصرہ (جو ان دنوں فرق باطلہ کا گڑھا تھا) جانے کا اتفاق ہوا ہے اور وہاں ہر مرتبہ کبھی سال بھر اور کبھی کم یا زیادہ قیام کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ (۳)

---

(۱) سیرت نعمان ص ۱۸، ۱۹ ج ا۔ (۲) ابوزہرہ ص ۲۵۔ (۳) ابوزہرہ ص ۲۰۔

Marfat.com

اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ حجاج کے انتقال کے بعد (۹۵ھ) یا ولید کے انتقال کے بعد (۹۶ھ میں) اس قسم کی مجالس کو فروغ ہوا اور علما باہر نکل کر آئے اسی زمانہ میں آپ نے امام شعبی سے ملاقات کی اور اس کے بعد ان مجالس میں شرکت کرنی شروع کردی۔[۱] اس طرح ۹۶ھ لغایۃ ۱۰۱ھ (۷ سال) علم کلام پر صرف کیے اور ۱۰۲ھ لغایۃ ۱۲۰ھ (۱۸ سال) علم فقہ کی تحصیل میں صرف کیے اس طرح کل مدت ۲۵ سال ہوئی واللہ اعلم بالصواب۔

فقہ کی طرف توجہ

ایک دن امام صاحب اپنی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آپ کے پاس طلاق یا حیض کے متعلق ایک مسئلہ دریافت کرنے آئی۔ امام صاحب نے لاعلمی کا اظہار فرمایا اور امام حماد کے حلقہ درس کی طرف اشارہ کردیا جو آپ کے مکان کے قریب ہی تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ وہ جو کچھ جواب دیں مجھے بھی بتلا دینا چنانچہ اس عورت نے واپسی پر جواب سنا دیا اس سے امام صاحب کو سن کر افسوس ہوا اور اسی وقت سے فقہ سیکھنے کا ارادہ کرلیا اور امام حماد کے حلقہ درس میں پابندی کیساتھ شریک ہونے لگے۔

یہ روایت مختلف الفاظ کیساتھ منقول ہے لیکن قدرے مشترک واقعہ ایک ہی بیان کیا گیا ہے اس بارے میں امام صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

خد حتنی امراۃ و ذھدتنی اخری و فقھتنی اخری[۲]

فرمایا ایک عورت نے مجھے دھوکہ دیا اور ایک عورت نے مجھے زاہد بنا دیا اور ایک عورت نے مجھے فقیہ بنا دیا

یعنی ایک عورت کی وجہ سے مجھے فقہ سیکھنا پڑا جس کے نتیجے میں میں فقیہ ہوگیا۔

---

(۱) سیرت نعمان ص ۱۸ (۲) الموفق ص ۶۱، ج ۱

امام حماد اور ان کا حلقۂ درس

(حماد بن ابی سلیمان مشہور تابعی ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں اپنے زمانے میں کوفہ کے روساء عظام اور فقیہ بے مثل شمار ہوتے تھے۔ ابراہیم نخعی سے شرف تلمذ حاصل ہے ۱۲۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔)

تاریخ اصبہان میں ابوشیخ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے ایک دن ابراہیم نخعی نے ان کو ایک درہم کا گوشت لانے کے لیے بازار بھیجا۔ زنبیل ان کے ہاتھ میں تھی۔ ادھر کہیں سے ان کے والد صاحب گھوڑے پر سوار تشریف لا رہے تھے بیٹے کی یہ فقیرانہ حالت دیکھ کر ان کو ڈانٹا اور زنبیل ہاتھ سے لے کر پھینک دی۔ جب ابراہیم نخعی کا انتقال ہو گیا تو طالبان علم حدیث ان کے والد مسلم بن یزید کے دروازے پر آئے اور دستک دی۔ یہ چراغ لے کر باہر آئے۔ طلبا نے کہا ہمیں آپ کی ضرورت نہیں بلکہ ہم تو آپ کے بیٹے حماد کے متلاشی ہیں۔ یہ شرمندہ ہو کر اندر گئے اور بیٹے سے کہا جاؤ بھائی تمہیں یہ مقام ابراہیم کی زنبیل کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ (۱)

امام حماد کا حلقہ درس ان دنوں میں بھی عروج پر تھا جب حجاج کی سفاکیاں اور ولید کی بدعنوانیاں عام تھیں اور لوگ بے دریغ قتل کیے جا رہے تھے۔ وجہ اس کی غالباً یہ تھی کہ یہ فارغ البال اور دولتمند تھے۔ اس وجہ سے انہیں دل جمعی سے کام کرنے اور اشاعت علم کا خوب موقع ملا۔ لہٰذا ان کی درسگاہ سے امام ابوحنیفہ اور شعبہ جیسے ائمہ فن پیدا ہوئے۔

امام حماد اپنے زمانے میں نہایت معتمد سمجھے جاتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی

---

(۱) ترجمان السنہ ص ۲۲۵، ج ۱

Marfat.com

روایت کا مدار اپنے زمانے میں یہی تھے۔ اسی وجہ سے ان کی طرف رجوع عام تھا اور غالباً اسی وجہ سے امام صاحب نے بھی ان کا حلقہ درس منتخب کیا تھا۔

(امام حماد پر کچھ حضرات نے اعتراضات بھی کیے ہیں مثلاً امام نسائی نے ان کو ارجاء کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی طرح ابو اسحاق اور اعمش نے ان کو غیر ثقہ قرار دیا ہے لیکن ان کے مقابلہ میں ایک خلق کثیر نے ان کی احادیث کو قبول کیا ہے) ائمہ فن کے بکثرت اقوال ان کی توثیق میں موجود ہیں جس کا جی چاہے تنسیق النظام ص ۵۰ کی طرف رجوع کرے۔ امام صاحب ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے حماد سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔

امام حماد میں علمی کمالات کے علاوہ اور دوسرے اوصاف حمیدہ بھی تھے۔ وہ رمضان کے مہینہ میں ہر روز پچاس آدمیوں کو افطار کراتے اور کھانا کھلاتے تھے اور عید کے دن ہر ایک کو عمدہ قسم کا لباس اور سو درہم دے کر رخصت کرتے تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں میں امام حماد سے محبت کرتا ہوں اس وجہ سے کہ میں ان کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ ایک مرتبہ جارہے تھے کہ ان کے گھوڑے کی زین ٹوٹ گئی انہوں نے ایک موچی سے مرمت کرائی اور اس کے عوض اشرفیوں کی تھیلی پیش کی اور معذرت چاہی۔ (۱)

حماد کا حلقہ درس

زمانہ قدیم میں درس کا طریقہ یہ نہیں تھا جو آج کل ہے۔ بلکہ حلقہ درس میں تلامذہ استاد کی تقریر کو بغور سنتے اور اس کو اپنے حافظے میں محفوظ کر لیتے اور بعض لکھ بھی لیتے تھے۔ امام حماد کے یہاں بھی یہی دستور تھا لیکن تلامذہ کے بیٹھنے میں ترتیب قائم ہوتی تھی قدیم اور ذہین طلبا کو آگے جگہ دی جاتی تھی لیکن امام صاحب کو امام حماد کے حلقہ درس میں دوسرے دن ہی صف اول میں جگہ مل گئی تھی۔

امام صاحب کس طرح امام حماد کے حلقہ درس میں پہنچے اس کے دواعی کیا تھے۔ یحیٰ بن شیبان امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔

جب میں ایک مدت مناظرہ میں صرف کر چکا تو میں نے سوچا اور اپنے نفس

---

(۱) الموفق ص ۵۳، ج ۱۔

Marfat.com

سے سوال کیا کہ کیا وہ علوم مجھے سے آتے ہیں جو اصحاب رسول اللہ صلعم کو آتے تھے اور سب تابعین ان کے ماہر تھے۔ وہ لوگ جدل و مناظرت نہیں کرتے تھے بلکہ تعلیم وافتا میں لگے رہتے تھے لیکن آج لوگوں کا یہ حال نہیں ہے۔ یہ سوچ کر میں نے مناظرہ اور علم کلام کو ترک کر دیا اور ابواب فقہہ کی تحصیل میں لگ گیا۔ (۱)

امام صاحب کے ان خیالات کو مزید سہارا اس وقت ملا جب کسی عورت نے آپ سے ایک مسئلہ معلوم کیا جس کا آپ جواب نہ دے سکے۔ اس کے بعد فوراً ہی بلا تامل امام حماد کے حلقہ درس میں آکر شریک ہو گئے جو آپ کے گھر کے قریب ہی تھا۔

امام صاحب کے متعلق یہ روایت صحیح نہیں ہے اور نہ آپ سے منقول ہے کہ جب میں نے تحصیل علم کی طرف توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے۔ میں متردد تھا کہ کس کو اختیار کروں۔ سب سے پہلے علم کلام کا خیال آیا لیکن فیصلہ کرنا پڑا کہ اس سے بھی کچھ حاصل نہیں کیونکہ اگر اس کا اظہار کیا جائے تو لوگ الحاد کی تہمت لگائینگے ادب اور قرأت کا بجز مکتب پڑھانے کے کوئی فائدہ نہیں۔ شعر وشاعری میں جھوٹی مدح یا ہجو ہوتی ہے۔ حدیث کے لیے ایک مدت درکار ہے پھر ناقدین کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ (۲)

یہ روایت درایۃً اور سنداً ہر اعتبار سے غیر معتبر ہے کیونکہ امام صاحب جیسی شخصیت کے بارے میں جو مذکورہ تمام علوم میں مہارت رکھتا ہو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان علوم کو انھوں نے حاصل نہیں کیا تھا۔ بالفرض ایک روایت معتبر بھی ہو تو تاویل و تطبیق ممکن ہے کہ امام صاحب نے اشتغال بالعلم کے لیے صرف فقہ ہی کو منتخب کیا اور تحصیل تمام علوم کی فرمائی اور یہی توجیہ احسن اور عمدہ ہے ورنہ روایت کو تعصب پر محمول کرنا پڑے گا۔

بہر حال امام صاحب اپنے استاذ کے حلقہ درس میں شریک رہے اور اپنی استعداد اور خداداد ذہانت کی وجہ سے استاذ کو اپنا گرویدہ کر لیا اور اس درجہ اپنی صلاحیت کا سکہ جما دیا کہ ایک دن استاد نے کہہ ہی دیا۔

---

(۱) الموفق ملخصاً ص ۶۱، ج ۱ (۲) خیرات الحسان ص ۲۵

Marfat.com

افزتنی یا ابا حنیفه(1) ؟

اے ابوحنیفہ تو نے تو مجھے خالی کر دیا

استاذ سے پہلا اختلاف

ایک دفعہ امام صاحب اور امام حماد شریک سفر تھے پانی موجود نہیں تھا۔ اتنے میں عصر کی نماز کا وقت قریب آ گیا، حماد نے تیمّم کر کے نماز ادا کی، امام صاحب نے نماز نہیں پڑھی بلکہ پانی ملنے کی امید پر نماز کو آخری وقتِ مستحب تک موخر رکھا۔ چنانچہ آگے چل کر پانی مل گیا امام صاحب نے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ امام صاحب کا فرمانا ہے کہ ایسے آدمی کو کہ جسے آخری وقت مستحب تک پانی ملنے کی امید ہو نماز کو موخر کر دینا چاہیے۔ امام حماد نے امام صاحب کے اس اجتہاد کی تعریف کی۔(۲) یہ امام صاحب کا اپنے استاذ سے پہلا اختلاف تھا اور پہلا ہی اجتہاد تھا جو درست اور صحیح ثابت ہوا۔

استاذ کا احترام

باایں ہمہ امام صاحب اپنے استاذ کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ امام محمدؒ امام صاحب کا مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی کہ اپنے والدین کے ساتھ اپنے استاذ اور امام حماد کے لیے دعائے مغفرت نہ کی ہو۔ امام صاحب جب تک حیات رہے اپنے استاذ کے مکان کی طرف کو پیر پھیلا کر نہیں ہوئے۔ شاعر کہتا ہے۔

ما مدّ رجلیله یوماً نحو منزله　　ودونه سکك سبع کالطوادی (۳)

استاذ کی نیابت

امام زفرؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ امام صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں کیوں نہ اپنا حلقہ درس علیحدہ قائم کرلوں؟ اسی اثنا میں حضرت استاذ کے کسی قریبی عزیز کا بصرہ میں انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے انھیں بصرہ جانا پڑا اور اپنی عدم موجودگی

---

(۱) الموفق، ص ۶۵ یہی مقولہ سعید بن مسیّب نے قتادۃ کے لیے کہا تھا۔

(۲) البنایہ، ص ۳۲۵، ج ۱　　(۳) الموفق

میں مجھے اپنا نائب مقرر کر دیا۔ اتفاق سے بصرہ میں انھیں دو مہینہ قیام کرنا پڑا۔ اس مدت میں لوگوں نے جو مجھ سے سوالات کیے ان سب کے جوابات میں نے علیحدہ کاغذ پر بھی لکھ کر رکھ لیے۔ اور استاذ کے تشریف لانے پر وہ کاغذات میں نے ان کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ استاد محترم نے جوابات پڑھے جن میں سے ۴۰ کی تصوب اور ۴۰ کی تغلیط فرمائی۔ اس وقت میں نے عہد کیا کہ اب آئندہ استاذ کا حلقہ درس نہ ترک کروں گا۔ (۱)

امام صاحب کے دیگر اساتذہ

فقہ میں اگر چہ آپ امام حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں لیکن آپ نے دوسروں سے بھی استفادہ کیا ہے مثلاً امام جعفر صادق ان کے بارے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

وما رایت افقه من جعفر بن محمد الصادق (۲)

میں نے امام جعفر صادق سے زیادہ فقیہہ نہیں دیکھا۔

امام جعفر الصادق اہل بیت اور خاندان رسالت سے ہیں اپنے زمانہ میں ہر اعتبار سے امام فن اور صاحب کمال سمجھے جاتے تھے صحاح ستہ میں متعدد روایات ان سے منقول ہیں۔

فقہ میں کمال کو پہنچے اور درجہ اجتہاد حاصل کرنے کے لیے لازمی ہے کہ کتاب اللہ پر نظر عمیق کے ساتھ احادیث نبویہ کے تمام ذخیرہ پر نظر ہو اور کم از کم حافظ حدیث ہو لہٰذا جو حضرات ہر کس ناکس کے لیے اجتہاد کے دروازہ کو ہر دم کھلا رکھتے ہیں اور اجتہاد کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔ میرے نزدیک ان کی بات دعویٰ بلا دلیل ہے یقیناً ایسی حریت فکر حاطب اللیل کا مصداق ہوتی ہے۔

امام صاحب کے تمام مجتہدات چونکہ کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اس لیے ایسے شخص کو صرف سترہ حدیثوں کا حافظ قرار دینا ایک طفلانہ قول ہے بلکہ امام صاحب حفاظ کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں اس کے بارے میں ائمہ فن کی بے شمار شہادتیں اور آپ کے مایہ ناز اساتذہ ائمہ حدیث کی ایک طویل فہرست موجود ہے لہٰذا کیسے باور کیا جائے کہ اتنے اساتذہ کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو صرف سترہ حدیث یاد تھیں۔

علامہ شامی نے ردالمحتار میں بیان فرمایا ہے کہ امام صاحب کے ۴ ہزار اساتذہ تھے ایک دفعہ حنفیہ اور شافعیہ میں مناظرہ ہوا کہ امام شافعی افضل ہیں۔ یا امام ابو حنیفہ؟ جب اساتذہ کو شمار

(۱) ابوزہرہ ص ۲۵، (۲) الموفق ۵۳، ج ۱

Marfat.com

کیا گیا تو امام شافعی کے ۱۸۰ اساتذہ شمار میں آئے اور امام صاحب کے ۴ ہزار۔ (۱)

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ان دنوں کوفہ اور بصرہ علوم کے مراکز تھے اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ اور بصرہ کا کوئی محدث نہیں چھوڑا جس کے پاس نہ گیا ہوں۔ اس لیے بعض حضرات نے امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد ۹۹ بتلائی ہے۔ (۲) حافظ ذہبی نے ۲۹ تعداد بتلائی ہے۔ ہم نے نہایت تحقیق کے بعد آپ کے اساتذہ کی مندرجہ ذیل فہرست مرتب کی ہے۔

۱ حضرت ابراہیم بن محمد
۲ حضرت ابراہیم بن یزید
۳ حضرت اسماعیل بن حماد
۴ حضرت اسماعیل بن ابی خالد
۵ حضرت اسماعیل بن عبدالملک
۶ حضرت ایوب سختیانی
۷ حضرت بیان بن بشر
۸ حضرت جبلہ بن سحیم
۹ حضرت الحارث بن عبدالرحمٰن
۱۰ حضرت الحسن بن الزراد
۱۱ حضرت الحسن بن عبیداللہ
۱۲ حضرت الحسن البصری
۱۳ حضرت الحکم بن عتیبہ
۱۴ حضرت حماد بن ابی سلیمان
۱۵ حضرت حمید الاعرج
۱۶ حضرت خالد بن علقمہ
۱۷ حضرت ذر بن عبداللہ
۱۸ حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن
۱۹ حضرت زبید
۲۰ حضرت زیاد بن علاقہ
۲۱ حضرت سالم بن عبداللہ
۲۲ حضرت سعید بن مسروق
۲۳ حضرت سلمہ بن کہیل
۲۴ حضرت سلمہ بن نبیط
۲۵ حضرت سلیمان بن عبدالرحمٰن
۲۶ حضرت سلمان بن یسار
۲۷ حضرت سماک بن حرب
۲۸ حضرت شداد بن عبدالرحمٰن
۲۹ حضرت شیبان بن عبدالرحمٰن
۳۰ حضرت طاؤس بن کیسان
۳۱ حضرت طریف بن شہاب
۳۲ حضرت طلحہ بن نافع الواسطی

---

(۱) حدائق الحنفیہ ص ۲۷۔ (۲) سیرت النعمان ص ۲۲۔

Marfat.com

۳۳ حضرت عاصم بن سلیمان
۳۴ حضرت عالم بن کلیب
۳۵ حضرت عامر بن سراحیل الشعبی
۳۶ حضرت عامر بن ابی موسیٰ
۳۷ حضرت عبداللہ بن الاقمر
۳۸ حضرت عبداللہ بن جیمیہ
۳۹ حضرت عبداللہ بن دینار
۴۰ حضرت عبدالرحمٰن بن حزم
۴۱ حضرت عبدالرحمٰن بن ہرمنر
۴۲ حضرت عبدالعزیز بن رفیع
۴۳ حضرت عبدالکریم بن ابی المخارق
۴۴ حضرت عبدالملک بن عمیر
۴۵ حضرت عثمان بن عاصم
۴۶ حضرت عدی بن ثابت
۴۷ حضرت عطا بن ابی رباح
۴۸ حضرت عطا بن السائب
۴۹ حضرت عطا بن الیسار الہلالی
۵۰ حضرت عطیہ بن سعد
۵۱ حضرت عکرمہ بن عبداللہ
۵۲ حضرت علقمہ بن مرثد
۵۳ حضرت علی بن الاقمر
۵۴ حضرت علی بن الحسن الزراد
۵۵ حضرت عمرو بن دینار
۵۶ حضرت عمرو بن عبداللہ الہمدانی
۵۷ حضرت عون بن عبداللہ
۵۸ حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن
۵۹ حضرت قاسم بن محمد
۶۰ حضرت قاسم بن معن
۶۱ حضرت قتادہ بن دعامہ
۶۲ حضرت قیس بن مسلم
۶۳ حضرت محارب بن دثار
۶۴ حضرت محمد بن الزبیر حنظلی
۶۵ حضرت محمد بن السائب
۶۶ حضرت محمد بن السائب
۶۷ حضرت بن علی بن الحسین
۶۸ حضرت محمد بن قیس الہمدانی
۶۹ حضرت محمد بن مسلم بن تدرس
۷۰ حضرت محمد بن عبیداللہ
۷۱ حضرت محمد بن منصور
۷۲ حضرت محمد بن المنکدر
۷۳ حضرت منحول بن راشد
۷۴ حضرت مسلم بن سالم
۷۵ حضرت مسلم بن عمران
۷۶ حضرت مسلم بن کیسان
۷۷ حضرت معین بن عبدالرحمٰن
۷۸ حضرت مقسم بن بجرہ

۷۹	حضرت مکحول بن اللہ	۹۶	حضرت ابواسحاق السبوعی
۸۰	حضرت مکی ابن ابراہیم	۹۷	حضرت ابوبردہ
۸۱	حضرت منصور بن المعتمر	۹۸	حضرت ابوبکر بن ابی الجہم
۸۲	حضرت منہال بن خلیفہ	۹۹	حضرت ابوحصین
۸۳	حضرت موسیٰ بن ابی عائشہ	۱۰۰	حضرت ابوالزبیر
۸۴	حضرت ناصح بن عبداللہ	۱۰۱	حضرت ابوسفیان السعدی
۸۵	حضرت نافع	۱۰۲	حضرت ابوسفیان
۸۶	حضرت وقدان	۱۰۳	حضرت ابوالسوار
۸۷	حضرت ہشیم بن حبیب	۱۰۴	حضرت ابوعستال
۸۸	حضرت یحیٰی بن ابی حیہ	۱۰۵	حضرت ابوعمر
۸۹	حضرت یحیٰی بن سعید بن قیس	۱۰۶	حضرت ابن شہاب
۹۰	حضرت یحیٰی بن عبداللہ	۱۰۷	حضرت ابوعون
۹۱	حضرت یحیٰی بن عبداللہ الکندی	۱۰۸	حضرت ابوفردہ
۹۲	حضرت یزید بن صہیب	۱۰۹	حضرت ابوکثیر
۹۳	حضرت یزید بن عبدالرحمٰن	۱۱۰	حضرت ابوالمالک
۹۴	حضرت حضرت یزید بن الطوسی	۱۱۱	حضرت ابوالہشیم
۹۵	حضرت یونس بن عبداللہ	۱۱۲	حضرت ابویعفور

امام صاحب کے اساتذہ کی یہ فہرست ہے لیکن ان سے زائد کا انکار نہیں ہے۔ اور نہ احصاء کل کا دعویٰ ہے ناظرین کرام کو اس فہرت کے ملاحظہ فرمانے کے بعد ان حضرات محدثین کے دعوے کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی جو امام صاحب کو حافظ حدیث نہیں مانتے یا آپ کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ تعجب ہے اگر معترض صاحب جس راوی سے حدیث روایت کریں تو صحیح اور امام صاحب اسی راوی سے حدیث روایت کریں تو ضعیف یہ بات تو انصاف کی نہیں ہے۔ بلکہ اس نقطۂ نظر کے پس منظر میں کوئی دوسرا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اس جگہ ہم ناظرین کو ذرا تقابلی مطالعہ کرانا بھی چاہتے ہیں۔

Marfat.com

رواۃ صحیحین

۱ منصور بن المعتمر
۲ الحکم بن عتیبہ
۳ زہری
۴ نافع
۵ طاؤس
۶ شیبان بن عبدالرحمٰن
۷ یحییٰ بن سعید
۸ زیادہ بن علاقہ
۹ عبداللہ بن دینار
۱۰ عمرو بن دینار
۱۱ شعبی
۱۲ ابراہیم نخعی
۱۳ مجاہد بن جبیر
۱۴ عطا بن ابی رباح
۱۵ ابن یسار
۱۶ محارب بن دثار
۱۷ ابواسحاق السبیعی
۱۸ محمد الباقر
۱۹ ربیعہ بن عبدالرحمٰن
۲۰ مخول بن راشد
۲۱ ابراہیم بن محمد المنتشر
۲۲ الحسن البصری
۲۳ سالم بن عبداللہ
۲۴ مکحول الشامی
۲۵ ایوب السختیانی
۲۶ مکی بن ابراہیم
۲۷ یزید بن الفقیر بن الصہیب
۲۸ ذر بن عبداللہ
۲۹ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج
۳۰ القاسم بن محمد بن ابی بکر
۳۱ قتادہ بن دعامہ
۳۲ مقسم مولی ابن عباس
۳۳ سلیمان بن یسار
۳۴ محمد بن المنکدر
۳۵ عبدالمالک بن عمیر
۳۶ علی بن الاقمر
۳۷ ابوبردہ
۳۸ موسیٰ بن عائشہ
۳۹ عبدالعزیز بن رفیع
۴۰ قیس بن مسلم
۴۱ ابوحصین
۴۲ عثمان بن العاصم
۴۳ سعید بن مسروق
۴۴ الثوری
۴۵ سلمہ بن کہیل
۴۶ ابویعفور (۴۷ اسماعیل بن ابی خالد)

صرف مسلم کے رواۃ

مندرجہ ذیل وہ رواۃ ہیں جن کی روایت صرف امام مسلم نے نقل کی ہے۔

۱	عطا بن السائب	۳	عاصم بن کلیب
۲	ابوزبیر مکی	۴	حماد بن ابی سلیمان

صرف بخاری کے رواۃ

حضرت عکرمہ بن عبداللہ وغیرہ کی روایت کو صرف بخاری نے لیا ہے۔

رواۃ کی مندرجہ بالا یہ وہ فہرست ہے کہ جن کی روایتیں بخاری و مسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم میں موجود ہیں اور صحیح سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن امام صاحب جب بلا توسط ان ہی رواۃ سے روائتیں اپنی مسند میں ذکر فرماتے ہیں تو ضعیف قرار دی جاتی ہیں۔

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

انصاف یہی ہے کہ جس طرح بخاری کا شمار اور اس سے قبل موطا کا شمار اصح الکتب میں ہوتا ہے مسند امام اعظم بھی اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ ہے ہاں اگر کسی حدیث پر اعتراض ہو سکتا ہے تو اس کے لیے نشانہ بخاری اور مسلم کو بنا چاہیئے کہ اس میں واسطوں کی کثرت ہے نہ کہ مسند امام اعظم کو جبکہ اس میں حضرات صحابہؓ اور مندرجہ بالا رواۃ کے درمیان صرف ایک یا دو واسطے ہیں۔

عبدالکریم پر اعتراض

لے دے کر امام صاحب کے اساتذہ میں سے عبدالکریم ابن ابی المخارق کو ضعیف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ان کی روایات کو ضعیف بتلایا جاتا ہے۔ لیکن یہ میرے نزدیک غلط فہمی ہے یا مغالطہ کیونکہ عبدالکریم دو ہیں دوسرے کا نام عبدالکریم الجزری ہے اور اتفاق سے دونوں بعض مشائخ میں شریک ہیں۔ اس شرکت کیوجہ سے ناقدین فرق نہیں پائے ورنہ عبدالکریم بن ابی المخارق کی روایات بخاری شریف میں تعلیقاً موجود ہیں جن کا درجہ موصول ہی

کے برابر تسلیم کیا گیا ہے۔اسی طرح ان کی روایات موطا امام مالک میں بھی موجود ہیں۔اور امام مالک کے بارے میں یہ بات مسلّم ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں ان ہی رواۃ سے روایت نقل کی ہیں جو ان کے نزدیک ثقہ ہیں۔امام نووی مقدمہ مسلم میں تحریر فرماتے ہیں۔

هذاتصريح من مالک بان من ادخله فی کتابه فهو ثقة

امام مالک کی یہ تصریح ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جس کو داخل کیا ہے وہ ثقہ ہے۔

Marfat.com

مسند درس و افتا

۱۲۰ھ میں جب امام حماد کا انتقال ہوا تو ضروریات کے پیش نظر اس جگہ کو پر کرنے کے لیے لوگوں کے دلوں میں زبردست داعیہ پیدا ہوا اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فقہ جو براویت ابراہیم نخعی امام حماد نقل فرما رہے تھے اور لوگوں کی دینی ضروریات پوری کر رہے تھے اسی کا سلسلہ منقطع کر دینا اور ایک دم سے اس خیر کے دروازہ کو بند کر دینا نہایت نقصان دہ تھا اس لیے تلامذہ کی نظریں اولاً استاذ زادے پر پڑیں لیکن تجربہ نے ان کو جلد ہی بتلا دیا کہ ان سے مقصد پورا نہ ہو سکے گا لہٰذا استاذ زادے کے بعد ابو منہشلی، ابو بردہ، موسیٰ بن ابو کثیر کو یکے بعد دیگرے قائم مقام بنایا گیا لیکن ''جارے استاذ خالیست'' کا مصداق پایا اور حماد کی سی خصوصیات کسی میں نہ پائیں کیونکہ کسی پر شعر ادب کا غلبہ تھا تو کوئی ایام العرب کا ماہر تھا۔ (۱)

ادھر امام صاحب نے اپنے سابقہ تجربہ کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے طے کر لیا تھا کہ جب تک کم از کم مجھے دس اشخاص مجبور نہ کریں گے اس وقت تک حلقہ درس کی ذمہ داریوں کو نہیں سنبھالوں گا۔ ادھر لوگوں نے میدان خالی پایا اور سوائے امام ابوحنیفہ کے اس مسند کے لائق کسی کو نہ پایا تو اصرار کرنا شروع کر دیا اس لیے کہ

لوگوں نے امام صاحب میں وہ علوم اور خصوصیات پائیں جو موسیٰ اور موسیٰ کے اوپر درجہ کے علما میں نہ تھے اور تمام معاصرین کوفہ اس سے تہی دست نظر آتے تھے لیکن اس کے برخلاف لوگوں نے امام ابوحنیفہ کو تمام خصوصیات کا مالک اور تمام علوم کا ماہر پایا لہٰذا ان کا دامن تھام لیا اور شاگرد ہو گئے۔ (۲)

(۱) الموفق ص ۷۰، ج ۱ (۲) ایضاً ص ۶۹، ج ۱

پھر تو امام یوسف، امام زفر، اسد بن عمر قاسم بن معن وغیرہ نے بھی امام صاحب کے حلقہ درس کو اختیار کرلیا۔ ان حضرات کے ادھر آجانے کی وجہ سے دوسرے حلقہائے درس (مثلاً ابن ابی لیلی، ابن شبرمہ، شریک، سفیان ثوری) کی طرف سے لوگوں کی رجوعات کم ہوگئیں اور یہ حلقہ درس روز بروز بڑھتا گیا۔ (۱)

جن ایام میں امام حماد کی جانشینی کا مسئلہ چل رہا تھا انھیں دنوں میں امام صاحب نے ایک خواب دیکھا کہ میں نے حضور صلعم کی قبر مبارک کھود ڈالی ہے اور میں آپ کے عظام مبارکہ چن رہا ہوں یہ دیکھ کر آپ گھبرا گئے اور خوف زدہ ہو گئے۔ طرح طرح کے خیالات دل میں آنے لگے جو حلقہ درس کی ذمہ داریاں قبول کرنے کے بعد سدراہ بنے۔ آپ فرماتے ہیں کہ خوف کی وجہ سے میں نے مجلس میں آنا جانا بھی بند کر دیا تھا اور لوگوں سے صفائی کے ساتھ کہدیا تھا کہ مجھے اندیشہ ہے۔ بالآخر جب ابن سیرین سے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا۔

صاحب هذه الرويا يحيى علما (۲)

یہ خواب دیکھنے والا علم کو زندہ کرے گا۔

اس کے علاوہ اور دوسرے اسباب بھی پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے آپ نے حلقہ درس کی ذمہ داریوں کو سنبھال لیا۔

فقہ اور حدیث

مجلس فقہ اور حدیث میں کچھ زیادہ مغائرت نہیں بلکہ تنہا فقہ کا درس تمام چیزوں کو جامع ہے کیونکہ ایک فقیہ مجتہد کے نزدیک الفاظ حدیث پر بحث کرتے وقت معنی حدیث کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے اور محدثین کرام کے یہاں صرف الفاظ حدیث ہی مقصود بالذات ہوتے ہیں، لہٰذا محدث بننے کے لیے اجتہاد شرط ہے اور نہ فقہ لیکن ایک فقیہ کے لیے حامل قرآن وحدیث ہونا ضروری ہے ورنہ اس کا اجتہاد غلط اور باطل ہوگا۔ صاحب ہدایہ میں فرماتے ہیں۔

ان يكون صاحب حديث له معرفة بالفقه ليعرف معاني الاثار
وصاحب فقه له معرفة بالحديث لئلا يشتغل بالقياس

---

(۱) الموفق ص ۷۰، ج ۱ (۲) ایضاً ص ۲۷، ج ۱

Marfat.com

مجتہد ایسا صاحب حدیث ہوتا ہے کہ اس کو فقہ بھی آتا ہوتا کہ احادیث کے
معنی جان سکے اور صاحب فقہ کے لیے معرفت حدیث ضروری ہے تا کہ
قیاس میں مبتلا نہ ہو جائے
اس لیے کہ نصوص کی موجودگی میں قیاس جائز نہیں ہے۔

فقہ کے لیے حدیث کی اہمیت تو ظاہر ہے لیکن حدیث کے لیے فقہ کا ہونا ضروری کیوں ہے اس کے لیے سطور ذیل میں چند مستند واقعات پیش ہیں۔

۱۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اعمش نے مجھ سے مسئلہ دریافت کیا اس وقت میرے اور ان کے سوا تیسرا آدمی نہ تھا۔ میں نے اس کا جواب دیا۔ انہوں نے فرمایا اے یعقوب تم نے اس کا جواب کس حدیث سے دیا؟ انھوں نے کہا یعقوب! یہ حدیث تو مجھے تمہاری پیدائش سے بھی پہلے کہ یاد تھی مگر میں آج تک اس کا یہ مطلب سمجھ نہ سکا تھا۔

۲۔ عبید اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں اعمش کی مجلس میں موجود تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور ایک مسئلہ دریافت کیا اور وہ ان کا جواب نہ دے سکے۔ دیکھا تو وہاں امام ابو حنیفہ بھی موجود تھے۔ اعمش نے کہا اے نعمان! اس کے متعلق تم ہی کچھ بیان کرو۔ امام صاحب نے فرمایا اسی حدیث سے جو آپ نے ہم سے بیان کی تھی۔ اس پر اعمش نے فرمایا:

نحن الصیادلہ وانتم الاطبا

ہم عطار ہیں اور آپ اطبا ہیں

۳۔ خطیب بغدادی نے امام ابو یوسف سے نقل کیا ہے کہ ایک دن ان سے اعمش نے پوچھا تمہارے استاذ نے حضرت عبد اللہ کا یہ مسئلہ کیوں ترک کر دیا کہ۔ باندی پر آزاد ہونے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، امام ابو یوسف نے فرمایا اسی حدیث کی وجہ سے جو آپ نے ان سے بواسط ابراہیم عن اسود عن عائشہ بیان فرمائی ہے کہ بریرہؓ جب آزاد ہوئی تو ان کی آزادی طلاق نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے پہلے نکاح کو

---

(۱) ہدایہ کتاب القاضی

Marfat.com

قائم رکھیں اور چاہیں تو فسخ کر دیں اس پر اعمش نے فرمایا بلاشبہ ابوحنیفہ نہایت سمجھدار ہیں۔
غرضکہ اس قسم کے تاریخ فقہ میں ہزارہا واقعات موجود ہیں جس کی وجہ سے فقہ کے ساتھ حدیث کا تعلق اور اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ امام ترمذی نے اپنی جامع میں بیان فرمایا ہے۔

وکذلک قال الفقهاء وهم اعلم بمعنى الحديث

فقہا نے یونہی فرمایا ہے اور وہ ہی حدیث کے معنی کے زیادہ واقف کار ہیں۔
حاصل کلام یہ ہے کہ فہم حدیث اور قرآن کے لیے فقہ ضروری ہے۔ [1]

اصول درسگاہ ابی حنیفہ

اسی سے امام صاحب کی درسگاہ کے درسی اصول بھی معلوم کئے جا سکتے ہیں تاہم امام صاحب کے طریقہ درس کے متعلق تصریحات بھی موجود ہیں۔
امام صاحب کی عادت تھی کہ وہ پہلے کسی مسئلہ میں قرآن سے استدلال کرتے تھے پھر احادیث کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے بعد اقوال صحابہ کی تتبع فرماتے تھے اقوال صحابہؓ میں اقرب الی القرآن اور پھر اقرب الی الحدیث کو ترجیح دیتے تھے اور بس امام صاحب اقوال تابعین کی تتبع نہیں فرماتے بلکہ آپ کا فرمانا ہے کہ

نحن رجال وهم رجال

ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں۔

لہٰذا اجتہاد فرماتے ...... اور یہ اجتہاد ان کا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ و نیز آثار صحابہ کے خلاف ہرگز نہیں ہوتا تھا امام صاحب کا فرمانا ہے۔

اتركوا قولي بخبر رسول الله صلعم وقول الصحابة ونقل انه قال اذا صح الحديث فهو مذهبي [2]

میرے قول کو خبر رسولؐ اور قول صحابہ کے مقابلہ میں ترک کر دو آپ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ حدیث صحیح میرا مذہب ہے۔

امام صاحب کا یہ طریقہ اجتہاد اور اس میں سلامت روی اور اختیار کے متعلق ابن حزم جیسے

---

(۱) ترجمان السنۃ ص ۳۳۳، ج ۱ (۲) تفسیر مظہری ص ۶۴، ج ۱

Marfat.com

انسان نے اعتراف کیا۔

جمیع اصحاب ابی حنیفة مجمعون ان مذهبه ان ضعیف الحدیث اولی عنده من القیاس (۱)

تمام اصحاب ابی حنیفہ کا اتفاق ہے کہ امام صاحب کا مسلک یہ ہے کہ ضعیف حدیث قیاس سے بہتر ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ متاخرین کی ان مایہ ناز اور بین الاقوامی شخصیتوں نے (جو اپنے زمانے میں حق صداقت کا روشن منارہ رہیں اور مذہبی تعصب کو اپنے پاس بھی نہیں آنے دیا) حنفی مکتب فکر کی تائید کی اور اس کو اختیار کیا۔ حضرت مجدد الف ثانی بیان فرماتے ہیں۔

بریں فقیر ظاهر ساخته اند که در خلافیات کلام حق بجانب حنفی است و در خلافیات فقهی دد اکثر مسائل حق بجانب حنفی ودد اقل متردد (۲)

اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے کہ خلافیات علم کلام میں حنفی مسلک کی جانب ہے اور خلافیات فقہی کے اکثر مسائل میں حق بجانب حنفی ہے اور بہت کم میں تردد ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فیوض الحرمین میں ارشاد فرمایا ہے۔

عرفنی رسول الله صلعم ان فی المذهب الحنفی طریقة انیقة هی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت ونضجت فی زمان البخاری (۳)

مجھے رسول اللہ صلعم نے بتلایا ہے کہ مذہب حنفی میں عمدہ راستہ ہے اور جو سنت بخاری کے زمانے میں جمع ہوئی ہے اس سے زیادہ موافق ہے۔

حضرت مجدد صاحب اور حضرت شاہ صاحب کے ان دونوں ارشاد کی حقیقت اگرچہ کشف کی ہے لیکن نواب صدیق حسن صاحب فرماتے ہیں۔

اگرچہ کشف دو کس باہم متوافق شود ظن غالب شود (۴)

---

(۱) خیرات الحسان ص ۲۷۔ (۲) مبدا و معاد ص ۳۹

(۳) فیوض الحرمین۔ (۴) ریاض المرتاض ص ۲۱

Marfat.com

دو بزرگوں کے کشف اگر موافق ہو جائیں تو غلبہ ظن کا حکم رکھتے ہیں۔

بہر حال اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کا طریقہ تعلیم اور آپ کی درسگاہ کے اصول کے بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم اور اقوال صحابہ پر تھی۔ آپ نے ان چیزوں کو سمجھا اور حقیقت کو ظاہر فرمایا یہی وجہ ہے کہ حنفی مسلک کے تمام مسائل جہاں ایک طرف عقل کے معیار پر پورے اترتے ہیں وہاں وہ قرآن وحدیث سے بھی پورے طور پر وابستہ ہیں گویا امام صاحب کا فقہ قرآن وحدیث کی ایک صحیح اور مدون شدہ تفسیر ہے جس میں اصول وفروغ کے ساتھ ترتیب بھی ہے اور انسانوں کے لیے ایک بہترین لائحہ عمل بھی۔

حالات درس

گذشتہ زمانے میں سامعین کو آواز پہنچانے کے لیے استاذ کسی بلند مقام پر بیٹھ جاتا اور سامنے تلامذہ کا حلقہ حسب استعداد دو زانوں ہوتا۔ استاذ کسی مسئلہ کو بیان کرتا اور طلبا یاد کر لیتے تھے۔ لیکن جن لوگوں کو اپنے حافظے پر اعتماد نہ ہوتا وہ لکھ بھی لیتے تھے۔ یہی حال امام صاحب کے حلقہ درس کا تھا۔

امام صاحب چونکہ ایک بڑے زبردست متکلم بھی تھے اس لیے ہر ایک مسئلہ پر بحث و نظر اور تنقید وتبصرہ بھی کیا جاتا تھا ان پر استدلات اور اعتراضات کی بھڑ ربھی ہوتی تھی۔ (۱) اور ایک ایک مسئلہ پر بہت عرصہ تک بحث کا سلسلہ جاری رہتا تھا تب کہیں تلامذہ اپنے اپنے صحیفوں میں اس کو درج کرتے تھے۔

امام صاحب کی درسگاہ کی ہفتہ میں دو یوم کی تعطیل رہتی تھی یعنی جمعہ اور ہفتہ، ہفتہ کا دن آپ کی ذاتی اور گھریلو مصروفیات کا دن تھا اور جمعہ کا دن ضروریات جمعہ اور احباب سے ملاقات کے لیے مقرر تھا۔ اس روز آپ کے احباب جمع ہوتے اور آپ ان کے لیے انواع و اقسام کے کھانے تیار کراتے تھے۔ روزانہ اشراق سے چاشت تک تجارتی کاروبار کی نگرانی بھی فرماتے تھے اور دو پہر تک پھر بعد ظہر سے شام تک حلقہ درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ (۲)

یہ ضروری نہیں کہ امام صاجب کے اوقات یہی ہوں بلکہ حالات اور ازمان کے اعتبار

---

(۱) ابوزہرہ ص ۵۷۔ (۲) ایضاً ص ۲۷۔

Marfat.com

سے آپ ان اوقات میں ترمیم اور تبدیلی بھی فرما لیتے تھے۔

طلبا کی نشست و برخاست کا بھی آپ بہت خیال رکھتے تھے۔امام محمد چونکہ نوعمر اور حسین جمیل تھے۔ جب یہ آپ کی درسگاہ میں داخل ہوئے تو آپ نے ان کو اپنی پشت کی طرف بیٹھنے کے لیے فرمایا اور جب ان کی داڑھی نکل آئی تو سامنے بٹھانا شروع کر دیا تھا۔ (۱)

امام صاحب چونکہ نہایت محتاط اور متحمل المزاج واقع ہوئے تھے۔اس لئے طلبا کے اشکالات اور اعتراضات کو نہایت خندہ پیشانی سے سنتے اور نہایت نرمی سے اس کا جواب دیتے تھے۔ایک دفعہ آپ کے حلقہ درس میں واعظ عراق جو حسن بصری کے عزیز بھی ہوتے تھے۔شریک تھے امام صاحب نے کسی مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا اخطا الحسن یعنی حسن سے چوک ہوگئی۔اس پر واعظ عراق کو غصہ آ گیا اور فوراً ہی اٹھ کر کہہ دیا۔

تقول الحسن اخطایا ابن الزانیة

ارے حرامی بچے تو حسن کو یہ کہتا ہے کہ اس نے خطا کی۔

بھری مجلس میں یہ کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔نہ معلوم کتنے تلامذہ کے خون کھولنے لگے ہوں گے اور کتنوں نے آستانیں چڑھالی ہوں گی آپ نے سب کو خاموش کیا اور پھر نرمی سے فرمایا۔

واللہ اخطا الحسن واصاب ابن مسعودؓ (۲)

قسم خدا کی حسن سے خطا ہوئی اور ابن مسعود نے صحیح فرمایا ہے۔

ایسے ناخوشگوار مواقع پر آپ یہ شعر پڑھ دیا کرتے تھے۔

اللّٰھم من ضاق بنا صدره　　　فان قلوبنا قد اتسعت له (۳)

اے اللہ جن کے قلوب ہماری جانب سے تنگ ہیں لیکن ہمارے قلوب ان کے لئے کشادہ ہیں چنانچہ آپ ایسے گستاخوں کو معاف کر دیتے تھے آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اہل علم میں سے اگر کسی نے میرے متعلق کچھ کہا ہے اور وہ چیز میرے اندر نہیں ہے تو وہ غلطی پر ہے اور علما کی غیبت تو کچھ نہ کچھ ان کے بعد میں بھی رہتی ہے۔ (۴)

امام صاحب درس پوری محویت اور توجہ کے ساتھ دیتے تھے اگر کوئی حادثہ بھی پیش

(۱) سیرت النعمان　(۲) ابوزہرہ ص۵۶۔　(۳) ایضاً　(۴) ایضاً

Marfat.com

آ جاتا تو آپ کی محویت میں فرق نہیں آنے پاتا تھا۔ایک مرتبہ چھت میں سے آپ کی گود میں سانپ آ گرا۔لوگ دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے لیکن آپ کی ہیئت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔معمولی طور پر کپڑے کو جھٹک دیا اور پڑھانا شروع کر دیا۔ (۱)

امام صاحب چونکہ نہایت ذہین تھے اس لئے حاضر جواب دیتے بھی تھے۔درسگاہ میں کوئی کیسا ہی سوال پیش کرے فوراً ہی اس کا جواب دیتے تھے۔ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں ضحاک بن قیس خارجی نے کہا آپ حکم بنانے کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں امام صاحب نے فرمایا اگر میں عرض کروں تو فیصلہ کون کرے گا۔ضحاک نے کہا ان میں سے جسکو چاہو مقرر کرلو وہی فیصلہ کر دیگا۔امام صاحب نے فرمایا یہی تو میں کہتا ہوں۔

اس قسم کے واقعات اگرچہ خارج از موضوع ہیں لیکن بتلانا یہ ہے کہ سلسلہ درس کے درمیان آپ کو اس قسم کے واقعات سے بھی سابقہ پڑتا تھا۔غالباً اس وقت کا دستور ہی یہ ہو گا۔امام صاحب اپنی رائے میں نہایت محتاط تھے۔اپنی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتے تھے بلکہ اظہار رائے کے بعد فرما دیتے تھے۔

هذا رائی وهو احسن ماقدرنا علیه فمن جاء باحسن من قولنا فهو اولی بالصواب (۲)

میری یہ رائے احسن ہے جس پر میں قادر تھا لیکن اگر کوئی اس سے بھی اچھی رائے ظاہر کرے وہی قبولیت کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

ایک مرتبہ کسی تلمیذ نے حلقہ درس میں سے کہا کہ آپ کا ارشاد کیا خوب ہے آپ نے فرمایا ممکن ہے کہ غلط ہو۔ (۳)

امام ابو یوسف کی عادت تھی کہ تقریرات درس قلمبند کرتے رہتے تھے ایک دن امام صاحب نے فرمایا مجھ سے سنا کرو لکھا نہ کرو۔ممکن ہے کہ آج کی بات کل کو غلط ثابت ہو جائے۔ (۴)

حلقہ درس کی مقبولیت

مندرجہ بالا خصوصیات کی وجہ سے امام صاحب کے حلقہ درس کو بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی۔ابتدا تو صرف امام حماد کے تلامذہ ہی شریک رہتے تھے لیکن بعد میں ائمہ فن اور آپ کے

(۱) الموفق (۲) ابوزہرہ ص ۶۰ (۳) ایضاً (۴) ایضاً

Marfat.com

اساتذہ بھی استفادہ کی غرض سے شریک ہونے لگے تھے مثلاً مسعر بن کدام، امام اعمش، یہ حضرات دوسروں کو بھی آپ کے حلقہ درس میں شریک ہونے کے لئے کہتے تھے۔ غرضکہ اس وقت اسلامی دنیا میں اسپین کے سوا کوئی ایسا حصہ نہ تھا کہ جہاں کے باشندے آپ کے حلقہ درس میں شریک نہ ہوتے ہوں، صاحب الجواہر المضیہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے حلقہ دردرس میں مکہ، مدینہ، دمشق، بصرہ، واسطہ موصل، جزیرہ، رقہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان اصفہان، حلوان، استرآباد، ہمدان، نہاوند، رے، قومس، ذوامغان، طبرستان جرجان، نیشاپور، سرخس، نساء، بخارا، سمرقند، کس، صنعا، ترمذ، ہسرات، نہستار، الزم، خوازم، سیستان، مدائن، مصیصہ، حمص وغیرہ اضلاع کے باشندے شریک رہتے تھے۔ (۱)

امام صاحب کے حلقہ درس کی یہ مقبولیت بلاوجہ نہیں تھی بلکہ لوگوں کو امام صاحب کی حق گوئی، بے نفسی، زہد تقوی، قوت استدلال، مشکوۃ نبوت سے اخذ و استنباط نے گرویدہ بنا دیا تھا۔ علوم کے پیاسے دنیا بھر میں گشت کرآتے تھے لیکن ان کی تشنگی یہیں رفع ہوتی تھی۔ لہٰذا کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ایک خلق کثیر ایک ایسے شخص کے گرد جمع ہو گئی تھی جو قیاس، مرجی، ضعیف اور روایت حدیث میں ایک نا قابل استناد شخص ہو بلکہ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ

میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہو سکے گی

پھر زمانہ بھی وہ جس کو خیر القرون کی شرافت حاصل ہے جن کو شر کے مقابلہ میں خیر سے زیادہ تعلق ہے۔ جو اپنی دیانت، امانت، زہد و تقوی وغیرہ اوصاف حمیدہ میں آج کے انسانوں سے بدر جہا بہتر اور افضل ہیں جو حق گوئی اور بے باکی میں بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب ہونا نہیں جانتے ان کے بارے میں ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ ایک غلط آدمی کر گرد جمع ہو گئے تھے۔ بلکہ حق یہی ہے کہ اس زمانے کے صاحب فضل و کمال حضرات کا امام صاحب کے گرد جمع ہو جانا۔ امام صاحب کے فضل و کمال ہی کی وجہ سے تھا۔

---

(۱) جواہر المضیہ ص۵۴۳، ج۲

Marfat.com

باب دوم

اہم واقعاتِ زندگی

جس وقت امام صاحب نے مسند درس و افتا کو زینت بخشی تھی اس وقت ہشام بن عبدالملک کا دورِ خلافت تھا یہ ۱۰۵ھ میں خلیفہ ہوا اور ۱۲۵ھ میں اس نے وفات پائی۔ اس کی کل مدت خلافت بروایت واقدی انیس سال سات ماہ دس یوم ہے۔ اس کی عمر ۵۵ سال کی ہوئی یہ بہت سے اوصاف حمیدہ کا مالک تھا۔ مورخ طبری لکھتا ہے۔

عقال بن شبیہ کہتا ہے کہ میں ہشام کی خدمت میں باریاب ہوا۔ وہ ایک سبز رنگ کی پوستین پہنے ہوئے تھا۔ مجھے اس نے خراسان جانے کا حکم دیا اور کچھ ہدائتیں کرنے لگا میں اس کا لباس ہی دیکھتا رہا۔ ہشام تاڑ گیا اور کہا کیا ہے؟ میں نے کہا خلیفہ ہونے سے پہلے بھی میں نے آپ کو اسی لباس میں دیکھا تھا۔ اب میں یہی غور کر رہا ہوں کہ یہ وہی ہے یا کوئی اور ہے۔ ہشام نے کہا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میرے پاس اس پوستین کے سوا کوئی اور کپڑا نہیں ہے یہ جو کچھ تم دیکھتے ہو کہ میں روپیہ جمع کرتا ہوں یہ سب آپ حضرات کے لئے ہوتا ہے۔[1]

مورخ مذکور نے اسی خلیفہ کے بارے میں ایک دوسرا واقعہ بیان کیا ہے۔

ایک شخص نے ہشام سے سخت کلامی کی اس نے کہا کہ تجھے یہ زیبا نہیں ہے کہ تو اپنے امام کے ساتھ سخت کلامی کرے۔[2]

اس خلیفہ کے متعلق مورخین نے متعدد اسی قسم کے واقعات بیان کئے ہیں بایں ہمہ

(۱) طبری ص ۳۱۷، ج ۳-۲ (۲) ایضاً ص ۳۲۰۔

اموی دور خلافت کے خلاف اس کے حریفوں کے قلوب میں جو کینہ اور حسد پرورش پا رہا تھا ان کو چین سے نہ بیٹھنے دیتا تھا۔ مختلف مقامات پر فسادات اور نقض امن کے واقعات ہوتے رہتے تھے لیکن حکومت کی طاقت ان کو کچل دیتی تھی۔

زید بن علی کا خروج

زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے خروج کے اسباب کے متعلق مورخین نے متعدد روایات ذکر کی ہیں۔ شیعہ حضرات ان کے گرد جمع تھے اور ان کو جہاد کے لئے اکسا رہے تھے جس کا انجام یہ ہوا کہ زید بن علی نے خلافت کا مقابلہ کیا اور ۱۲۱ھ مقابلہ کرتے ہوئے میدان جنگ میں کام آئے۔

جب شیعہ حضرات نے زید بن علی کے ہاتھ پر کوفہ میں اس شرط پر بیعت کی تھی کہ آپ کوفہ سے باہر نہ جائیں لاکھوں تلواریں آپ کے لئے موجود ہیں۔ [1] اس وقت امام صاحب کوفہ ہی میں تھے اور آپ کے حلقہ درس کو جاری ہوئے ایک سال ہو چکا تھا امام صاحب کی اس وقت جو پوزیشن تھی۔ علامہ موفق نے لکھا ہے۔

> زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے ایک قاصد امام صاحب کی خدمت میں اپنی اعانت کے لئے بھیجا تو امام صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ لوگ (یعنی آپ کے رفقاء کار شیعہ) آپ کو ذلیل نہ کرینگے اور آپ کو شکست نہ دلائیں گے اور وفاداری کے ساتھ آپ ساتھ دینگے تو میں آپ کی اتباع کرتا اور آپ کے ساتھ جہاد کرتا اس لئے کہ آپ امام برحق ہیں لیکن لوگ آپ کے ساتھ غدر کریں گے جیسا کہ آپ کے اباء واجداد کے ساتھ غدر کیا ہے لیکن میں آپ کی مال کے ذریعہ اعانت کرتا ہوں تا کہ آپ کو تقویت پہنچے۔ یہ کہہ کر قاصد سے کہا کہ میرا یہ عذر بیان کر دینا اور یہ دس ہزار درہم میری جانب سے ان کو پیش کر دینا۔ [۲]
>
> دوسری روایت میں اس طرح مذکور ہے۔

(۱) طبری ص ۳۱۵، ج ۳-۲ (۲) مناقب از موفق۔ ص ۲۶۰، ج ۱

آپ سے پوچھا گیا کہ زید بن علی کے ساتھ نکلنا کیسا ہے تو آپ نے فرمایا جیسا کہ اصحاب رسول اللہ صلعم کا آپ کے ساتھ بدر کے لئے نکلنا! یہ سن کر آپ سے عدم شرکت کی وجہ دریافت کی گئی۔ تو فرمایا میرے پاس کچھ امانتیں ہیں۔ میں نے ان کو ابن ابی لیلیٰ کے سپرد کرنا چاہا تھا مگر انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ جب امام صاحب نے زید بن علی کے قتل کی خبر سنی تو رو دیئے۔ (۱)

ان دونوں روایتوں کو ابوزہرہ نے بلا تنقید کے قبول کیا ہے۔ (۲) حالانکہ تاریخی شہادتوں سے، اس کی وجہ جواز معلوم نہیں ہوتی ہے۔ (۳) ہمارے نزدیک سب سے بہترین رائے محقق ہند علامہ شبلی کی ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے تحفہ میں لکھا ہے کہ زید بن علی نے بنوامیہ کے عہد میں جو بغاوت کی تھی۔ اس میں امام صاحب بھی شریک تھے (نامہ دانشوران کے مؤلفوں نے بھی ایسا ہی لکھا ہے) لیکن ہم اس پر یقین نہیں کر سکتے۔ جس قدر تاریخ اور رجال کی کتابیں ہیں سب ہمارے سامنے ہیں۔ اس میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ زید بن علی نے ۱۲۱ھ میں بغاوت کی اس وقت ہشام بن عبدالملک تخت خلافت پر متمکن تھا۔ ہشام اگرچہ نہایت کفایت شعار اور بعض امور میں نہایت جزورس تھا لیکن اس کی سلطنت نہایت امن و امان کی سلطنت تھی۔ ملک میں ہر طرف امن و امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ رعایا عموماً رضامند تھی۔ بیت المال میں ناجائز آمدنیاں نہیں داخل ہو سکتی تھیں ایسی حالت میں امام صاحب کے مخالفت کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

زید بن علی سادات میں ایک صاحب ادعا شخص تھے اس لئے ان کو بغاوت کرنا ضرور تھی (بخیال ان کے) کہ خلافت ان کا حق ہے لیکن امام

---

(۱) موفق ص۲۶۱، ج۱۔ (۲) ابوزہرہ ص۳۲۔

(۳) تاریخ طبری ص۳۱۵ تا ۳۲۲، ج۲،۳۔

Marfat.com

صاحب کے متعلق غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ خاندان اہل بیت کے ساتھ ایک خاص ارادت رکھتے تھے۔ امام صاحب نے ایک مدت تک امام باقر کے دامن فیض میں تربیت پائی تھی اور کوفہ کی ہوا میں ایک مدت تک شیعوں کا اثر تھا ان اتفاقی واقعات نے امام صاحب کے متعلق بدگمانی پیدا کر دی ورنہ تاریخی شہادتیں بالکل اس کے خلاف ہیں۔ (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ دونوں روایتیں شیعوں کی ایجاد ہیں ان پر معنی اور سند کے اعتبار سے کافی تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔

امام صاحب کا سفر مکہ

۱۰۵ھ میں یزید بن عبدالملک کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے ولید کی عمر اس وقت بہت کم تھی۔ اس لئے اپنے چھوٹے بھائی ہشام بن عبدالملک کے لئے بیعت خلافت لی اور ولید کو ولی عہد مقرر کیا لیکن یہ حد درجہ عیاش تھا۔ ہشام نے ہر چند چاہا کہ کسی طرح اس کی اصلاح ہو جائے اس کے لئے ایک دفعہ ولید کو امیر حج مقرر کیا تا کہ اس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہو لیکن ولید نے یہ کیا کہ صندوقوں میں کتے بٹھلائے اور شراب کی بوتلیں بھریں اس ارادے سے کہ اب تو بیت اللہ کی چھت پر خیمہ نصب کر کے وہاں دور شراب (۲) چلے گا لوگوں کو جب معلوم ہوا تو اس کو امیر الحج کے عہدے سے برطرف کرایا۔

ہشام نے اس کی جگہ اپنے بیٹے ابراہیم کو خلیفہ بنانا چاہا لیکن ہشام اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور ۱۲۵ھ میں ولید ہی تخت خلافت پر قابض ہو گیا۔ چنانچہ جگہ جگہ بغاوتیں شروع ہو گئیں۔

خلافت عباسیہ کے دعوے دار موقعہ کے متلاشی تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یزید الناقص ابراہیم بن ولید، مروان الحمار یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے اور ختم ہو گئے۔

مروان کے زمانے میں یزید بن عمرو بن ہبیرہ کوفہ کا گورنر ہوا۔ (۳) یہ نہایت مدبر اور سیاستدان تھا ان نے منصوبہ بنایا کہ امور سلطنت میں علما کو شریک کرنا چاہیے اس طرح پبلک

---

(۱) سیرت النعمان ص ۳۳۔ (۲) طبری ص ۳۲۲، ج ۲،۳

(۳) سیرت النعمان ص ۳۳۔

کے اوپر سہولت سے قبضہ ہو جائے گا۔ اس منصوبہ کے ماتحت تمام علمائے عراق کو جمع کیا اور مختلف عہدے اس کے سپرد کر دئے چنانچہ ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمۃ، داود بن ہند کو بڑے بڑے عہدے اور جاگریں عطا کیں۔ جس کو انھوں نے قبول کرلیا۔ امام صاحب کو قاضی القضاۃ کا عہدہ سپرد کرنا چاہا تو انھوں نے اس سے انکار کر دیا۔ ابن ہبیرہ نے قسم کھائی کہ آپ کو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ اور حد یہ ہے کہ آپ اگر مسجد کے ستون شمار کرنے کو بھی کہیں تو نہیں کروں گا۔ چہ جائیکہ ایک مسلمان کے قتل پر دستخط کروں۔ اس پر ابن ہبیرہ کو غصہ آ گیا اور حکم دیا کہ ان کو روزانہ دس کوڑے مارے جایا کریں۔ چنانچہ امام صاحب کو گرفتار کرلیا گیا اور روزانہ دس کوڑے مارے جانے لگے۔ جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ مبارک اور جسم ورم کر آیا لیکن آپ اپنی بات پر اٹل رہے۔ (۱)

عبداللہ بن ابی حفص الکبیر اور امام حلبی بیان فرماتے ہیں کہ جن دنوں امام صاحب کو کوڑوں کی سزا دی جارہی تھی آپ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

عطاء ذی العرش خیر من عطائکم وفضله واسع یرجی ونتظیر

انتم یکدر ما تعطون منکم واللہ یعطی فلا من ولا کدر

یعنی اللہ تعالی کی عطا تمہاری عطا سے بہتر ہے اور اس کا فضل بہت وسیع ہے اسی سے امید کی جاسکتی ہے اور اسی کا انتظار کیا جاسکتا ہے۔ تم تو احسان جتلا کر اپنی عطایا کی مشقت میں

---

(۱) علامہ شبلی نے اپنے بعض مقالات میں امام صاحب کے مجدد ہونے سے انکار کیا ہے۔ انہوں نے بیان فرمایا ہے کہ ''مجدد ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں ان میں سے تیسری شرط یہ ہے کہ جسمانی مصیبتیں اُٹھائی ہوں۔ جان پر کھیلا ہو اور سر فروشی کی ہو۔'' اس کے بعد ہمارے ایک معاصر مولف ابن تیمیہ نے بیان کیا ہے کہ شرط (۳) کی وجہ سے علامہ شبلی نے امام ابوحنیفہ، امام غزالی، شاہ ولی اللہ کو مجددیت کے دائرے سے خارج کر دیا ہے۔ (۴) لیکن مودبانہ گذارش ہے کہ دو شرطیں تو امام صاحب میں موجود ہیں تیسری شرط کے پورا ہونے کے لیے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ابن ہبیرہ کا کوڑے مارنا اور اسی طرح خلافت عباسیہ میں کوڑوں کی سزا پھر قید خانہ اور اس میں زہر پلا کر شہید کر دینا'' اس سے اگر تیسری شرط پوری ہو رہی ہو یعنی مصیبتیں برداشت کرنا، جان پر کھیلنا اور سر فروشی کرنا تو پھر امام صاحب کے مقام مجددیت سے انکار کرنا تو ناانصافی ہوگی۔ عدالت اور فیصلہ دونوں آپ کے سپرد ہیں۔ عزیز الرحمٰن غفرلہ

(۲) کردری ص ۲۸، ج ۲

Marfat.com

مبتلا کر دیتے ہو اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے نہ احسان جتلاتا ہے اور نہ مشقت میں مبتلا کرتا ہے۔

ایک شاعر نے اس المیہ کو نظم کیا ہے جس کے شروع کے دو شعر کا ترجمہ پیش ہے۔

۱۔ اے نعمان کو مارنے والے کیا تو اپنے نفس سے خوش ہے تو نے جہالت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو کمایا ہے۔

۲۔ اے یزید تو ہمیشہ ان کے مارنے کی وجہ سے مبغوض رہے گا تو نے بہت بری چیز میزان آخرت کے لئے پیشگی بھیجی ہے۔[۱]

امام صاحب کو یہ سزا کتنے دنوں دی گئی؟ بعض روایات میں چالیس اور بعض میں دس یوم مذکور ہیں۔ امام صاحب نے اس مصیبت سے کس طرح نجات پائی اس کے لئے علامہ کردری کی تحریر پیش ہے۔

> ابن ہبیرہ نے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرمار ہے ہیں تو خدا سے نہیں ڈرتا جو میری امت کے ایک بلا قصور آدمی کو مارتا ہے۔ اس کے بعد ابن ہبیرہ نے امام صاحب کو آزاد کر دیا۔[۲]

اہل تاریخ نے یہ واقعہ ۱۳۰ھ کا بتلایا ہے۔[۳] اس کے بعد آپ نے کوفہ کو سکونت کو ترک کر دیا اور مکہ معظمہ کا سفر اختیار کیا اور ۱۳۶ھ تک آپ وہیں مقیم رہے جب ابوالعباس السفاح خلیفہ ہوا تو آپ پھر دوبارہ کوفہ آ گئے۔

قیام مکہ معظّمہ

زمانہ قیام مکہ معظّمہ میں آپ کا کیا مشغلہ تھا۔ بعض مورخین نے آپ کے حلقہ درس کا یہاں انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ نے کوفہ اور بغداد کے علاوہ کہیں حلقہ درس قائم نہیں کیا۔ لیکن ابوزہرہ نے اس روایت کی تردید کی ہے۔[۴] اور علامہ موفق نے بھی وہی بیان کیا ہے جو ابوزہرہ کی رائے ہے چنانچہ موصوف نے دلیل میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی یہ

(۱) کردری ص۲۰، ج۲۔ (۲) ایضاً ص۲۶، ج۲۔
(۳) ابوزہرہ ص۳۲۔ (۴) ایضاً ص۵۲۔

روایت پیش کی ہے۔

رایت ابا حنیفة جالسا فی المسجد الحرام ویفتی اھل المشرق واھل المغرب والناس یومئذٍ ناس یعنی الفقھاء الکبار وخیار الناس حضوراً[1]

میں نے ابو حنیفہ کو مسجد حرام میں بیٹھے دیکھا کہ آپ اہل مشرق اور اہل مغرب کو فتویٰ دیتے تھے یہ وہ زمانہ ہے کہ جب بڑے بڑے فقہا اور بہترین انسان موجود ہوتے تھے۔

اس روایت سے آپ کا حلقہ درس وافتا مسجد حرام میں بھی ثابت ہے لیکن یہ مجلس کوئی مستقل نہیں تھی۔ بلکہ عام دستور کے مطابق جب کسی بڑے شہر میں بڑا عالم پہنچ جاتا ہے تو استفادہ کی غرض سے وہاں آدمی جمع ہو ہی جاتے ہیں اسی طرح کا یہ اجتماع ہوگا۔لیکن اصل سوال مجلس تدوین فقہ کا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ آپ نے تدوین فقہ کا کام ۱۲۱ھ سے شروع کر دیا تھا[2] اور یہ کام کم و بیش ۳۰ سال (۱۵۰ھ) جاری رہا اور اس مجلس میں ۴۰ فقہاء مجتہدین برابر شریک رہے۔اگر کوئی موجود نہ ہوتا تو کام بند رہتا تھا۔تو کیا مجلس تدوین فقہ کے شرکاء آپ کے ہمراہ آگئے تھے اسی کو ابو زہرہ مصری نے ترجیح دی ہے۔[3]

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ قیام عارضی تھا اور ۱۳۲ھ یعنی ۲ سال بعد کوفہ آمد و رفت شروع کر دی پھر ۱۳۶ھ میں مستقل کوفہ آگئے گویا اسی عارضی قیام میں تدوین فقہ کا کام بند رہا۔

امام اوزاعی سے مناظرہ

۱۳۰ھ میں جب آپ مکہ پہنچے تو یہاں امام اوزاعی سے رفع الیدین کے متعلق مناظرہ پیش آگیا امام اوزاعی پہلے ہی سے امام صاحب کے متعلق اچھا خیال نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اوزاعی کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا اے خراسانی! کوفہ میں یہ کون بدعتی شخص پیدا ہوا ہے جس کی کنیت ابو

(۱) موفق ص۵۷، ج۲۔ (۲) ابوزہرہ ص۵۲۔ (۳) ایضاً

Marfat.com

حنیفہ ہے یہ سن کر میں واپس آیا اور تین دن مسلسل امام صاحب کے عمدہ عمدہ مسائل منتخب کئے اور تیسرے دن اپنے ہمراہ کتاب لے کر آیا اور امام اوزاعی کی خدمت میں پیش کی۔ امام اوزاعی نے پوچھا یہ مسائل کس نے بیان کئے ہیں؟ میں نے کہا عراق میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی تھی جس کا نام نعمان ہے امام اوزاعی نے کہا یہ تو بڑے پایہ کے شیخ معلوم ہوتے ہیں جاؤ ان سے علم حاصل کرو میں نے کہا جی ہاں یہ وہی نعمان ہیں جن کی کنیت ابوحنیفہ ہے اور جن کے پاس جانے سے آپ مجھے روکتے تھے۔

اس مرتبہ ۱۳۰ھ میں جب دونوں شیخ ایک جگہ جمع ہوئے اور تبادلہ خیال شروع ہو گیا تو مسئلہ رفع الیدین پر ذرا تفصیلی بات چیت ہوئی جس کو مسند امام اعظم سے نقل کیا جا رہا ہے۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی مکہ میں دار حناطین میں جمع ہوئے تو امام اوزاعی نے امام سے پوچھا آپ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کیوں نہیں کرتے، امام صاحب نے فرمایا حضور صلعم سے صحیح طور پر ثابت نہیں ہے۔ اس پر امام اوزاعی نے فرمایا عجیب بات ہے مجھ سے زہری نے براویت سالم عن ابیہ عن رسول اللہ صلعم یہی نقل کیا ہے کہ آپ رفع الیدین کرتے تھے۔ امام صاحب نے جواب دیا مجھ سے امام حماد نے برویت ابراہیم نخعی عن علقمہ واسود عن ابن مسعود عن رسول اللہ صلعم حدیث بیان کی ہے کہ حضور صلعم افتتاح صلوٰۃ کے علاوہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ امام اوزاعی نے کہا میں تو زہری عن سالم عن ابیہ سے روایت بیان کر رہا ہوں۔ اور آپ کہتے ہیں کہ حدثنی حماد الخ بھلا کوئی جوڑ بھی ہے؟ تب امام صاحب نے فرمایا حماد زہری سے زیادہ فقیہ تھے اور ابراہیم سالم سے افقہ تھے۔ اور علقمہ ابن عمر سے فقہ میں کم نہیں تھے اگر چہ ابن عمر کو صحبت کی فضیلت حاصل ہے اور عبداللہ بن مسعود بہر حال عبداللہ بن مسعود ہیں۔ پس یہ جواب سن کر امام اوزاعی خاموش ہو گئے۔ (۱)

اس جگہ امام صاحب نے علقمہ کو حضرت ابن عمر پر فقہ کے اعتبار سے فوقیت دی ہے اور

---

(۱) مسند امام اعظم باب رفع الیدین۔

Marfat.com

اس میں کوئی عیب کی بات نہیں ہے کیونکہ فضل صحبت اور چیز ہے اور فقاہت کسی دوسری چیز کا نام ہے۔ جیسا کہ حضرت علقمہ حضرت وائل بن حجر کے بہت زیادہ مداح تھے اور ان کی بہت زیادہ تعریف و تعظیم کیا کرتے تھے لیکن ان کے علم کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

انه اعرابی لایعرف الاسلام(۱)

وہ اعرابی ہیں اسلام سے واقف نہیں ہیں۔

ابوالعباس سے بیعت

ابوالعباس السفاح بنی عباس کا پہلا خلیفہ ہے جب یہ خلیفہ ہوا تو لوگوں کو امید ہو گئی تھی کہ اب ظلم وستم بند ہو جائے گا لیکن ایسا ہوا نہیں کیونکہ نئی نئی خلافت تھی جگہ جگہ بغاوتیں ہو رہی تھیں اس لئے انتظاماً بہت زیادہ قتل وغارت گری ہوئی۔

بہر حال خلیفہ ہونے کے بعد اس کو اخذ بیعت کی ضرورت پیش آئی اور وہ اس غرض سے کوفہ آیا۔ کوفہ ان دنوں حکومت اسلامیہ کا سب سے بڑا شہر شمار کیا جاتا تھا۔ اتفاق سے ان دنوں امام صاحب کوفہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ لوگوں نے مشورے کے لئے آکر گھیر لیا کہ اب کیا کریں۔ امام صاحب نے فرمایا میں تمہاری اور اپنی طرف سے خلیفہ سے جا کر گفتگو کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ گئے اور ایک مختصر اور بلیغ تقریر خلیفہ کے سامنے فرمائی کہ:

الحمد الله الذی بلغ الحق قرابة بنیه صلعم و امات عنا جورا لظلمة وبسط السنتنا بالحق قد بایعناک علی امرالله والو فالک بعهدک الی قیام اساعة (۲)

اس خدا کی تعریف جس نے خلافت حضور کے قرابت داروں کو عطا کیا اور ظالموں کے ظلم کا ہم پر سے خاتمہ کردیا اور ہماری زبانوں کو حق کے لیے بچھا دیا۔ میں آپ سے احکام خداوندی اور وفائے عہد پر قیام ساعت تک کے لئے بیعت کرتا ہوں۔

یہ دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کی۔

---

(۱) تنسیق ص ۵۰۔ (۲) ابوزہرہ ص ۳۵۔

بعض حضرات نے لفظ قیام الساعۃ کے متعلق لطائف بیان کئے ہیں اور کہا ہے کہ امام صاحب نے تلفظ میں میم کے کسرہ کو بڑھا دیا تھا یعنی قیامی الساعۃ (یعنی اپنے یہاں کھڑے ہونے تک) اور کسرہ دیا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امام صاحب نے اس جگہ توریہ سے کام لیا تھا لیکن یہ مناسب نہیں کیونکہ اس سے امام صاحب پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ تو بچ گئے لیکن عوام کو مصیبت میں گرفتار کر دیا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جو الفاظ بیعت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی بیعت مشروط تھی۔ اور مشروط بیعت شرط پوری نہ ہونے کی وجہ سے خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

ابراہیم بن میمون کا قتل

ابراہیم بن میمون امام صاحب کے دوست ہیں آپ بڑے فقیہ اور محدث تھے۔ امام صاحب اور عطا سے حدیث روایت کرتے ہیں اور ان سے حسان بن ابراہیم نے روایت کی ہے۔ ابوداود اور نسائی ان کے بارے میں فرماتے ہیں لا باس بہ یحییٰ بن معین اور ابن حبان ان کی توثیق کرتے ہیں۔ امام صاحب کے پاس اکثر ان کی آمد و رفت رہتی تھی۔ آپ امام صاحب سے جہاد کے متعلق مشورہ کیا کرتے تھے۔ امام صاحب فرما دیتے تھے امر بالمعروف اور نھی عن المنکر اگرچہ فرض ہے لیکن اس کے لئے حالات اور سامان کی بھی ضرورت ہے لیکن یہ باز نہ آئے۔ بالآخر ابو مسلم خراسانی نے ان کو گرفتار کر لیا اور قتل بھی کر دیا۔

ان کے قتل کی خبر سن کر امام صاحب بہت زیادہ روئے۔ حضرات عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ گریہ کی وجہ سے آپ کی حالت یہ ہوگئی تھی۔ کہ خیال ہونے لگا تھا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر جائے۔ (۱)

قیام کوفہ

۱۳۶ھ سے پھر دوبارہ آپ نے کوفہ میں مستقل قیام فرمالیا۔ اس وقت ابوجعفر منصور خلیفہ تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ علما اس کے یہاں آمد و رفت رکھیں۔ بہت سے حضرات کو اس نے سرکاری عہدے بھی دیئے تھے۔ اس وقت پایہ تخت ہاشمیہ کوفہ سے چند میل کے فاصلہ پر تھا۔

---

(۱) الجواہر المضیہ۔

Marfat.com

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے ابن شبرمۃ ابن ابی لیلیٰ اور دیگر علما کو طلب کیا اور بیع وشرا اور زکوۃ وغیرہ کے متعلق کتاب لکھنے کو کہا۔ چنانچہ طویل مدت کے بعد ان حضرات نے مسودات پیش کیے۔ تو خلیفہ کو پسند نہ آئے۔ کسی درباری نے خلیفہ سے عرض کیا حضور کوفہ میں ایک شخص ابو حنیفہ نعمان ہیں ان کو بلایئے چنانچہ امام صاحب کو بلایا گیا اور کتاب لکھنے کے لئے کہا گیا۔ امام صاحب نے صرف دو دن میں وہ کتاب مرتب کر کے پیش کر دی۔ خلیفہ نے اس کتاب کو بہت پسند کیا اور بطور انعام دس ہزار درہم پیش کیے تو امام صاحب نے لینے سے انکار کر دیا۔ (۱)

ایک دفعہ خلیفہ نے امام مالک، ابن ابی ذئب اور امام صاحب کو بلوایا اور اپنی خلافت کے متعلق ہر ایک سے اظہار رائے چاہی۔ ہر ایک نے جو اس کے نزدیک حق تھا بیان کر دیا۔ امام صاحب سے پوچھا تو فرمایا۔

جب آپ کی خلافت پر دو اہل فتویٰ متفق نہیں ہو پائے تو خلافت تو اجماع مومنین کا نام ہے۔

یہ سن کر خلیفہ نے خادم کو حکم دیا کہ جب یہ لوگ باہر جائیں تو تین ہزار درہم ہر ایک کو پیش کرنا۔ اگر امام مالک لیں تو کل کے کل دینار دے دینا اور اگر یہ دونوں لیں تو ہر ایک کی گردن اڑا دینا۔ چنانچہ غلام نے ان کے سامنے تین ہزار کی تھیلی پیش کی۔ امام مالک کے علاوہ دونوں نے انکار کر دیا۔ (۲)

امام صاحب کا جواب اگرچہ گستاخانہ شمار کیا جا سکتا ہے لیکن حق وصداقت بہر حال حق و صداقت ہے۔ گویا عارضی طور سے آدمی ابتلا میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن عنداللہ وعندالناس قدر و منزلت کی راہیں اسی سے کھلتی ہیں۔ لہٰذا بے لاگ تنقید وتبصرے کے باوجود ذاتی اور سرکاری معاملات میں بھی امام صاحب کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

ایک دفعہ خلیفہ منصور اور اس کی بیگم میں دوسری شادی کے متعلق بات بڑھ گئی۔ خلیفہ دوسری شادی کرنا چاہتا تھا لیکن بیگم اس کو پسند نہیں کرتی تھی۔ لہٰذا امام صاحب کو حکم کیا گیا کہ جو وہ فرمائیں اسی پر عمل کیا جائے۔ امام صاحب تشریف لائے۔ بیگم پس پردہ ہو بیٹھیں۔ خلیفہ نے سوال کیا کہ حر کو کتنی شادیاں کرنے کا حق ہے؟ امام صاحب نے فرمایا چار کا۔ یہ جواب سنتے ہی

(۱) موفق ص ۱۵۔ (۲) ایضاً ص ۱۶، ج ۱۔

Marfat.com

خلیفہ پردہ کی طرف مخاطب ہوا دیکھا! تب امام صاحب نے فرمایا لیکن!

فان خفتم الا تعدلوا فواحدة (الآیته)

اگر تمہیں عدل نہ کرنے کا خوف تو ہو بس ایک ہی کافی ہے۔

لہٰذا اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے خلیفہ یہ سن کر خاموش ہو گیا اور امام صاحب باہر تشریف لے آئے۔ جب امام صاحب گھر پہنچے تو بیگم کا غلام اشرفیوں کی تھیلی لے کر حاضر ہوا اور بیگم کی طرف سے کہا کہ لونڈی آپ کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ اور یہ حقیر ہدیہ قبول فرمائیے۔ امام صاحب نے فرمایا جاؤ! میرا اسلام پیش کرنا داور کہنا کہ شکریہ اور ہدیہ کی کوئی بات نہیں ہے یہ تو میرا فریضہ تھا جو میں نے ادا کیا۔ (۱)

ایک دفعہ خلیفہ نے علماء کوفہ کو جمع کیا اور پوچھا کیا رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد صحیح نہیں ہے؟

المومنون عند شروطهم

مومنین کا معاملہ ان کی شروط کے مطابق ہوتا ہے۔

سب نے کہا بیشک! تب منصور نے کہا کہ اہل موصل نے میرے خلاف خروج نہ کرنے کی بیعت کی تھی لیکن اب انھوں نے میرے خلاف خروج کیا ہے۔ انھوں نے میرے عامل کو بھی قتل کر دیا ہے۔ کیا اب میرے لئے جائز ہے کہ میں ان کو قتل کر دوں؟ مجمع میں سے ایک عالم نے کہا وہ آپ کے قبضہ میں ہیں اگر آپ ان کو معاف کر دیں تو بہتر ہے۔ خلیفہ نے امام صاحب سے دریافت کیا۔ امام صاحب نے فرمایا ہم اس وقت بیت خلافت میں ہیں اگر جان کی امان ہو تو کچھ عرض کیا جائے۔ خلیفہ نے کہا امان ہے! امام صاحب نے فرمایا:۔

اہل موصل نے آپ کے ساتھ ایسی شرط کی ہے جس کے وہ خود مالک نہیں ہیں (یعنی جان اور جان اللہ کی ملکیت ہے) اِنَّ اللّٰهَ اشتری مِنَ الْمُومِنِینَ اَنفُسَهُم وَاَموَلَهُم. لہٰذا اس میں بذل واباحت جاری نہ ہوں گے۔ بدین وجہ اگر کسی آدمی نے دوسرے کو امر کیا کہ تو مجھے قتل کر دے اور اس نے تعمیل حکم کرتے ہوئے قتل کر دیا تو اس پر دیت واجب ہو جائے

---

(۱) ابوزہرہ ص ۳۴۔

گی۔[1] لہٰذا آپ نے نامناسب شرط لگائی تھی۔ اور مسلمان کا خون تین وجہ کے علاوہ بہانا جائز نہیں ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی شرط ہے جس کا پورا کرنا آپ پر مقدم ہے۔[2]

منصور یہ سن کر لا جواب ہو گیا اور کہا اے شیخ! آپ تشریف لے جا سکتے ہیں لیکن آپ ایسا فتویٰ نہ دیں کیونکہ اگر آپ نے اپنے امام کے خلاف ایسا فتویٰ دے دیا تو خوارج کے ہاتھ آپ کے امام کی طرف دراز ہونے لگیں گے۔[3]

---

(۱) امام زفر اس مسئلہ میں قصاص کو واجب قرار دیتے ہیں الآدمی بنیان الرب آدمی اللہ کی عمارت ہے اس سے انسان پر اللہ کی ملکیت ثابت ہوئی اور یہ کسی کا حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کو منہدم کر دے۔ امام صاحب شبہ کی وجہ سے قصاص کو ختم کرتے ہیں اور دیت واجب قرار دیتے ہیں۔

(۲) موفق ص ۱۷۔ (۳) ایضاً

مناظرے

امام صاحب کی ذکاوت اور ذہانت کے لئے یہی کیا کچھ کم ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

اگر دین ثریا پر بھی ہو گا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے اتار لائے گا۔ (مسلم)

اور علامہ جلال الدین سیوطی نے باتفاق علمائے امت اس کا مصداق امام صاحب ہی کو قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام مالک سے آپ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا۔

اگر وہ شخص دلائل کے ذریعہ سے اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو ثابت کرسکتا ہے۔

علاوہ ازیں امام صاحب کی دانشوری کے لئے آج ان کا مدون شدہ فقہ موجود ہے لیکن اس جگہ ہم چند مناظروں کا ذکر کر رہے ہیں ان سے کچھ نتائج بھی اخذ کرتے ہیں۔

قتادہ سے مناظرہ

حضرات قتادہ مشہور محدث اور تابعی ہیں۔ بصرہ وطن ہے حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن برجین، حضرت ابوالطفیل سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت انسؓ کے دو شاگرد ہیں جو بہت مشہور ہوئے ہیں اس میں سے ایک یہ ہیں۔ حدیث کو اس طرح ادا کرتے تھے کہ الفاظ و معنی میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا تھا۔ لوگ ان کو احفظ الناس کہتے تھے۔ امام صاحب حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

Marfat.com

ان کے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے وہ یہ کہ مدینہ منورہ میں یہ حضرت سعید بن مسیب سے حدیث پڑھتے تھے اور درمیان درس میں بہت زیادہ سوال کیا کرتے تھے ایک دن استاذ نے ان سے دریافت کرلیا کہ تم بہت زیادہ پوچھتے ہو کچھ یاد بھی رکھتے ہو تو انھوں نے بقید تاریخ دن لفظاً لفظاً سب سنا دیا۔ امام صاحب ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قتادہ فقہ، واقفیت اختلاف، تفسیر میں بہت بڑے عالم ہیں۔

ایک دن حضرت قتادہ کوفہ تشریف لائے اور اعلان کرادیا کہ جس کو جو پوچھنا ہو پوچھے میں اس کا جواب دوں گا۔ لہٰذا سوالات کرنے کے لئے ایک مخلوق جمع ہوگئی امام صاحب بھی تشریف لائے اور کیوں نہ لاتے جب عام اجازت تھی۔ ہاں اگر ابتدا امام صاحب کی طرف سے ہوتی تو گستاخی کی بات تھی کہ استاذ کا مقابلہ کیا لیکن جب استاد ہی ایسا اعلان کرے تو پھر اس کے اندر گنجائش موجود ہے۔

امام صاحب نے پوچھا مفقود الخبر کی بیوی نے اس سے مایوس ہوکر اور یہ خیال کرکے کہ وہ مرگیا ہوگا دوسرا نکاح کرلیا کچھ عرصہ بعد اولاد پیدا ہوئی اتنے میں پہلا شوہر بھی آگیا۔ اب دونوں شوہروں میں سے ہر ایک اس اولاد کا انکار کرتا ہے کہ میری نہیں ہے۔ گویا عورت پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے۔ اب اس عورت کیساتھ کس شوہر کو لعان کرنا چاہیئے۔ قتادہ نے کہا کیا ایسا ہوا ہے امام صاحب نے فرمایا ایسا ہوسکتا ہے اس لئے علما کو پہلے سے تیار رہنا چاہیئے۔ قتادہ نے کہا اس کو رہنے دیجیے۔ (۱) کچھ تفسیر میں دریافت کیجئے۔ امام صاحب نے دریافت کیا اس آیت کا مطلب بتلایئے؟

قال الذی عنده علم من الکتاب انا اتیک به قبل ان یرتد الیک طرفک

اس نے کہا جو کتاب اللہ کے علم سے واقف تھا میں آپ کے پاس ملکہ بلقیس کے تخت کو آپ کی پلک جھپکنے سے پیشتر لے آؤں گا۔

یہ وہ قصہ ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس کے تخت لانے کے بارے میں

(۱) یہ واقعہ علامہ موفق اور علامہ کردری نے مناقب میں ص ۱۰۳ ج ۱، اور ص ۱۵۸، ج ا تھوڑے تھوڑے اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اعلان کیا کہ کون اس کو جلدی سے جلدی لا سکتا ہے تو اس روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف برخیا نے (جن کو اسم اعظم آتا تھا) کہا کہ میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لا سکتا ہوں، یہ روایت اس وقت عام مسلمانوں میں بھی مشہور تھی لہٰذا حضرت قتادہ نے بھی یہی جواب دیا۔ تو امام صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اسم اعظم جانتے تھے یا نہیں؟ قتادہ نے کہا نہیں؟ تب امام صاحب نے فرمایا ہر ایک نبی کے زمانے میں اس سے زیادہ کوئی دوسرا عالم نہیں ہوتا ہے۔ اس کے بعد قتادہ نے کہا اچھا عقائد کے بارے میں دریافت کیجئے۔ آپ نے پوچھا آپ مومن ہیں؟ قتادہ نے کہا ہاں ان شاء اللہ میں مومن ہوں۔

محدثین کا مسلک یہ ہے کہ جب وہ اپنے ایمان کے بارے میں کہتے ہیں تو ان شاء اللہ لگا دیتے ہیں اسی طرح کسی نے امام حسن بصری سے پوچھا تو انھوں نے بھی ان شاء اللہ لگا دیا۔ سائل نے کہا یہاں ان شاء اللہ کا کوئی محل تھا۔ تب حسن بصری نے فرمایا میں نے اس وجہ سے کہا کہ زبان سے دعویٰ کروں اور خدا کے نزدیک اس دعوے میں جھوٹا ثابت ہوں۔ حالانکہ یہ بات وہم کے درجہ میں تو ہو سکتی ہے۔[1] امام صاحب نے قتادہ سے کہا ایسا کیوں کرتے ہو تو انھوں نے جواب میں فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقلید میں انھوں نے فرمایا تھا۔

والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین

اور وہ ذات کہ جس سے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کو وہ میری خطائیں معاف کر دے گا۔

حضرت امام صاحب نے فرمایا حضرات ابراہیم سے جب ان کے ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔

اولم تومن

کیا آپ ایمان نہیں لائے

تو انھوں نے جواب میں فرمایا تھا۔

بلیٰ

بیشک میں ایمان رکھتا ہوں

---

(۱) سیرت النعمان ص ۵۱، ج ۱۔

Marfat.com

آپ نے یہاں ان کی تقلید کیوں نہیں کی تو قتادہ خاموش ہو گئے۔ (۱)

یحییٰ بن سعید سے مناظرہ

یحییٰ بن سعید انصاری کوفہ کے قاضی تھے اور سرکاری دربار میں ان کا بڑا مرتبہ تھا لیکن امام صاحب کے ہوتے ہوئے کوفہ میں ان کا کچھ بھی اثر نہ تھا جس کی وجہ سے کہا کرتے تھے۔ اہل کوفہ عجیب ہیں محض ایک شخص (ابو حنیفہ) کے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں۔ امام صاحب نے امام یوسف، امام زفر اور چند دیگر شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کریں چنانچہ یہ سب حضرات گئے۔ امام ابو یوسف نے بیان کرنا شروع کیا۔

ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہے جن میں سے ایک آزاد کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

قاضی یحییٰ نے کہا نہیں کر سکتا! کیونکہ حدیث میں موجود ہے۔

لا ضرر ولا ضرار

یعنی وہ کام جس سے ضرر ہو جائز نہیں۔

اور مسئولہ صورت میں چونکہ دوسرے شریک کا نقصان ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔ امام یوسف نے فرمایا اگر دوسرا شریک آزاد کرے؟ تو قاضی صاحب نے جواب دیا تب جائز ہے اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف نے فرمایا آپ خود اپنے قول کی مخالفت کر رہے ہیں۔ کیونکہ آپ کے نزدیک ایک شریک کے آزاد کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ آزاد کرنا بھی چاہے تو آزاد نہیں ہوگا۔ لہٰذا دوسرے شریک کے بارے میں بھی یہی صورت پیش آئے گی اور غلام بدستور غلام رہے گا۔ (۲)

علامہ موفق نے اس مناظرہ کو ربیعہ بن عبدالرحمٰن کی جانب منسوب کیا ہے جو تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ ہم نے اس مناظرہ میں علامہ شبلی کی تحقیق پر عمل کیا ہے۔

امام ابو یوسف کو تادیب

ایک دفعہ امام ابو یوسف شدید بیمار ہوئے اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ امام ابو

---

(۱) موفق ص ۱۰۳، ج ۱ (۲) سیرت النعمان ص ۵۲۔

Marfat.com

حنیفہ عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا:

لئن مات ھذا الغلام لم یخلف علی وجه الارض مثله

اگر ان کا انتقال ہو گیا تو زمین پر ان کا کوئی جانشین ان جیسا نہ پایا جائے گا۔

یعنی امام صاحب نے امام ابو یوسف کے کمالات کو سراہا۔ کچھ دنوں کے بعد امام ابو یوسف اچھے ہو گئے تو انھوں نے اپنی مجلس درس علیحدہ قائم کر لی۔ امام صاحب کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے ایک شخص کو سکھا کر بھیجا کہ یہ سوال کرنا۔

کہ ایک آدمی نے دھوبی کو کپڑا دھونے کے لئے دیا جب وہ مانگنے آیا تو دھوبی نے کپڑے دینے سے انکار کر دیا۔ پھر اس کے بعد دھوبی کپڑا لے آیا تو کیا اس دھوبی کی اجرت ہو گئی یا نہیں؟ اگر ابو یوسف کہیں واجب ہو گئی تو کہہ دینا غلط اور اگر کہیں نہیں واجب ہوئی تب بھی کہہ دینا غلط۔

چنانچہ یہ آدمی گیا اور اس نے اسی طرح سے کہا جیسا کہ اس کو بتلا گیا تھا تب تو امام ابو یوسف گھبرا گئے۔ اپنے اس فعل پر متنبہ ہو کر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام صاحب نے فرمایا آپ کو تو یہاں دھوبی والا مسئلہ کھینچ لایا ہے۔ پھر امام صاحب نے جواب دیا اگر دھوبی نے کپڑا دھونے سے پہلے یہ کہا تھا یعنی انکار کر دیا تھا تب تو وہ غاصب ہے اور غاصب کی اجرت نہیں ہوتی اور اگر کپڑا دھونے کے بعد انکار دکیا تھا تو اجرت واجب ہو گئی تھی لیکن غصب کی وجہ سے وہ اجرت ساقط تھی۔ مگر جب وہ کپڑا لے کر آ گیا تو اس پر سے غصب کا جرم ساقط ہو گیا اور اجرت بدستور رہی۔ (۱)

قاضی ابن لیلیٰ پر تنقید

ابن ابی لیلیٰ کوفہ کے قاضی اور بڑے فقیہ تھے ۳۳ سال منصب قضا پر فائز رہے۔ امام صاحب اور ان کے درمیان کسی قدر شکر رنجی رہتی تھی۔ ایک دن یہ اپنی مجلس قضا (مسجد) سے آرہے تھے کہ راستہ میں ایک عورت کو ایک آدمی سے جھگڑتے دیکھا تو کھڑے ہو گئے۔ عورت نے اثنائے گفتگو میں اس امر کو "یا ابن الزانیتین" کہہ دیا، امام ابی لیلیٰ نے سنا اور عورت کو پکڑوا

---

(۱) موفق ص ۱۰۹۔

Marfat.com

کر مجلس قضا (مسجد) میں لائے اور دو حد جاری کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ عورت نے ایک ہی ساتھ اس شخص کے ماں اور باپ دونوں پر تہمت لگائی تھی۔ امام صاحب کو جب معلوم ہوا تو فرمایا ابن ابی لیلیٰ نے چند غلطیاں کی ہیں۔

۱۔ اصول عدالت کے خلاف لوٹ کر پھر مجلس قضا میں آئے۔

۲۔ اس میں کوئی مدعی نہیں تھا ابن ابی لیلیٰ نے خود ہی مقدمہ بنالیا۔

۳۔ عورت پر مجلس قضا میں حد جاری کرادی۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلعم نے عورت پر بٹھلا کر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

۴۔ ایک ساتھ دو حدیں جاری کر دیں حالانکہ ایک حد مارنے کے بعد جب آرام ہو جاتا تب دوسری حد جاری کی جاتی۔

۵۔ اس عورت پر دو حد نہیں آتی تھیں۔ بلکہ ایک ہی حد کافی تھی۔ اس لئے کہ اس نے ایک ہی جرم کیا تھا۔

قاضی صاحب یہ سن کر بہت برہم ہوئے اور امام صاحب کی شکایت گورنر کوفہ سے جا کر دی۔ گورنر نے حکم دے دیا کہ امام ابو حنیفہ اب فتویٰ نہیں دے سکتے۔ چنانچہ امام صاحب فتویٰ سے رک گئے۔ ایک دن اتفاق سے امام صاحب کی صاحبزادی نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو فرمایا جان پدر! اپنے بھائی حماد سے معلوم کریں مجھے حاکم کی طرف سے ممانعت ہے۔ (۱)

اور ہمیں اپنے حکام کا حکم ماننا چاہیے۔ چند روز کے بعد خود گورنر ہی کو کوئی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لئے امام صاحب کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ امام صاحب نے فرمایا مجھے آپ کی طرف سے ممانعت ہے۔ گورنر نے کہا اب اجازت ہے۔ (۲)

ایک رافضی سے مناظرہ

کوفہ میں ایک رافضی تھا جو حضرت عثمان غنیؓ کو کافر اور یہودی کہا کرتا تھا۔ امام صاحب کو خبر ہوئی تو اس کے پاس گئے اور کہا بھائی! میں تیری لڑکی کے لئے آدمی کا پیغام لایا ہوں وہ

---

(۱) دیانت داری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ (۲) سیرت النعمان ص ۵۲، ج ۱

Marfat.com

آدمی حافظ قرآن ہے۔ رات بھر نماز میں قرآن پڑھتا ہے۔ خدا کے خوف سے بہت روتا ہے لیکن وہ یہودی ہے۔ رافضی نے کہا چہ خوش! کیا میں اپنی لڑکی کی شادی یہودی سے کردوں؟ امام صاحب نے فرمایا تو پھر پیغمبر خداؐ نے ایک چھوڑ کر دو لڑکیوں کی شادی حضرت عثمان سے کیوں کر دی تھی؟ یہ سن کر یہ رافضی متنبہ ہوا اور توبہ کی اور اپنی اس حرکت سے باز آیا۔ (۱)

ایک دن امام صاحب مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رافضیوں کا ایک عالم آیا کہ جسکو شیطان طاق کہا جاتا تھا اس نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلعم کے بعد سب سے زیادہ طاقتور کون تھا؟ اس نے خود ہی کہا کہ ہم تو حضرت علیؓ کو کہتے ہیں اور آپ حضرت صدیق اکبرؓ کو کہتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ حق حضرت صدیقؓ کا تھا جب ہی تو حضرت علیؓ نے ان کے سامنے تقیہ کر لیا اور تم کہتے ہو کہ حق حضرت علیؓ کا تھا لیکن حضرت صدیقؓ نے قوت کے بل بوتے پر لے لیا تو کون طاقتور رہا یہ سن کر وہ حیران رہ گیا۔

امام مرغینانی کہتے ہیں کہ امام حماد کے انتقال کے بعد امام صاحب ایک حمام میں تشریف لے گئے اتفاق سے یہ شیطان بھی وہاں پہنچ گیا۔ اور کہا کہ تمہارا استاذ تو مر گیا اور ہمیں اس سے نجات مل گئی۔ امام صاحب نے فرمایا بیشک لیکن تمہارے استاذ (امام مہدی) کو قیامت تک کے لئے مہلت مل گئی ہے یہ سن کر وہ حیران رہ گیا اور اپنا تہبند کھول کر کھڑا ہو گیا تو امام صاحب نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے کہا آپ کب سے اندھے ہو گئے۔ امام صاحب نے فرمایا خدا نے جب سے تیرا ستر پھاڑ دیا اور یہ فرما کر آپ باہر آ گئے۔ (۲)

خوارج کے ساتھ مناظرہ

ایک دفعہ تقریباً ۷۰ خارجی امام صاحب پر آ چڑھے اور تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ آج تو ہم آپ کو قتل کریں گے اس وجہ سے کہ آپ مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں کہتے۔ امام صاحب نے فرمایا پہلے تلوار نیاموں میں کر لو اس کے بعد سوال کرو اس کے بعد جو جی میں آئے کرنا۔ انھوں نے کہا ہم تو ان کو آپ کو خون سے رنگیں گے۔ کیونکہ ایسا کرنے کو ہم ۷۰ سال جہاد فی سبیل اللہ سے افضل سمجھتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا اچھا کہو کیا کہتے ہو تو خارجیوں نے کہا۔

---

(۱) مناقب از کردری ص ۱۶۱، ج ۱۔ (۲) کردری ص ۱۶۲۔

اس جگہ باہر دو جنازے ہیں۔ جن میں ایک مرد ہے اور دوسرا عورت مرد شراب پی کر اسی حالت میں مر گیا عورت حاملہ تھی اس نے خود کشی کر لی لہٰذا اب فرمایئے کیا کہتے ہیں؟

امام صاحب نے فرمایا اچھا یہ بتلاؤ یہ یہودی تھے یا نصرانی یا مجوسی۔ انھوں نے کہا اس میں سے کچھ بھی نہیں تھے تو امام صاحب نے دریافت کیا تو پھر کس ملّت سے تھی۔ خارجیوں نے کہا وہ اس ملت سے تھے جو یہ کہتے ہیں۔ ''اشهدان لاالـه الاالـلـه واشهد ان محمد رسـول الـلـه'' امام صاحب نے دریافت کیا کہ یہ کلمہ ایمان کا کونسا جزو ہے؟ نصف ہے یا چوتھائی یا تہائی۔ خارجیوں نے کہا یہ تو کل ایمان ہے اسلئے کہ ایمان کے اجزاء نہیں ہوتے۔ امام صاحب نے فرمایا تو اب تم ہی لوگ بتلاؤ یہ دونوں جنازے کس کے ہوئے۔ مسلمان کے یا کافر کے؟ خارجیوں نے کہا اچھا اس کو رہنے دیجئے دوسری بات بتلایئے! وہ یہ کہ

یہ دونوں دوزخی ہیں یا جنتی؟

امام صاحب نے فرمایا اس کے بارے میں تو وہی کہوں گا جو حضرت ابراہیمؑ نے ان دونوں سے زیادہ مجرم کے بارے میں فرمایا تھا یعنی

فمن تبعني فهو مني ومن عصاني فانک غفورٌ رحيم

جس نے میری اتباع کی وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی پس اے خدا تو غفور رحیم ہے۔

اور یہ کہوں گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

ان تعذبهم فانهم عبادک وان تغفرلهم فانک انت العزيز الحكيم (الاية)

اگر آپ ان کو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر بخش دیں تو آپ غالب حکمت والے ہیں۔

اور وہ کہوں گا جو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

وما علي بما كانو يعملون ان حسابهم الاعلى ربي

جو کچھ انھوں نے کیا ہے وہ مجھ پر نہیں ان کا حساب تو اللہ تعالیٰ پر ہے وہ جو چاہے کرے۔

یہ سن کر خارجیوں نے اپنی تلواروں کو نیاموں میں کر لیا۔ اور تائب ہوئے اور عقیدہ اہل

Marfat.com

سنت والجماعت کو اختیار کر لیا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب کسی سے مناظرہ کرنا ہوتا الٹا اسی سے پوچھنا شروع کردو تو غالب آجاؤ گے۔ (۱)

ایک رومی سے مناظرہ

بغداد میں ایک رومی آیا اور اس نے خلیفہ سے آکر عرض کیا میرے یہ تین سوال ہیں اگر آپ کی سلطنت میں کوئی موجود ہے تو بتلایئے! خلیفہ نے اعلان کرادیا۔ سب علما جمع ہوئے۔ امام صاحب بھی تشریف لائے۔ رومی ممبر پر چڑھا اور اس نے سوال کیا (۱) بتاؤ خدا سے پہلے کون تھا (۲) بتاؤ! خدا کا رخ کدھر ہے (۳) بتاؤ! خدا اس وقت کیا کر رہا ہے؟ یہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔ امام صاحب آگے بڑھے اور کہا میں جواب دوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ممبر سے نیچے اتر آئیں۔ رومی ممبر سے نیچے آ گیا، امام صاحب ممبر پر جا بیٹھے اور سوال دہرانے کو فرمایا۔ رومی نے سوالات کا اعادہ کیا تو امام صاحب نے فرمایا (۱) گنتی شمار کرو۔ رومی نے گننا شروع کیا امام صاحب نے روکا اور کہا ایک سے پہلے گنو! رومی نے کہا ایک سے پہلے کوئی گنتی نہیں ہے تو امام صاحب نے فرمایا تو خدا سے پہلے بھی کوئی نہیں ہے۔

۲۔ اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے۔ امام صاحب نے ایک شمع روشن کی اور فرمایا اس کا رخ کدھر کو ہے۔ رومی نے کہا سب طرف کو۔ امام صاحب نے فرمایا خدا کا رخ بھی سب طرف کو ہے۔

۳۔ اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا نے تجھے نیچے اتار دیا اور مجھے اوپر چڑھا دیا۔ رومی یہ سن کر شرمندہ ہوا اور واپس چلا گیا (۲)

اہل مدینہ سے مناظرہ

ایک مرتبہ امام صاحب کی خدمت میں مدینہ منورہ سے کچھ حضرات آئے اور انھوں نے کہا کہ ہم آپ سے قراۃ خلف الامام پر مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا تم سب سے ایک ساتھ کس طرح مناظرہ ہو سکتا ہے لہٰذا تم اپنے میں سے سب سے زیادہ عالم کو منتخب کر لو! انھوں نے ایک آدمی کو منتخب کر دیا۔ امام صاحب نے فرمایا یہ تم میں سے سب سے

---

(۱) مناقب از کردری۔ ص ۱۶۴، ج ۱۔ (۲) موفق ص ۱۷۸، ج ۱

زیادہ عالم ہے انھوں نے جواب دیا ہاں۔ امام صاحب نے پوچھا کیا اس کا اقرار وانکار آپ کا اقرار وشمار ہوگا انھوں نے کہا ہاں۔ امام صاحب نے پھر پوچھا اگر یہ ہار گئے تو آپ کی ہار شمار ہوگی۔ انھوں نے کہا ہاں! تب امام صاحب نے فرمایا مناظرہ ختم اس وجہ سے کہ ہم نماز میں امام کو اسی لئے تو منتخب کرتے ہیں۔ حدیث میں موجود ہے۔

من كان له امام فقوأة الامام قراة له[1]

جس کا امام موجود ہو تو امام کی قراۃ اس کی قراۃ ہوتی ہے۔

ابن اسحاق سے مناظرہ

ایک دفعہ خلیفہ منصور نے اپنی رعایا کے سب علماء کو جمع کیا۔ امام صاحب بھی تشریف لائے۔ اتفاق سے ابن اسحاق صاحب مغازی بھی آئے۔ یہ خلیفہ کے بیٹے کے استاذ تھے اور امام صاحب سے حسد اور کینہ رکھتے تھے۔ انھوں نے خلیفہ کی موجودگی میں امام صاحب سے دریافت کرلیا۔

اے ابوحنیفہ! آپ کی کیا رائے ہے اگر کسی نے یہ کہا میں فلاں کام کروں گا یا نہیں کروں۔ اوران شاء اللہ متصلاً نہیں کہا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ان شاء اللہ کہہ دیا؟

امام صاحب نے فرمایا استثنائے مقطوع سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ہاں اگر متصلاً کہتا تو اس کے حق میں مفید تھا۔ ابن اسحاق نے یہ سنا اور خوش ہوا اور کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے امیر المومنین کے جد اکبر حضرت عباسؓ نے فرمایا ہے۔

ان استثنا جائزٌ لو كان بعد سنة

استثناء اگر سال بھر کے بعد بھی ہو تو جائز ہے۔

اور حضرت ابن عباس کا استدلال اس آیت سے ہے۔

وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ (الايته)

آپ جب اپنے رب کا نام لینا بھول جائیں (تو جب یاد آئے) کر لیجئے۔

منصور نے کہا کیا حضرت عباسؓ نے یہی فرمایا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا جی ہاں! پھر کیا تھا منصور غضبناک ہوا اور ابن اسحاق یہی چاہتے تھے۔ خلیفہ نے کہا آپ حضرت عباس کی

(۱) موفق ص ۱۷۸، ج ۱۔

Marfat.com

مخالفت کرتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا نہیں! میرے پاس اس قول کی ایک بہترین تاویل ہے اور اس کے مقابلہ میں ایک حدیث ہے اور وہ یہ ہے کہ

من حلف علي يمين ويستثني فلا حنث عليه

جس نے قسم کھائی اور استثنا کرلیا وہ حانث نہیں۔

اور یہ جتنے حضرات ہیں آپ کی خلافت ہی کو نہیں مانتے ان حضرات کا کہنا ہے کہ ہمارے اوپر خلیفہ کی بیعت کی ذمہ داری نہیں اس لئے کہ ہم اپنے گھر جاکر ان شاء اللہ کہہ لیتے ہیں غرض کہ یہ لوگ جب چاہیں استثنا کرلیں ان کے اوپر بیعت کی ذمہ داری نہیں رہتی۔ خلیفہ نے یہ سنا اور حکم دیا ابن اسحاق کی گردن میں چادر ڈال کر باہر کردو! جب امام صاحب باہر تشریف لائے تو اسحاق نے کہا آج تو آپ نے قتل ہی کروا ڈالا تھا۔ امام صاحب نے فرمایا اور آپ ہی نے کون سی رعایت برتی تھی۔ (۱)

امام باقر سے ملاقات

ایک دفعہ امام صاحب مدینہ منورہ تشریف لے گئے وہاں امام باقر سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا آپ وہی ابوحنیفہ ہیں جنھوں نے میرے نانا کے دین کو بدل دیا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا یہ آپ کو غلط خبر پہنچی ...... مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ تشریف رکھیں تب میں اپنی صفائی پیش کروں۔ امام باقر بیٹھ گئے اور امام صاحب ان کے سامنے دوزانوں ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ بتلایئے! عورت کمزور ہے یا مرد انھوں نے کہا عورت! اچھا بتلایئے عورت کا حصہ کتنا ہے اور مرد کا کتنا؟ امام باقر نے کہا مرد کے دو اور عورت کا ایک۔ تب امام صاحب نے فرمایا اگر میں قیاس سے کام لیتا تو عورت (ضعیف) کے دو حصہ مقرر کرتا۔ پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ۔ جواب دیا نماز! امام صاحب نے فرمایا اگر میں قیاس سے کام لیتا تو عورت سے ایام حیض کی نمازوں کی قضا ادا کرواتا اور روزے کی نہ کراتا کیونکہ نماز افضل ہے۔ پھر پوچھا نطفہ زیادہ نجس ہے یا پیشاب؟ فرمایا پیشاب! امام صاحب نے فرمایا اگر میں قیاس سے کام لیتا تو پیشاب سے غسل کو واجب قرار دیتا اور نطفہ سے وضو کو فرض قرار دیتا مگر میں ایسا نہیں کرتا ہوں۔ تب امام باقر نے امام صاحب کی تحسین فرمائی اور پیشانی کو بوسہ دیا (۲)

(۱) موفق ص ۱۴۵، ج ۱۔ (۲) موفق ص ۱۴۵، ج ۱۔

Marfat.com

چند مسائل

ان مناظروں کے علاوہ امام صاحب کے چند حیرت انگیز فتاوٰی اور تعجب خیز مسائل اور مسکت جوابات کو سطور ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے جن سے امام صاحب کی حاضر جوابی اور ذہانت وذکاوت اور فقہ دانی کا کچھ حال معلوم ہو جائے گا۔

سانپ اور دیت

ایک دن ایک مجلس میں امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، قاضی ابن ابی لیلٰی موجود تھے۔ ایک آدمی نے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک سانپ اپنے سوراخ سے نکلا اور اہل مجلس میں سے ایک کے اوپر چڑھنے لگا اس نے اضطراب میں دوسرے پر جھٹک دیا اور اسی طرح دوسرے نے تیسرے پر جھٹک دیا بالآخر سانپ نے آخری آدمی کو کاٹ لیا اور وہ مر گیا۔ اب دیت کس پر آئیگی اس کے جواب میں کسی نے کہا پہلے پر آئے گی۔ کسی نے کہا سب پر آئے گی۔ کسی نے کہا آخری پر آئے گی۔ امام صاحب یہ سب کچھ سنتے رہے اور مسکراتے رہے۔ آخر میں امام صاحب نے فرمایا۔ جب پہلے آدمی نے دوسرے پر جھٹکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا آدمی تو بری الذمہ ہو گیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سب بری الذمہ ہو گئے ہاں صرف آخری آدمی سے پہلے آدمی کے بارے میں کلام ہے۔ اگر اس کے پھینکتے ہی سانپ نے کاٹ لیا تو اسی پر دیت آئے گی۔ اور اگر کچھ وقفہ کے بعد کاٹا تو یہ آدمی بھی بری الذمہ ہو گیا اور جو آدمی مرا صرف اسی کی غفلت پائی گئی کیونکہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیزی سے کام نہیں لیا۔ خود اسی کا قصور ثابت ہوا۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام صاحب کی تعریف کی۔ [1]

---

(۱) سیرت النعمان ص ۵۳۔

طلاق کی قسم

ایک آدمی امام صاحب کے پاس آیا اور عرض کیا میں جنبی ہوں اور میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی پر تین طلاق۔ اب کیا کروں؟ امام صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک نہر کے پل پر لائے اور اسے نیچے دھکا دے دیا اور پھر اس کو باہر نکلوالیا اور فرمایا جا، اب تو پاک ہوگیا ہے اور تیری بیوی پر بھی تین طلاق نہیں پڑیں۔ (۲)

غسل کے سلسلہ میں امام صاحب کا مسلک یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالنا۔ کلی کرنا۔ اور پورے جسم پر پانی بہانا فرض ہے جسم کو ملنا فرض نہیں ہے۔

۲۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی نے قسم کھائی کہ اگر میں آج کسی بھی وقت کی نماز ترک کردوں تو میری بیوی پر تین طلاق۔ پھر قسم کھائی کہ اگر میں آج اپنی بیوی سے وطی نہ کروں تو میری بیوی پر تین طلاق۔ پھر قسم کھائی کہ اگر میں آج غسل جنابت کروں تو اس پر تین طلاق۔ امام صاحب نے فرمایا اس شخص کو عصر کی نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور عصر اور مغرب کے درمیان اپنی بیوی سے وطی کر لینا چاہیے اور سورج چھپ جانے کے بعد غسل کر کے مغرب کی نماز ادا کر لینی چاہیے۔ (۲)

شریعت کی اصطلاح میں رات دن کے تابع ہے۔ سورج غروب ہونے کے بعد اگلا دن شمار ہونے لگتا ہے جیسا کہ رمضان یا عید کی چاند رات ہوتے ہی رمضان اور عید کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

امام اعمش شکل وصورت کے اعتبار سے تو اچھے نہ تھے مگر ان کی بیوی نہایت حسین و جمیل تھی اسی وجہ سے دونوں میں جھگڑا رہتا تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے بعد دونوں میں جھگڑا شروع ہوا اور شدت اختیار کر گیا۔ ادھر عورت نے بھی شدت اختیار کر لی۔ اور بولنا بند کر دیا۔ امام اعمش نے قسم کھائی کہ اگر آج کی رات تو مجھ سے نہ بولی تو تجھ پر طلاق بائنہ۔ امام اعمش نے کہنے کو تو کہہ دیا لیکن اس کے بعد نہایت پریشان ہوئے کیونکہ چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ ادھر عورت درپہ آزار تھی۔ سوائے اس کے کوئی تدبیر نظر نہ آئی کہ امام صاحب سے جا کر کوئی صورت

---

(۱) موفق ص ۱۵۶، ج ۱ (۲) ایضاً ص ۱۶۶، ج ۱۔

Marfat.com

دریافت کریں۔ لہٰذا امام صاحب کے گھر گئے اور صورت حال سامنے رکھی۔ امام صاحب نے فرمایا کوئی فکر کی بات نہیں ہے آج صبح کی اذان صبح صادق سے پہلے پڑھوادوں گا۔ چنانچہ امام صاحب اس محلہ کے مؤذن کے پاس پہنچے اور فرمایا آج صبح کی اذان صبح صادق سے پہلے دے دینا۔ وہ تیار ہو گیا اور صبح صادق سے پہلے اذان دے دی تو عورت کو خوشی ہوئی اور بولی۔

خدا کا شکر ہے کہ آج تجھ بوڑھے بد اخلاق سے میرا دامن پاک ہو گیا۔

امام اعمش نے فرمایا شکر ہے خدا کا ابھی صبح ہی نہیں ہوئی (۱)

دو بھائیوں کا عقد

کوفہ میں ایک رئیس تھا اس کے دو لڑکے تھے۔ ان دونوں کی شادی ایک دوسرے رئیس کی دو لڑکیوں سے ہوئی تھی۔ جب بارات رخصت ہو کر آئی تو غلطی سے عورتوں نے دلہنوں کو زفاف گاہ میں داخل کرنے میں تبدیلی کر دی۔ اسی غلط فہمی میں ہر دولہا نے اپنی اسی دولہن سے وطی کر لی جو اس کی خواب گاہ میں تھی۔ صبح ہوئی۔ ادھر ولیمہ کا انتظام کافی تھا شہر کے شرفاء اور علماء موجود تھے کہ یکا یک زنان خانے میں شور بلند ہوا۔ اہل خانہ باہر آئے تو نہایت پریشان۔ اب جتنے منہ اتنی باتیں۔ بالآخر امام صاحب سے دریافت کیا گیا تو آپ نے دونوں شوہروں کو بلایا۔ اور دریافت کیا رات تم نے جس دولہن سے شب باشی کی ہے وہ تمہیں پسند ہے اس نے کہا ہاں۔ تب امام صاحب نے فرمایا اچھا تم اپنی اصل منکوحہ کو طلاق دیدو اور اس کا آدھا مہر ادا کر دو۔ اس کے بعد دونوں شوہروں کا عقد اسی عورت سے پڑھ دیا گیا جس کے ساتھ اس نے شب باشی کی تھی۔ اس صورت میں عدت بھی کسی عورت پر نہیں آئی اس لئے کہ طلاق قبل دخول تھی۔ امام صاحب کی اس تدبیر کی سب نے تحسین کی۔ (۲)

انگوٹھی کا مسئلہ

ایک دفعہ ابن ہبیرہ نے امام صاحب سے پوچھا کہ یہ میرے پاس انگوٹھی ہے جو مجھے بہت محبوب ہے لیکن اس پر نام ''عطاء بن عبداللہ'' کندہ ہے جو مجھے پسند نہیں ہے بتایئے! کیا

---

(۱) موفق ص ۱۳۲، ج ۱۔ (۲) موفق ص ۱۲۸، ج ۱

Marfat.com

کروں؟امام صاحب نے فرمایا لفظ ''بن'' کی با کو گول کردو عبد کے اوپر نقطہ لگا دو۔'' عطاء من عند اللہ'' ہو جائے گا۔ ابن ہبیرہ نے اس کو بہت پسند کیا۔

تکفیر میں احتیاط

امام صاحب کا مسلک ہے کہ اگر کسی شخص میں ۹۹ وجہ سے کفر ثابت ہوا اور صرف ایک وجہ سے ایمان تو اسی ایک وجہ کو ترجیح دی جائے گی۔ لہٰذا وہ حتی الامکان مومن کے فعل کی تاویل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ امام صاحب کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ ایک شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے لیکن اس کو جنت کی خواہش نہیں، دوزخ کا خوف نہیں، میتہ (مردار) کھاتا ہے بلا رکوع وسجدہ کے نماز پڑھتا ہے۔ بن دیکھے شہادت دیتا ہے۔ حق سے بغض اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہے، رحمت سے بھاگتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے قول کی تصدیق کرتا ہے ایسے شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

امام صاحب نے فرمایا وہ مومن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خواہش میں اس کو جنت کی خواہش نہیں (۲) وہ نار سے نہیں بلکہ رب النار سے ڈرتا ہے (۳) اور وہ مچھلیاں جو کہ میتہ ہیں کھاتا ہے (۴) نماز جنازہ پڑھتا ہے اور اس میں رکوع وسجدہ نہیں (۵) کلمہ شہادت پڑھتا ہے حالانکہ نہ اس نے خدا کو دیکھا ہے اور نہ رسول کو (۶) موت کہ امر حق ہے اس سے بغض رکھتا ہے تاکہ خوب عبادت کرے (۷) مال اور اولاد جن کو قرآن نے فتنہ کہا ہے محبوب رکھتا ہے (۸) اور یہود و نصاریٰ کے اس قول لیست النصاریٰ علی شئی اور لیست الیہود علی شئی جو کہ قرآنی آیت ہے تصدیق کرتا ہے۔ یہ جواب سن کر تمام اہل مجلس آپ کا منہ حیرت سے تکنے لگے۔ (۱)

حضرت عائشہ کا سفر

ایک شخص نے سوال کیا حضرت عائشہؓ کے سفر کے بارے میں آپ کی کیا رائے

---

(۱) موفق ص ۱۰۲، ج ۱۔

Marfat.com

ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کیا حرج ہے وہ تو ام المومنین ہیں۔ تمام مومن ان کے محرم ہیں اس لئے ان کو مزید محرم کی کیا ضرورت تھی؟(۱)

ایک قیاس

ایک آدمی نے سوال کیا ایک پیالہ ہے اس میں ایک طرف چاندی کا پتر لگا ہے کیا اس سے پانی پینا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا اگر آدمی ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہنے ہوا اور وہ چلّو سے پانی پینا چاہے تو جائز ہے یا نہیں؟ اس نے کہا جائز ہے۔ امام صاحب نے فرمایا یہ بھی جائز ہے۔(۲)

(۱) ایضاً ص۱۳۹، ج۱۔ (۲) ایضاً۔

Marfat.com

گرفتاری اور وفات

عام طور سے تاریخ کی کتابوں سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ آپ کو عہدۂ قضاء سے انکار کی وجہ سے گرفتار کیا گیا۔ دوم یہ کہ آپ نے نفس ذکیہ کے خروج میں حکومت کے مخالف گروپ کے موافقت کی تھی۔

عہدۂ قضاء سے انکار

گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ امام صاحب نے ابن ہبیرہ کے زمانے میں بھی قضاء کے عہدے سے انکار کر دیا تھا اور خلیفہ ابو جعفر منصور کو بھی صفائی کے ساتھ جواب دے دیا تھا کہ میں ہرگز یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا۔ میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں اور اس پر قسم بھی کھالی تھی۔ اس پر امام صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ علامہ ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں۔

> داود بن راشد کہتے ہیں کہ جس وقت امام صاحب کو سزا دی جارہی تھی تو میں موجود تھا۔ آپ کو روزانہ قید سے نکالا جاتا تھا اور دس کوڑے مارے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کو ۱۱۰ کوڑے مارے گئے اور آپ سے قضاء کے قبول کرنے کو کہا جاتا تھا اور آپ یہی فرما دیتے تھے کہ میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں۔ چنانچہ جب مسلسل یہی سزا دی گئی تو آپ نے خدا سے دعا کی، الٰہی! مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھ۔ چنانچہ آپ کو زہر دیا گیا اور آپ کا اسی میں انتقال ہوا۔ (۱)

(۱) ابوزہرہ ص ۵۰۔

Marfat.com

لیکن اب یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ کیا عوامل تھے کہ جن کی بنا پر آپ نے اتنی بڑی سختی برداشت کی اور عہدۂ قضاء کو قبول نہ کیا؟ یہ تو ظاہر ہے کہ آپ نے تقویٰ ایسا اختیار کیا تھا تاریخی روشنی میں بھی یہ وجہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

قضاء سے انکار کا سبب

حضرت عمرؓ کے زمانے میں عدلیہ کے شعبہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا لیکن باوجود اس کے عدلیہ بالکل آزاد تھی کوئی دباؤ اس پر نہیں ڈالا جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ حموی نے حاشیہ الاشباہ میں تحریر فرمایا ہے:۔

> جب حضرت عمرؓ کے ملکی مشاغل بہت زیادہ بڑھ گئے تو انھوں نے عدلیہ کو حضرت ابو درداؓ کے سپرد کر دیا۔ انہیں ایام میں ان کے پاس دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے۔ حضرت ابو درداؓ نے ایک کے حق میں فیصلہ کر دیا تو دوسرا شخص حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور اپنی شکایت پیش کی تو آپ نے فرمایا:۔

لو کنت انا مکانہ لقضیت لک

اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو تیرے حق میں فیصلہ کرتا

اس شخص نے کہا آپ تو خلیفہ ہیں کیوں نہیں فیصلہ کرتے آپ نے فرمایا یہاں میرے پاس کوئی نص نہیں ہے اور رائے مشترک چیز ہے۔ یعنی اس میں ہم دونوں برابر ہیں۔ لیس ھنالک نص والرائے مشترک[1]

اس سے ظاہر ہے کہ عدلیہ کے معاملات میں خلیفۂ وقت بھی دخل اندازی نہیں کرتا تھا لیکن اس کے برخلاف خلافت بنی امیہ میں اگر درباریوں کے خلاف کوئی فیصلہ کر دیا جاتا تو قاضی کو بے عزتی کے ساتھ معزول کر دیا جاتا تھا۔ خلافت عباسیہ میں ہارون رشید کے خلیفہ ہونے کے پہلے تک ایسا ہی رہا۔ چنانچہ خلیفہ منصور کے زمانے میں قاضی شریک کا بہت برا حشر ہوا۔ منصور کے بیٹے مہدی کے زمانے میں مہدی کے ایک فوجی کے خلاف قاضی عبید اللہ بن

(۱) حاشیہ علامہ حموی۔

Marfat.com

حسن کی عدالت میں ایک تاجر نے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ ادھر پیشی ہوئی ادھر مہدی کا پیغام پہنچا۔ دیکھو جس زمین کے متعلق فلاں افسر اور فلاں تاجر کے درمیان جھگڑا ہے اس میں فیصلہ افسر کے حق میں دو، لیکن قاضی عبیداللہ نے فوجی افسر کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ اس پر مہدی نے ان کو معزول کر دیا۔ (۱)

بعض دفعہ تو قاضی کی اہلیت کا بھی سوال نہیں تھا خواہ وہ مستحق قضا ہو یا نہ ہو لیکن حکومت کا وفادار ہو اسی کو قاضی کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اموی دور خلافت میں قاضی عابس کے بارے میں مروی ہے کہ وہ پورا قرآن بھی نہیں پڑھا تھا، لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا۔ فرائض سے بھی واقف نہیں تھا لیکن پورے مصر کا قاضی تھا کیونکہ اس نے یزید کی بیعت کے سلسلہ میں بڑی خدمات انجام دیں تھی۔

یہ حالات تھے جن کے پیش نظر امام صاحب نے عہدۂ قضاء سے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ اپنے فیصلوں کو حکومت سے متاثر نہیں کرنا چاہتا تھے۔

بغاوت کا الزام

امام صاحب کی گرفتاری کا دوسرا سبب حکومت سے بغاوت بتلایا جاتا ہے جس کو ہم سطور ذیل میں علامہ شبلی کے قلم سے نقل کر رہے ہیں:۔

۱۳۲ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنی امیہ کا خاتمہ ہو گیا اور آل عباس تخت و تاج کے مالک ہوئے۔ اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابوالعباس سفاح تھا۔ اس نے چار برس حکومت کی۔ ۱۳۶ھ کے بعد اس کا بھائی منصور تخت نشین ہوا۔ عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ خلفائے بنی امیہ کی قبریں اکھڑوا کر ان کی ہڈیاں تک جلا دیں تھیں۔ تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا۔ جا بجا بغاوتیں اٹھیں ان فتنوں کے فرو کرنے میں سفاح اور منصور اعتدال کے حد سے بہت دور نکل گئے اور زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ تمام ملک کی آنکھیں ان نئے جانشینوں پر لگی تھیں لیکن ان خونریزوں نے سب کے دل افسردہ کر دیئے۔ چنانچہ ایک موقع پر

(۱) تاریخ خطیب ص ۳۰۹، ج ۱۔

Marfat.com

منصور نے عبدالرحمٰن جو اس کا بچپن کا یار تھا، پوچھا ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت سے کیا نسبت ہے اس نے کہا میرے نزدیک تو کچھ بھی نہیں۔ منصور نے کہا کیا کروں کام کے آدمی نہیں ملتے، عبدالرحمٰن نے کہا بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے کثرت بھی اسی کی ہوتی ہے۔

منصور نے یہ ستم بھی کیا کہ سادات کی بھی خانہ بربادی شروع کر دی۔ اس میں شبہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکا رہی تھی۔ اور ایک لحاظ سے ان کا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک ان کی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی۔ صرف بدگمانی پر منصور نے سادات علویین کی بیخ کنی شروع کی جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان کے ساتھ بے رحمیاں کیں۔ محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے ان کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بے رحمیوں کی بڑی داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے۔ آخر تنگ آ کر ۱۴۵ھ انھیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتیٰ کہ امام مالک نے فتویٰ دے دیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی ہے خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔ نفس ذکیہ اگرچہ نہایت دلیر، قوی بازو، فن جنگ سے واقف تھے۔ لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے میدان جنگ میں مارے گئے ان کے بعد ان کے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اس سروسامان سے مقابلہ کو اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے۔ کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے سرہانے سے تکیہ اٹھا لیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا۔

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے ان کے دعویٔ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خاص کوفہ میں کم وبیش لاکھ آدمی ان کے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے۔ مذہبی گروہ خاص کر علما و فقہا نے عموماً ان کا ساتھ دیا۔ امام صاحب نے بھی ان کی تائید کی خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے جس کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامہ دانشوراں میں امام صاحب کا ایک

Marfat.com

خط نقل کیا گیا ہے جو انھوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اما بعد فانی قد جھزت الیک اربعۃ الاف درھم ولم یکن عندی غیرھا ولولا امانات عندی للحقت بک فاذالقیت القوم و ظفرت بھم نافعل کما فعل ابوک فی اھل صفین اقتل مدذھم واجھزجریحھم والاتفعل کما فعل ابوک فی اھل الجمل فان القوم لھم فئۃ (1)

میں آپ کے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں اس وقت اسی قدر موجود تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ ہوتیں تو میں ضرور آپ سے آملتا۔ جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو حضرت علی نے اہل صفین کے ساتھ کیا تھا زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کئے جائیں ایسا نہ کریں جیسا حضرت علیؓ نے جنگ جمل میں کیا تھا کیوں کہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے۔

اس خط اور علامہ شبلی کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب ابراہیم کے طرفدار تھے۔

گرفتاری

۱۴۶ھ میں ابراہیم شہید ہو گئے۔ ان کے قتل کے بعد منصور ان لوگوں کے طرف متوجہ ہوا جنھوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا حضرت امام ابوحنیفہ بھی چونکہ کوفہ کے باشندے تھے اور کوفہ کے آدمیوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا اس لئے منصور نے بغداد پہنچ کر امام ابوحنیفہ کو طلب کیا اور ان کے قتل کرنے یا قید کرنے کا یہ بہانہ تلاش کیا کہ آپ کے سامنے عہدۂ قضا پیش کیا آپ نے انکار کر دیا۔

منصور نے امام صاحب کو گرفتار کر لیا اور جیل خانہ میں بھی ڈال دیا لیکن چونکہ امام صاحب کوئی معمولی شخصیت کے تو نہ تھے اس لئے شہرت ہوگئی اور لوگ اسی حالت میں استفادہ

---

(1) سیرت النعمان ۳۴،۳۵ ملخصاً۔

کرنے کے لئے آنا شروع ہو گئے اور جیل خانہ ہی حلقہ درس بن گیا۔ اس حالت میں امام محمد نے بھی امام صاحب سے استفادہ کیا۔ غرضیکہ تقریباً ۴ سال امام صاحب کو نظر بند رہنا پڑا یعنی ۱۴۶ھ لغایت ۱۵۰ھ۔

وفات

امام صاحب کی وفات جس دن ہوئی وہ دن جمعہ کا مہینہ شوال کا اور ۱۵۰ھ تھا۔ خلیفہ کو آپ کی طرف سے اندیشہ تھا کیونکہ آپ کی مقبولیت قید کی حالت میں اور بھی زیادہ ہوگئی تھی اس لئے دھوکہ میں آپ کو زہر دے دیا گیا۔ جس وقت آپ کو علم ہوا تو سجدہ شکر ادا کیا اور جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔(۱) انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

علامہ ابوزہرہ مصری نے تحریر فرمایا ہے کہ جس وقت امام صاحب کی خدمت میں زہر کا پیالہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا

لا اشرب لانی اعلم مافیه ولا اعین علی قتل نفسی فطرحه وصب فی فیه (۲)

میں نہیں پیوں گا کیوں کہ میں جانتا ہوں، اس میں جو کچھ ہے اور میں اپنی ہلاکت پر اعانت نہیں کروں گا لہٰذا آپ کو گرایا گیا اور زہر کا پیالہ آپ کے منہ میں انڈھیل دیا گیا۔

یہ روایت اپنے سیاق وسباق اور معنی کے اعتبار سے بالکل غلط ہے اسی طرح کوڑے والی روایت بھی بالکل غلط ہے کیونکہ ان دونوں روایتوں سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ امام صاحب کی کوئی پوزیشن ہی نہ تھی حالانکہ امام صاحب کے گرد تلامذہ اور عقیدت مندوں کا وہی ہجوم رہتا تھا جو جیل سے باہر تھا آپ صرف نظر بند تھے۔ اور اس روایت سے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آپ تنہا تھے اور آپ کے ساتھ دست درازی کی گئی۔ حالانکہ یہ بالکل خلاف واقع ہے کیونکہ عقیدت مندوں کا اس قدر ہجوم ہوا اور آپ کے ساتھ زبردستی کی جائے ناممکنات میں سے ہے۔ اسی طرح کوڑوں والی روایت بھی ابن ہبیرہ کے متعلق ہے نہ کہ خلیفہ منصور کے متعلق۔

---

(۱) سیرت النعمان ص ۳۷۔ (۲) ابوزہرہ۔

صلوٰۃ جنازہ اور تدفین

امام صاحب کے انتقال کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا شہر امنڈ آیا۔ حسن بن عمارہ (جو آپ کے استاذ بھی ہوتے تھے) قاضی شہر نے آپ کو غسل دیا۔ غسل کے وقت حسن بن عمارہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ نے تیس سال سے افطار نہیں کیا اور نہ چالیس سال سے رات کو آرام کیا آپ ہم سے سب سے زیادہ فقیہ سب سے زیادہ عابد، سب سے زیادہ پرہیز گار تھے۔ (۱)

غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی بہت زیادہ کثرت ہوگئی۔ پہلی نماز (جو حسن بن عمارہ نے پڑھائی تھی) میں پچاس ہزار آدمی شریک تھے۔ آپ کے جنازہ کی نماز چھ مرتبہ ہوئی۔ اور دفن کے بعد ۲۰ دن تک آپ کی قبر پر لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ خلیفہ منصور نے بھی آپ کی صلوٰۃ جنازہ قبر پر ہی جا کر پڑھی۔

امام صاحب کی وصیت کے مطابق آپ کی قبر شریف خیزراں کے مقبرے میں بنائی گئی آپ کے خیال میں وہی جگہ ایسی تھی جو مغصوبہ نہیں تھی۔ (۲)

امام صاحب کے انتقال کے بعد تین دن تک مسلسل جنات کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔

امام صاحب کا مقبرہ

۴۵۹ھ میں آپ کی قبر پر شرف الملک ابو سعد نے قبہ تعمیر کرایا اور اسی کے قریب ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا اسوقت ابو جعفر مسعود بن ابی الحسن عباسی بھی موجود تھا جس نے یہ اشعار پڑھے۔

(۱) دیکھتے نہیں ہو علم مر چکا تھا لیکن اس کو اس قبر میں پوشیدہ ہستی نے زندہ کیا ہے۔

(۲) اسی طرح یہ زمین بھی مر چکی تھی اس کو ابو سعد نے زندہ کیا۔ (۳)

جب اسماعیل بادشاہ بغداد پر قابض ہوا تو رافضیوں نے اس قبہ اور مدرسہ کو بالکل

---

(۱) الخیرات الحسان ص ۶۲۔ (۲) سیرت النعمان

(۳) مناقب از کردری ص ۳۳، ج ۲۔

Marfat.com

مسمار کر دیا تھا اور اس جگہ کوڑا کرکٹ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ یہی معاملہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے مقبرے کے ساتھ کیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اشرار سے بغداد کو بہت جلد پاک وصاف کر دیا۔

۹۷۴ھ میں سلطان سلیمان بن سلیم نے ازسرنو دونوں مزاروں پر قبے تعمیر کرائے جو کہ اب تک باقی ہیں۔ امام صاحب کی قبر شریف دیکھ کر کسی عربی شاعر نے چند اشعار کہے ہیں جن کا ترجمہ پیش ہے:۔

۱۔ امام صاحب کی قبر جنت الخلد کا ایک باغیچہ ہے۔

۲۔ اس جگہ بہت زیادہ شرافتیں ابلتی ہیں

۳۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے جب تک ستارے منور ہیں (۱)

---

(۱) کردری ص ۳۳، ج ۲۔

Marfat.com

خدا رحمت کند

ایں عاشقان

پاک طینت را

Marfat.com

باب سوم

بشارات اور خراج عقیدت

۱۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اگر دین ثریا ستارے کے قریب بھی ہوگا تو اس کو وہاں سے فارسیوں کا ایک آدمی حاصل کرلے گا۔

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے بعض میں دین، بعض میں ایمان بعض میں علم کا لفظ ہے اور اس کو بخاری، مسلم، شیرازی، طبرانی نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ قدرِ مشترک حدیث کی صحت سے کسی کو انکار نہیں۔ بخاری و مسلم کی تخریج کے بعد تو تنقید کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ کی فضیلت اور بشارت میں اصل صحیح ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف کے تلمیذ جناب حافظ محمد یوسف دمشقی نے مواہب کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

> وما جزم به شیخنا من ان ابا حنیفة هو المراد من هذاالحدیث
>
> ہمارے شیخ نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ اس حدیث میں امام ابوحنیفہ مراد ہیں۔

علامہ ابن العابدین الشامی نے ردالمحتار میں یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے اس میں شک نہیں ہے کہ ابنائے فارس میں امام ابوحنیفہ کے مبلغ علم کو کوئی نہیں پہنچا۔ لہٰذا یہ حدیث قطعاً امام صاحب پر محمول (۱) ہے۔ اسی قسم کے الفاظ ملا علی قاری نے مرقاۃ المصابیح کے مقدمہ

(۱) درالمختار ص ۳۹، ج ۱۔

Marfat.com

میں ذکر فرمائے ہیں۔ مولانا خرم علی صاحب نے نیل الاوطار میں بھی اسی قسم کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ ممکن ہے بعض کو یہ خیال ہو کہ اس سے تو امام ابوحنیفہ کی حضرت سلمان فارسی پر فوقیت اور فضیلت ثابت ہو گئی۔ لیکن گزارش یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی کو فضیلت صحبت حاصل ہے۔ علم واجتہاد میں امام صاحب ہی فوقیت رکھتے ہیں۔ (۱) لہٰذا جزوی فضیلت حاصل ہونا کوئی امر غیر مشروع نہیں ہے کہ جس کی بنا پر اعتراض قائم کیا جائے۔

۲۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہ نے خواب دیکھا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کے مرقد شریف کو کھود ڈالا ہے اور میں آپ کے عظام مبارکہ کو جمع کر رہا ہوں۔ یہ خواب آپ نے ابن سیرین سے ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا یہ خواب ابو حنیفہ نے دیکھا ہوگا؟ امام صاحب نے فرمایا میں ابوحنیفہ ہی ہوں تب ابن سیرین نے کہا اچھا اپنی پشت اور پہلوئے چپ دکھلاؤ امام صاحب نے اپنا پہلو اور کمر کھولدی۔ امام ابن سیرین نے آپ کے بازو اور پشت پر ایک تل دیکھ کر فرمایا آپ ابوحنیفہ ہی ہیں اور اس کے بعد خواب کی تعبیر فرمائی کہ اس سے مراد علم کا زندہ کرنا اور جمع کرنا ہے۔ (۲)

۳۔ ایک دفعہ امام صاحب امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا۔

انت یحیی سنت جدی (۳)

آپ میری جد محترم کی سنت زندہ کریں گے۔

امام باقر نے اگرچہ یہ اپنی فراست سے فرمایا تھا لیکن یہ بات حرفاً حرفاً صحیح ثابت ہوئی۔

امام صاحب کے مناقب میں اسی قسم کی روایات بکثرت موجود ہیں جن کو ہم نے طوالت کے وجہ سے ترک کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی افسوس ہے کہ امام صاحب کے مادحین اور عقیدت مندوں نے نہایت مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور باطل وموضوع روایات تک سے گریز نہیں کیا۔ غالباً اسی میں انھوں نے امام صاحب کی فضیلت کو منحصر سمجھا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ امام صاحب کو فوقیت اور فضیلت ان کے علمی اور عملی کمالات کی وجہ سے حاصل ہے۔ اگر اس قسم کے سب ہی اقوال آپ کی سیرت اور سوانح سے جدا کر لئے جائیں تب بھی آپ کے مقام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

---

(۱) ایضاً۔ (۲) حدائق۔ ص۴۷۔ (۳) کردری ص۳۱، ج۱۔

Marfat.com

بعد وفات ابی حنیفہ

امام صاحب کے انتقال کے بعد جو رویائے صالحہ مختلف حضرات نے دیکھیں ان کو اس جگہ ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ قاضی ابو رجا کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام محمد کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا مغفرت فرما دی امام ابو یوسف کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا ان کو بھی بخش دیا اور وہ مجھ سے ایک درجہ اوپر ہیں۔ امام صاحب کے بارے میں دریافت کیا وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔ (۱)

۲۔ حفص بن غیاث کہتے ہیں میں نے ایک مرتبہ امام صاحب کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کیساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا بخشدیا۔ (۲)

۳۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں ایک دفعہ میں نے امام صاحب کو خواب میں دیکھا کہ آپ جنت میں حضرات صحابہؓ کے بیچ میں ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا کاغذ اور دوات لاؤ میں اپنے جنتی اصحاب کے نام لکھ لوں۔ میں نے عرض کیا میرا نام بھی لکھ لیجئے تو امام صاحب نے میرا نام بھی لکھ لیا۔ (۳)

۴۔ ابو معاذ فضل بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا امام ابو حنیفہ کے علم کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمایا وہ ایسا علم ہے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت رہے گی۔ (۴)

۵۔ مقاتل بن سلیمان (مشہور مفسر) فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی سفید لباس پہنے آسمان سے اترا اور بغداد کے منارے پر کھڑا ہوا دو مرتبہ باآواز بلند کہا ''فقد الناس'' یعنی لوگ تباہ ہو گئے۔ اسی صبح کو امام صاحب کا انتقال ہو گیا۔ (۵)

۶۔ ابن بساط کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور امام صاحب جھنڈا لئے کھڑے ہیں۔ میں نے دریافت کیا حضرت کس کا انتظار ہے؟ فرمایا اپنے اصحاب کا انتظار کر رہا ہوں۔ (۶)

---

(۱) کردری ص ۱۱۲، ج ۱۔ (۲) ایضاً ص ۱۱۳۔ (۳) ایضاً۔
(۴) ایضاً ص ۱۱۴۔ (۵) ایضاً۔ (۶) ایضاً۔

Marfat.com

۷۔ امام شافعی فرماتے ہیں میں نے جب کبھی بھی امام صاحب کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا۔ (۱)

۸۔ علامہ ابن حجر مکی نے فرمایا ہے امام صاحب نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں ابو حنیفہ کے علم کے پاس ہوں۔

۹۔ علامہ موصوف نے خیرات الحسان میں فرمایا ہے کہ امام صاحب نے بااجازت رسول اللہ صلعم آب کوثر پیا اور اپنے اصحاب کو بھی پلایا۔

۱۰۔ صاحب تذکرہ الاولیاء نے اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں بھی لکھا ہے۔

شیخ بوعلی کہتے ہیں کہ میں شام میں حضرت بلالؓ کی قبر شریف کے پاس سو رہا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا اور دیکھا کہ حضور صلعم باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے اور ایک بوڑھے کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے ہیں میں حضورؐ کے پاس گیا اور ان کے پیروں کو بوسہ دیا اور دریافت کیا کہ یہ بوڑھے کون ہیں؟ تو حضور صلعم نے فرمایا یہ مسلمانوں کے امام اور تیرے ہم وطن ابو حنیفہ ہیں۔ (۲)

بحث ونظر

ان چند رؤیائے صالحہ اور مکشوفات کو ہم نے اختصار کی وجہ سے ذکر کیا ہے ورنہ یہاں بھی میدان بہت وسیع ہے۔ اس جگہ ممکن ہے کوئی ہمیں عقیدت مندی کے جرم میں گرفتار کر لے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر کچھ شرعی روشنی میں گفتگو کی جائے تاکہ بات محض عقیدت ہی نہ رہے بلکہ عقیدت شریعت کے لباس میں آجائے۔ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لا یتمثل بی (۳)

جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا اس لئے کہ شیطان

---

(۱) کردری ص۱۱۴، ج۱۔ (۲) تذکرۃ الاولیاء۔

(۳) بخاری و مسلم باب رؤیائے صالحہ۔

Marfat.com

میری صورت میں نہیں آسکتا۔

یعنی جس کسی شخص نے آنخضرت صلعم کو خواب میں دیکھا خواہ کسی بھی صورت اور حلیہ میں دیکھا بس اس نے حضور صلعم ہی کو دیکھا ہے کیونکہ دیکھنے والے کے فرق سے شے مرئی میں فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ کوئی مختلف ''الالوان عینکوں'' کو استعمال کرے تو اس کے اعتبار سے شی کی رنگت بدلی ہوئی نظر آئے گی حالانکہ فی نفسہ وہ شے اپنی حالت اصلیہ پر ہوتی ہے ایسے ہی دور بینی آئینوں میں اشیاء کی جسامت میں فرق محسوس ہوتا ہے حالانکہ وہ اشیاء اپنی اسی جسامت پر ہوتی ہیں جو ان کی جسامت اصلیہ ہے۔ اس تمہید کے بعد عرض کرتا ہوں۔ مذکوہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ خواب میں جس صورت میں بھی حضور صلعم کو دیکھا اس نے حقیقۃً آپ ہی کو دیکھا ہے۔ علامہ مازری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۱)

علامہ طیبی نے کاشف عن حقائق السنن میں ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح شیطان کو عالم بیداری میں آپ کے تشکل کی طاقت نہیں دی تا کہ حق و باطل میں فرق رہے اور احکام رحمانی میں وسوسہ شیطانی کا شبہ واقع نہ ہو سکے اس طرح خواب میں بھی لوگوں کو شیطان کے کید سے محفوظ رکھا کہ ابلیس لعین خواب میں بھی آپ کی صورت میں نہیں آسکتا۔ (۲)

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

والصحیح انها حقیقة سواء كان علی صفتهٖ المعروفه او غیرها

صحیح یہی ہے کہ دیکھنے والے نے آپ ہی کو دیکھا ہے خواہ صفت معروفہ پر دیکھا ہو یا غیر معروفہ پر۔

علامہ ابن رجب تلمیذ رشید ابن القیم جوزی نے حافظ ابن مندہ کے تذکرے میں لکھا ہے۔

فما قاله رسول الله صلعم فی نومهٖ ویقظتهٖ فهو حق (۳)

---

(۱) شرح مسلم ص ۲۴۳۔ (۲) اوشحۃ الجید ص ۳۶۔ (۳) ایضاً۔

Marfat.com

رسول اللہ صلعم نے خواب یا بیداری میں جو کچھ فرمایا وہ حق ہے۔

لہٰذا مذکورہ بالا رویائے صالحہ ایک شرعی حقیقت ہیں جن کو محض ہماری عقیدت کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا اس کے علاوہ رویائے صالحہ کے متعلق ایک حدیث اور پیش کر رہا ہوں۔

الرویاء الصالحة جزء من ستة واربعین جزأ من النبوة (۱)

رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔

بعض روایات میں ستروں حصہ قرار دیا ہے اور بعض میں چالیسواں اور بعض میں انچاسواں۔ ایک رؤایت میں پچاسواں۔ اور ایک روایت میں چھبیسواں حصہ بتلایا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت شریفہ لھم البشریٰ فی الحیوٰة الدنیا کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے

ھی الرویة الصالحة یراھا المومن اوتری له (۲)

اس سے مراد رویائے صالحہ ہیں جس کو مومن خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی اور دیکھے۔

فنی اعتبار سے اس جگہ دو اعتراض ہو سکتے ہیں۔ (۱) یہ احادیث مرسل ہیں۔ (۲) خوابوں سے استدلال نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا عرض ہے کہ مراسیل ہمارے اور اکثر محدثین کے نزدیک قابل استدلال ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ خوابوں سے کوئی حکم نہیں بیان کیا جا رہا بلکہ ایک شخص کی شرافت کو بیان کیا جا رہا ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

---

(۱) مسلم شریف۔ (۲) الفوائد باب الرویاء

Marfat.com

خراج عقیدت

باتفاق علمائے امت امام اعظم ابوحنیفہ اجلائے تابعین میں سے ہیں اور تابعین کرام کے متعلق حق سبحانہٗ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

والذین اتبوھم باحسانٍ رضی اللّٰہ عنھم ورضو عنہ واعدلھم جنّٰتٍ تجری من تحتھا الانھٰر خالدین فیھا ابداً ذالک الفوذالعظیم (الایتہ)

جنھوں نے حضرات صحابہؓ کی نیکیوں میں اتباع کی۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور ان کے لئے جنت تیار کی گئی جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

یہ فضیلت امام صاحب کو منجانب اللہ عطا ہوئی اس میں نہ ان کے کسب کو دخل اور نہ کسی دوسرے کا احسان۔ اور اس کی خصوصیت (تابعیت) میں بھی آپ کو وہ امتیاز حاصل ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے۔(۱)

بہر حال اس جگہ ہمیں اپنے موضوع کے ماتحت چند اکابر امت کی امام صاحب کے

(۱) شاہ معین الدین صاحب اڈیٹر معارف اعظم گڑھ نے اپنی تالیف ''تابعین'' میں امام صاحب کا تذکرہ نہیں کیا۔ موصوف نے مقدمہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ ''اس لحاظ سے ان بے شمار تابعین کو اس کتاب سے خارج کر دیا گیا ہے۔ جن کی زندگی میں ہمارے لیے کوئی نمونہ نہیں ہے۔'' الخ ص ۱۴ اور غالباً امام صاحب کی زندگی میں موصوف کو کوئی نمونہ نہیں ملا۔

گرنہ بیند بروز شپرۂ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

Marfat.com

متعلق رائے یا ان کا اخراج عقیدت پیش کرنا ہے۔میدان یہاں بھی بہت وسیع ہے اس لئے انتخاب اور اختصار سے کام لے رہا ہوں۔

ا۔ یحییٰ بن سعید القطان

آپ فن رجال کے امام ہیں۔امام احمد بن حنبل علی بن المدینی آپ کے درس حدیث کے حلقہ میں عصر تا مغرب کھڑے ہو کر احادیث کی تحقیق کیا کرتے تھے آپ امام صاحب کے تلمیذ ہیں اس پر آپ فخر کیا کرتے تھے۔فرماتے ہیں:۔

واللہ خدا گواہ ہے ہم جھوٹ نہیں بولتے ہم نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو صائب الرائے نہیں دیکھا۔ہم نے اکثر ان کے اقوال اخذ کئے ہیں۔واللہ ہم امام صاحب کی مجلس میں شریک رہے ہیں۔میں نے جب بھی ان کے چہرے کی طرف دیکھا تو یقین ہو گیا وہ اللہ تعالی کے خوف اور خشیت سے پوری طرح متصف ہیں (۱) خدائے بزرگ کی قسم امام ابوحنیفہ اس امت میں قرآن وحدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔(۲)

۲۔ محدث ابن داود

مشہور محدث ہیں فرماتے ہیں:۔

اہل اسلام پر نماز میں امام ابوحنیفہ کے لئے دعا کرنی لازم ہے کیونکہ انھوں نے دوسروں کے لئے سنن وآثار کو محفوظ کر دیا۔جب کوئی آثار یا حدیث کا قصد کرے تو اس کے لئے سفیان ہیں اور اگر کوئی ان کی باریکیوں کو معلوم کرنا چاہے تو ابوحنیفہ ہیں (۳)

۳۔ مکی بن ابراہیم

آپ امام بخاری کے استاذ ہیں،فرماتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم،زاہد تھے۔میں کوفہ کے علما کی مجلس میں بیٹھا ہوں۔میں نے ان میں سے کسی کو امام صاحب سے زیادہ متدرع نہیں پایا۔

(۱) موفق ص۱۹۱،ج۱۔کتاب التعلیم،انوار الباری۔ (۲) حدائق الحنفیہ

(۳) موفق ص۱۹۳، ج۱۔

Marfat.com

۴۔امام احمد بن حنبل

آپ صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔حدیث میں مقام رفیع کے مالک ہیں۔آپ کی جرح وتعدیل پر سب کا اتفاق ہے۔فرماتے ہیں:۔

امام ابوحنیفہ زہد،تقوی اور علم میں اس جگہ ہیں کہ کوئی اس مقام کو نہیں پہنچ سکا۔

۵۔امام شعرانی

ایک بڑے محدث اور اپنے وقت کے امام ہیں،فرماتے ہیں۔ہمارے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ ہم ایسے امام اعظم پر اعتراض کریں کہ جس کی جلالت قدر،علم وورع پر سب کا اتفاق ہے۔

امام صاحب پر کسی طرح بھی اعتراض مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ ائمہ متبوعین میں سب سے بڑے مرتبے کے ہیں۔ان کا مذہب سب سے پہلے مدون ہوا اور ان کی سند حدیث بھی دوسرے ائمہ کے لحاظ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف زیادہ قریب ہے(۱)

۶۔حفص بن عبدالرحمٰن

آپ امام نسائی اور ابوداود کے استاذ ہیں،فرماتے ہیں:۔

میں ہر قسم کے علماء،فقہا اور زاہدوں کے پاس بیٹھا لیکن ان میں سب اوصاف کو جامع امام ابوحنیفہ کے علاوہ کسی کو نہیں پایا۔(۲)

۷۔عبداللہ بن مبارک

آپ امیر المومنین فی الحدیث اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔بخاری ومسلم میں آپ کی سند سے سینکڑوں حدیثیں موجود ہیں۔امام بخاری نے آپ کے متعلق اپنے رسالہ رفع الیدین میں فرمایا ہے،ابن مبارک اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں فرماتے ہیں:۔

۱۔ وہ شخص محروم ہے جس کو امام ابوحنیفہ کے علم سے حصہ نہیں ملا۔

---

(۱) انوارالباری ص۹۹، ج۱۔ (۲) موفق ص۲۰۰، ج۱۔

۲۔ خدا اس شخص کا برا کرے جو ہمارے شیخ ابو حنیفہ کا ذکر برائی سے کرے اگر امام صاحب تابعین کے ابتدائی دور میں ہوتے تو وہ بھی سب ان کی اتباع کرتے۔

۳۔ اگر میں امام صاحب سے ملاقات نہ کرتا تو میں بھی حدیث کے نقالوں کی طرح ہوتا۔

۴۔ اگر مجھے افراط کلام کا الزام نہ دیا جائے تو میں ابو حنیفہ پر کسی کو ترجیح نہ دونگا۔ (۱)

۸۔امام ابو یوسف

آپ امام ابو حنیفہ کے تلمیذ اکبر اور خلافت عباسیہ کے قاضی القضاۃ ہیں، فرماتے ہیں:۔

۱۔ میری آرزو ہے کہ مجھے جمال ابن ابی لیلیٰ کا اور زہد معسر بن کدام کا اور فقہ امام ابو حنیفہ کا مل جائے۔

۲۔ رائے تو امام ابو حنیفہ کی ہے ہم ان کی عیال ہیں۔

۳۔ امام ابو حنیفہ کے علم پر سب کو اتفاق ہے اور ہماری مثال تو ان کے مقابلے میں ایسی ہے جیسی نہر فرات کے مقابلے میں چھوٹے نالے کی۔ (۲)

۹۔سفیان عینیہ

آپ مشہور محدث، امام بخاری، امام حمیدی کے استاذ ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

دو چیزیں ایسی تھیں کہ ابتدا میں جن کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ کوفہ کے پل سے آگے نہ بڑھ سکیں گی! حمزہ کی قرأت اور امام ابو حنیفہ کا فقہ مگر یہ دونوں آفاق میں پہنچ چکی ہیں۔ (۳)

۱۰۔امام مالک

صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ ان کی موطا، بخاری شریف سے پہلے اصح الکتب شمار ہوتی تھی۔ امام ابو حنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

۱۔ امام ابو حنیفہ اپنی قوت استدلال سے پتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کر سکتے ہیں۔

۲۔ ایک دفعہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ میں علمی مذاکرہ ہوا۔ جب امام مالک مجلس سے اٹھے

---

(۱) ایضاً۔ (۲) موفق ص۲۴۲ ج ۲۔ (۳) انوار الباری ص ۱۰۳، ج ۱۔

تو اپنے تلامذہ سے فرمایا۔امام ابوحنیفہ کو کیا سمجھتے ہو؟ وہ تو بڑے فقیہ ہیں۔

امام مالک صاحب ہر سال جب موسم حج آتا تو امام ابوحنیفہ کی مدینہ منورہ میں آمد کا انتظار کیا کرتے تھے۔جب امام صاحب پہنچتے تو ہمیشہ ان کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے۔(۱)

۱۱۔امام شافعی

صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے شاگرد ہیں۔ فرماتے ہیں۔

۱۔ سب کے سب فقہ میں امام ابوحنیفہ کی عیال ہیں۔

۲۔ جو شخص امام ابوحنیفہ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ عالم متجر نہیں ہوسکتا۔(۲)

۱۲۔مسعر بن کدام

محدثین میں نہایت اونچے مقام کے مالک ہیں صحاح ستہ میں آپ کی سند سے روایات موجود ہیں۔امام شعبہ اور امام سفیان ثوری آپ کو میزان عدل کہا کرتے تھے۔امام صاحب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:۔

> جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان امام صاحب کو وسیلہ بنائے گا اور ان کے مذہب پر چلے گا۔میں امید کرتا ہوں اس کو خوف نہ ہوگا۔(۳)

۱۳۔یحییٰ ابن معین

جرح اور تعدیل کے مشہور امام ہیں۔امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

> قرأة تو امام حمزہ کی ہے اور فقہ امام ابوحنیفہ کا ہے اور اس پر میں نے تمام انسانوں کا اتفاق پایا ہے۔

۱۴۔امام مزنی

آپ امام شافعی کے شاگرد رشید ہیں فرماتے ہیں:۔

---

(۱) انوار الباری ص۱۰۲،ج۱۔ (۲) ایضاً۔ (۳) حدائق ص۷۹۔

Marfat.com

علم کے چار حصوں میں سے تین حصے تو علما نے امام ابوحنیفہ کے لئے خاص کئے ہیں اور ایک حصہ باقی تمام علما کے لئے رکھا ہے۔

۱۵۔ امام ابن تیمیہ

آج کل تو امام ابن تیمیہ کو عالم اسلام میں جو مقام حاصل ہے وہ تعارف کا محتاج نہیں۔ ہندستان اور بیرون ہندوستان میں ان کو شیخ الاسلام کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابتدا میں امام حماد بن حنبل کے مقلد تھے لیکن تیزیٔ طبع کی وجہ سے ان کی تقلید کے قلادے کو گردن سے اتار دیا اور آزاد روش اختیار کی۔ اسی آزادی طبع کی بنا پر آج کل یہ ہندوستان پاکستان اور خصوصاً مصر میں بہت مقبول نظر آتے۔ امام صاحبؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

> امام ابوحنیفہ سے اگرچہ بعض لوگوں کو اختلاف رہا ہے۔ لیکن ان کی فہم اور فقہ میں کوئی شک نہیں کرسکتا۔ کچھ لوگوں نے ان کی تذلیل کے لئے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو بالکل جھوٹ ہیں۔ (۱)

۱۶۔ مجدد الف ثانی

شیخ احمد سرہندی ہزارہ دوم کے مجدد فرماتے ہیں:۔

> بانی فقہ ابوحنیفہ است وسہ حصہ از فقہ اور المسلم داشتہ اند ودر ربع باقی ہمہ شرکت دارند۔ در فقہ صاحب خانہ اوست ودیگران ہمہ عیال دے۔ (۲)

۱۷۔ شاہ ولی اللہ

حضرت شاہ صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں آج یورپ اور امریکہ بھی ان کے علوم ومعارف کا لوہا مان رہا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

> مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے اس طریقہ مسنونہ کے جو کہ مدون اور منقطع کیا گیا۔ بخاری اور اس کے اصحاب کے زمانے میں۔ (۳)

---

(۱) حدائق۔ (۲) مکتوب ص۵۵، ج۲۔ (۳) فیوض الحرمین مشاہدہ ص۱۹۔

امام صاحب کے تذکرے اور سیرت کی مناسبت سے اس عنوان کے تحت صرف ان ہی اقوال کے اوپر اکتفا کیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس قسم کے تمام اقوال کو جمع کیا جائے تو اس کے لئے مستقل ایک کتاب کو ترتیب دینا ہوگا۔ یہ آراء، حقیقت ہیں یا عقیدت جو کچھ بھی ہیں اس حدیث کی روشنی میں امام صاحب کے فضل وکمال پر ایک مستقل دلیل ہیں۔

مـن اثنيتم عليه خيراً وجبت له الجنة ومن اثنيتم عليه شراً وجبت له النار انتم شهد الله فی ارضه (۱)

جس کی تم تعریف کرو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے اور جس کی برائی کرو اس کے لئے دوزخ۔ تم تو زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔

(۱) جمع الفوائد کتاب الجنائز۔

Marfat.com

اعتراضات اور جوابات

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی ۔ یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

بے عیب ذات اللہ کی ہے رہا انسانوں کا معاملہ، وہ تو خطاونسیان سے مرکب ہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ بھی اس خاصہ بشریہ سے پاک نہیں۔ اجتہاد میں ان سے بھی خطا ہوئی۔ چنانچہ آج ان کے مرجوعات موجود ہیں۔ بایں ہمہ امام صاحب کا جو مقام ہے بہرحال وہ ایک مقام رفیع ہے اس میں کسی کو کیا کلام ہوسکتا ہے؟ ان کا علم، فقہ، زہد، تقویٰ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو محتاج تعارف نہیں ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ مذہبی تخریب وتعصب اور معاصرت نے جو غضب ڈھایا ہے وہ نظر انداز کرنے کے بھی قابل نہیں ہے۔

امام صاحب پر اس زمانہ میں بھی تنقیدیں ہوئیں اور اب بھی چھوٹا منہ بڑی بات کے مظاہرے دیکھنے میں آتے ہیں۔ جس کے متعلق گذشتہ سطور میں علامہ ابن تیمیہ کا مقولہ نقل کیا جا چکا ہے۔ اس جگہ ہم ان ہی چند اعتراضات بے بنیاد (جن کا مبنی، مذہبی تعصب ہے یا قلت تدبر) کو ذکر کررہے ہیں۔

قرأة شاذہ

ایک شخص محمد بن جعفر خزاعی ہے جس نے قرأة شاذہ میں ایک رسالہ مرتب کیا اور ان تمام قرأتوں کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کردیا۔ اس کی وجہ سے بعض مفسرین کو دھوکہ ہوا۔ اس رسالہ کے متعلق علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان میں تحریر فرمایا ہے۔

وقد صرّح جماعة منهم الدار قطني بان هذا الكتاب موضوع لا

Marfat.com

اصل له وابو حنيفه برى منه[1]

ایک جماعت نے جن میں سے دار قطنی بھی ہیں تصریح کی ہے کہ یہ کتاب موضوع ہے اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ امام صاحب اس سے بری ہیں۔

امام صاحب کی تکفیر

علامہ شعرانی نے اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے امام صاحب کے رد اور ان کی تکفیر میں ایک رسالہ لکھا اور اس کو علامہ مجدالدین فیروز آبادی (صاحب قاموس) کی طرف منسوب کیا۔ جب وہ رسالہ ابو بکر یمنی کی نظر سے گذرا تو انھوں نے علامہ فیروز آبادی کو ایک ملامت آمیز مکتوب لکھا۔ علامہ فیروز آبادی نے جواب دیا کہ یہ میرے دشمنوں کا افتراء ہے یہ تحریر ہرگز میری نہیں ہے میں تو امام صاحب کا معتقد ہوں میں نے ان کے مناقب میں ایک رسالہ لکھا ہے آپ اس جعلی رسالہ کو نذر آتش کر دیں۔[2]

کتاب منخول کی حقیقت

حضرات غیر مقلدین اس کتاب کو امام غزالی کی کتاب بتلاتے ہیں۔ اس کتاب میں امام ابوحنیفہ پر کچھ اعتراضات ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی نے الخیرات الحسان میں اس کتاب کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

اس کتاب کے مصنف حقیقت میں امام غزالی نہیں ہیں کیوں کہ احیاء العلوم میں امام صاحب کے علوم وکمال کی انھوں نے بڑی تعریف کی ہے نیز میری نظر سے جو نسخہ گذرا ہے اس کتاب پر یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب محمود کی تصنیف ہے اور یہ محمود حجۃ الاسلام نہیں ہے۔ اسی کتاب کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ شخص معتزلی ہے۔ اور اس کا نام محمود غزالی ہے اور یہ حجۃ الاسلام نہیں ہے۔[3] کجا حجۃ الاسلام محمود غزالی صاحب احیاء العلوم اور کجا محمود غزالی معتزلی؟

لیکن معترض کو اس تحقیق میں جانے کی کیا ضرورت؟ اس کو تو اعتراض سے کام۔ امام غزالی نے تو امام صاحب کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

---

(۱) الخیرات الحسان۔ (۲) الیواقیت والجواہر۔ (۳) الخیرات الحسان۔

Marfat.com

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خلقه كان ایضاً عابد اذ اهداعارفا باللّٰه خائفا منه مرید اوجه اللّٰه بعلمه (۱)؛

امام ابوحنیفہ عابد، زاہد، عارف، باللہ، اللہ تعالیٰ سے خوف کرنے والے اور اپنے علم کے ذریعہ اللہ کی مرضی کے طالب تھے۔

ایمان والدین رسول اللہ صلعم

فقہ اکبر میں امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے کہ امام صاحب نے والدین رسول اللہ صلعم کے بارے میں فرمایا ہے۔ ماتا علی لکفر وہ کفر پر مرے ہیں۔ (۲) اور اسی کتاب سے نقل کر کے متعدد علمائے کرام نے بھی اس مسئلہ کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ یہ امام صاحب پر تہمت ہے۔ ان کا مسلک اس مسئلہ میں توقف ہے علامہ شامی، علامہ ابن نجیم علامہ کردری وغیرہ نے بروایت صحیحہ یہی نقل کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فقہ اکبر دو ہیں ایک کے مصنف ابو یوسف بخاری الملقب بابی حنیفہ اور دوسرے کے مصنف امام صاحب ہیں۔ اس کے راوی ابو مطیع بلخی ہیں۔ ابو یوسف بخاری کی کتاب فقہ اکبر میں یہی ہے لیکن امام صاحب کی اصل کتاب فقہ اکبر میں سرے سے یہ مسئلہ موجود ہی نہیں ہے۔ لہٰذا علماء کو نام کے اشتراک سے دھوکہ ہوا اور انھوں نے آسانی سے اس مسئلہ کو امام کی طرف منسوب کر دیا۔ ہم اس سلسلہ میں تفصیلی کلام آئندہ صفحات میں کریں گے۔

ان چیزوں سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ امام صاحب پر اعتراضات قائم کرنے میں لوگوں نے تحقیق وتدبر سے کام نہیں لیا بلکہ سرسری طور پر کسی چیز کو سنایا پڑھا اور امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا۔ ابن خلکان نے بیان کیا ہے کہ امام صاحب اشتباہ اسمی کی وجہ سے بھی اعتراضات کا نشانہ بنے ہیں۔ کیونکہ ایک شخص جس کا نام نعمان اور کنیت ابو حنیفہ ہے اور ہوا ہے۔ وہ پہلے مالکی تھا پھر امامیہ ہوگیا۔ لوگوں نے اس مشارکت اسمی سے فائدہ اٹھایا اور طعن کرنا شروع کر دیا۔ (۳)

اس کے بعد ان چند معرکۃ الآراء اعتراضات کو بھی ذکر کیا جا رہا ہے جن کے قائلین کو

---

(۱) احیاء العلوم۔ (۲) فقہ اکبر ص ۶۱۔ (۳) حدائق حنیفہ۔

Marfat.com

اپنے دلائل پر بڑا اعتماد ہے۔ خصوصاً حضرات غیر مقلدین کے نزدیک تو یہ مسائل اور اعتراضات سرمایہ اور ان کے زعم میں حنفیہ کے لئے اسباب موت ہیں۔

طعن اول قلت روایت

امام صاحب پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد صرف سترہ ہے اور بس! اور اس قول کی بنیاد ان کے نزدیک ابن خلدون کی یہ عبارت ہے۔

یقال بلغت رواته الی سبعة عشره حدیثاً

کہا گیا ہے کہ امام صاحب کی مرویات کی تعداد سترہ ہے۔

اور اسی کی تائید میں امام بخاری کے استاذ امام حمیدی کا یہ قول بھی پیش کیا جاتا ہے۔

قال الحمیدی فرجل لیس عنده سنن من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم واصحابه فی المانسک (۱)

حمیدی کہتے ہیں اس شخص (ابو حنیفہ) کو مناسک میں نہ تو سنت رسول کا علم تھا اور نہ سنت صحابہؓ کا۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے چند غلط فہمیوں کے ازالہ کے تحت تمہیداً کچھ عرض کر دیا ہے لہٰذا اگر ہم اس ارشاد کو بھی مغالطہ یا غلط فہمی پر محمول کریں تو ہمارے لئے گنجائش ہے تاہم ہمارے نزدیک یہ ارشادات مجروح ہیں۔

۱۔ ابن خلدون کو خود اپنی بات پر یقین نہیں۔ جب ہی تو صیغہ تمریض (یقال) کے ساتھ بات کہی ہے۔

۲۔ ابن خلدون چونکہ مورخ ہیں اس لئے ان کا قول امور تاریخیہ میں تو قابل استناد ہے نہ کہ امور شرعیہ میں۔ علامہ شمس الدین سخاوی نے اپنی کتاب **الضوا الامع فی اعیان القرن التاسع** میں لکھا ہے۔

وان کان ماهرًا فی الامور التاریخیه الاّ انه لم یکن ماهراً بالعلوم الشریعه (۲)

---

(۱) اوشحۃ الجید۔ (۲) عمدۃ الرعایۃ واوشحہ۔

Marfat.com

ابن خلدون اگرچہ اموتاریخیہ کا تو ماہر تھا لیکن اس کو امور شریعہ میں مہارت نہیں تھی

اور امام صاحب کا حافظ حدیث ہونا امور شریعہ سے تعلق رکھتا ہے۔

۳۔ ہم کہتے ہیں ابن خلدون کو بھی امام صاحب کا حافظ حدیث ہونا تسلیم ہے اور مذکورہ عبارت میں تصرف صرف حسد اور تعصب کا کرشمہ ہے کیونکہ ابن خلدون نے آگے چل کر لکھا ہے۔

وقد تقول بعض المتعصبين ان منهم كان قليل البضاعة فى الحديث ولاسبيل الى هذا لمعتقد فى كبار الائمة لان الشريعة انما توخذ من الكتاب و السنة (۱)

بعض متعصبین نے یہ کہہ دیا ہے کہ ان ائمہ میں سے بعض امام بہت کم حدیث جانتے تھے۔ یہ اعتقاد ان ائمہ کبار کے متعلق بیجا ہے کیونکہ شریعت تو کتاب و سنت سے ہی ماخوذ ہے۔

۴۔ ائمہ فن مثلاً علامہ ذہبی نے امام صاحب کا تذکرہ حفاظ حدیث کے طبقہ میں کیا ہے اور حافظ وہ ہوتا ہے جس کو کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔ علامہ محمد بن یوسف شافعی نے بھی عقود الجمان میں آپ کو حافظ حدیث تسلیم کیا ہے۔

۵۔ بقول علامہ ابن حجر مکی آپ کے اساتذہ چار ہزار ہیں اگر ہر ایک سے ایک، ایک حدیث سنی ہو تب بھی چار ہزار حدیثیں ہونا چاہئیں۔

۶۔ امام صاحب کا مجتہد مطلق ہونا مجمع علیہ ہے لہٰذا اگر سترہ حدیثوں سے مجتہد بن سکتا ہے تو پھر اس زمانہ میں تو مجتہدین کی کمی نہ رہے گی خصوصاً ہر غیر مقلد مجتہد قرار دیا جائے گا۔

۷۔ اگر امام صاحب پر قلت روایت کا اعتراض ہے تو پھر پروردہ آغوش بتولؓ اور راکب دوش رسول جناب امام حسینؓ کے بارے میں کہا جائے گا جب کہ عمر بھر ان کو حضرات صحابہؓ کی بھی صحبت حاصل رہی ان کے متعلق نواب صدیق صاحب فرماتے ہیں۔ ''ہشت حدیث از وے مرویست۔'' (۲)

---

(۱) ایضاً۔ (۲) ایضا از تقصار۔

Marfat.com

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے ناطقہ سربگریباں کہ اسے کیا کہئے

بالفرض اگر امام صاحب پر قلت روایت کا اعتراض ہے تو اس کی وجوہات بھی تلاش کرنا ضرور ہیں۔ ہمارے نزدیک امام صاحب سے روایتوں کی کثرت اور اس میں غلو نہ ہونے کے مندرجہ ذیل اسباب ہو سکتے ہیں۔

الف: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے اعلان کرادیا کہ احکامات اور اعمال کی احادیث کے علاوہ دوسری احادیث روایت نہ کی جائیں۔

ب: حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے تین صحابہؓ (ابن مسعودؓ، ابو درداؓ، ابو مسعود انصاریؓ) کو حدیث بیان کرنے سے روک دیا تھا اس وجہ سے کہ یہ زیادہ احادیث بیان کرتے تھے۔ حضرت ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس وقت بھی حدیثیں بیان کرتے تھے تو جواب دیا اگر میں اس وقت حدیث روایت کرتا تو مجھے ڈھال سے مارا جاتا۔

ج: حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا اگر تم زیادہ حدیث بیان کرو گے تو آئندہ لوگوں میں سخت اختلاف پیدا ہوگا۔

س: حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ والد صاحب نے پانچ سو حدیثیں جمع کیں تو تمام رات بے چین رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا۔ کیا آپ کو کوئی تکلیف ہے؟ فرمایا بیٹی! وہ احادیث لاؤ جو میں نے تمہارے پاس رکھی ہیں چنانچہ میں نے آپ کی خدمت میں پیش کردیں۔ تو آپ نے ان کو جلا دیا اور فرمایا ممکن ہے کہ میری اس حالت میں موت آجاتی کہ میں نے حضور صلعم کی طرف کوئی غلط حدیث منسوب کردی ہو اور واقعہ میں ایسا نہ ہو۔

ص: ذہبی نے ابی عمر الشیبانی کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں ایک سال تک حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں رہا میں نے ان کو کبھی قال رسول اللہ صلعم کہتے نہیں سنا اور اگر کبھی فرمایا بھی تو پسینہ سے تر ہو جاتے تھے اور لرزا اٹھتے تھے اور گھبرا کر فرما دیا کرتے تھے۔ او کما قال۔ ھکذا قال ونحوہ

یہ حال حضرت ابن مسعودؓ کا ہے جن کے متعلق آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

Marfat.com

ابن مسعود کی حدیث کی تصدیق کیا کرو۔ (۱) تو دوسروں کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔

ان وجوہات کی موجودگی میں بھی اگر قلت حدیث کا اعتراض امام صاحب پر چسپاں کر دیا جائے تو معترض ہی اس کا ذمہ دار ہے۔

بہر حال یہی کہنا مناسب ہے کہ امام صاحب اس معاملہ میں بہت محتاط تھے اور بہت سے حضرات صحابہؓ نے بھی اسی راہ کو اختیار کیا تھا چنانچہ احادیث کے اتنے بڑے ذخیرے میں حضرت عمرؓ سے ۵۴۵، حضرت علی سے ۵۸۶، حضرت ابن مسعودؓ سے ۸۴۸ اور حضرت صدیق اکبر سے ان سب سے کم روایات مروی ہیں ہاں ان حضرات کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے اسی پر حضرت امام ابوحنیفہ کو قیاس کر لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے کیونکہ امام صاحب نے نقل روایات کے علاوہ تدوین فقہ اسلامی کا اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جو نہ آپ سے پہلے ہوا تھا اور نہ آپ کے بعد اور اسی فقہ پر دوسرے تمام فقہیوں کی بنیادیں قائم ہوئیں اور اسی فقہ کے طفیل میں آج دنیا کی عدالتوں کا نظام زندہ ہے۔ اگر یہ کام نہ ہوا ہوتا تو آج عدالتیں، عدالتیں نہ ہوئی ہوتیں۔

رہا امام حمیدی کا ارشاد؟ یہ بھی عقلاً خلاف ہے کیونکہ جس شخص نے ۵۵ حج کئے ہوں کیا اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو مناسک نہیں معلوم تھے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام اعمش جیسا عظیم محدث مناسک میں امام صاحب کی طرف رجوع کیا کرتا تھا۔ علامہ ابن حجر مکی نے الخیرات الحسان کی فصل نمبر ۱۲ میں تحریر فرمایا ہے۔

امام اعمش نے جب حج کیا تو امام ابوحنیفہ کو لکھا کہ آپ میرے لئے مناسک لکھ دیجئے! امام اعمش فرمایا کرتے تھے ابوحنیفہ سے مناسک سیکھو کیونکہ میں حج کے فرائض ونوافل کا ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔ (۲)

دوسرا طعن ضعف

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

سکتوا عن رائه و حدیثه

---

(۱) اوجز المسالک ص ۶۳، ۶۴، ان روایات میں سے بعض موضوعات کبیر کے مقدمہ میں بھی مذکور ہیں۔

(۲) الخیرات الحسان ص ۱۲۔

Marfat.com

لوگوں نے امام صاحب کی رائے اور حدیث سے سکوت کیا ہے۔

یعنی ان کی رائے کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔

۲۔ میزان الاعتدال کے حرف نون کی عبارت یہ ہے:۔

النعمان بن الثابت بن زوطی ابو حنیفه الکو فی امام اهل الرائے ضعفه النسائی من جهة حفظه و ابن عدی و اخرون (۱)

یعنی امام ابوحنیفہ کو امام نسائی اور ابن عدی اور دوسرے لوگوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۳۔ ابن جوزی نے امام صاحب پر جرح کی اور آپ کو ضعیف بتلایا ہے۔

۴۔ دارقطنی نے امام صاحب پر جرح کی اور آپ کو ضعیف بتلایا ہے۔

۵۔ ابن عدی نے کہا کہ اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت نے اپنے باپ دادا سے روایت کی ہے اور یہ تینوں ضعیف ہیں۔ (۲)

اور چونکہ میزان الاعتدال حافظ ذہبی کی کتاب ہے اس لئے ان کے نزدیک بھی امام صاحب ضعیف ہیں۔ان چند وجوہات کی بنا پر امام صاحب کو ضعیف کہا جاتا ہے۔

ان اعتراضات کے متعلق اجمالاً تو یہ عرض ہے کہ جرح وتعدیل کے باب میں اگر دونوں کی تعداد برابر ہو تو تعدیل کو مقدم سمجھا جاتا ہے اور امام صاحب کی تعدیل کرنے والے بہت زیادہ ہیں۔پھر جرح مجمل کو ہرگز قبول نہیں کیا جاتا۔اگر یہ اصول قائم نہ کیا جاتا تو پھر شاذ ہی کوئی باقی بچتا۔حد یہ ہے کہ امام بخاری کے استاذ علی بن مدینی (جن کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو بجز ان کے کسی کے سامنے چھوٹا نہیں جانا) کو امام احمد، ابوذرعہ، ابراہیم حربی نے متروک قرار دیا۔امام مسلم نے تو ان سے روایت کرنا تک گوارہ نہیں کیا۔امام شافعی پر ابن معین نے جرح کی اور امام بخاری پر بھی اب تک جرح کرنے والے جرح کرتے ہیں۔لیکن اس سے حاصل؟ اسی اصول کے ماتحت مذکورہ حضرات کی جرح بھی آتی ہے لہٰذا اس جرح کا اعتبار نہیں ہے۔امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔

لایقبل الجرح الامفسراًمبین السبب (۳)

---

(۱) میزان الاعتدال ف ن۔ (۲) میزان الاعتدال الف۔ (۳) مقدمہ شرح مسلم۔

Marfat.com

جرح وہی معتبر ہوگی جو مفسر ہو اور کسی سبب کو بیان کرے۔

علامہ ابن دقیق العید، علامہ عبدالعزیز بخاری کا یہی مسلک ہے[۱] اس کے علاوہ ائمہ فن نے امام صاحب کی تعدیل وتوثیق کی ہے۔ علامہ مزی شافعی نے جو فن رجال کے امام ہیں امام صاحب کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

کان ابو حنیفة ثقة فی الحدیث[۲]

امام صاحب حدیث میں ثقہ ہیں۔

علامہ موصوف نے اس قول کو محمد بن سعد اور صالح بن محمد الاسدی کی طرف منسوب کیا ہے یعنی ان ہر دو حضرات کی رائے بھی یہی ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی تہذیب التہذیب میں امام صاحب کا ثقہ ہونا بیان کیا ہے۔

قال صالح بن محمد وغیرہ سمعنا یحییٰ بن معین یقول ابو حنیفة ثقة فی الحدیث[۳]

صالح بن محمد اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ہم نے یحییٰ بن معین سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہ ثقہ ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ صفی الدین، علامہ ابن حجر مکی، ابن صلاح، حافظ عراقی کی یہی رائے ہے۔[۴] اور حد یہ ہے کہ امام بخاری جن کو ثقہ سمجھ رہے ہیں یعنی یحییٰ بن سعید القطان (بخاری کے راوی) وہ خود امام صاحب کو ثقہ کہہ رہے ہیں۔

ابن جوزی، دارقطنی، ابن عدی، امام نسائی نے جو امام صاحب پر جرح کی ہے تو ان حضرات کے بارے میں سب علما کا اتفاق ہے کہ یہ لوگ بہت متشدد ہیں ان حضرات نے بیشتر کاملین پر جرح کر کے ان کو ناقص قرار دے دیا۔ حافظ عینی نے بنایہ شرح ہدایہ کی بحث قرأت الفاتحہ کے ضمن میں دارقطنی کے متعلق فرمایا ہے۔

ہمارے ان واضح دلائل سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی ہے کہ دارقطنی نے حسد اور تعصب کی بنا پر امام صاحب کو ضعیف کہہ دیا۔ پھر دارقطنی کی متقدمین کے سامنے (جنھوں نے امام صاحب کی توثیق کی ہے) کچھ بھی

---

(۱) اوجزہ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) ایضاً

Marfat.com

تو حیثیت نہیں ہے۔امام صاحب کی تضعیف کر کے دار قطنی نے خود اپنی تضعیف مول لے لی۔[1]

یہی بات علامہ بحرالعلوم نے مسلم الثبوت کے حاشیہ میں بیان فرمائی ہے۔ابن جوزی کے بارے میں غیر کا کہنا تو ایک طرف خود ان کا بیٹا ہی ان کا اعتبار نہیں کر رہا ہے۔

ولیس العجب من الخطیب بانه یطعن فی جماعة من العلما وانما التعجب من الجدی کیف سلک اسلوبه وجاء بما اعظم منه.[2]

خطیب کے بارے میں تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ جماعت علما پر اعتراض کرتے ہیں بلکہ تعجب جد محترم پر ہے کہ انھوں نے بغدادی کی راہ اختیار کی اور اپنی حیثیت سے زیادہ بات کہدی۔

حقیقت یہی ہے ابن جوزی بہت غیر معتدل مزاج آدمی ہے اور بات کہنے میں نہایت غیر محتاط ہے جو قلم کے سامنے آجاتا ہے لکھ دیتا ہے۔ہزاروں حدیث اس کی نوک قلم کے سامنے موضوع قرار پا چکی ہیں۔اور تو اور بخاری و مسلم کی حدیث کے متعلق بھی اس کا قلم نہیں چوکتا ہے۔

رہا ابن عدی کا معاملہ اور میزان الاعتدال کی عبارت تو اس کے متعلق علامہ نے فرمایا ہے ''اس کتاب میں وہ لوگ بھی جو باوجود ثقہ اور جلیل القدر ہونے کے کسی ادنی لین کی وجہ سے مجروح کر دیے ہیں اگر ابن عدی ان کے متعلق اپنی یہ رائے نہ بیان کرتا تو میں ہرگز ان کو ضعفاء کی فہرست میں نہ داخل کرتا۔''

اس قول سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ علامہ ذہبی کے نزدیک بھی امام صاحب ثقہ ہیں جب ہی تو انھوں نے ابن عدی کا حوالہ دیا ہے اور بذات خود تہذیب میں امام صاحب کا تذکرہ کئی صفحوں میں کیا ہے اور آخر میں یہ ارشاد فرما دیا۔

قلت قد احسن شیخنا ابو الحجاج حیث لم یرو شیأ یلزم منه التضعیف[3]

اب میں کہتا ہوں کہ میرے استاذ ابو الحجاج نے خوب کیا کہ تہذیب الکمال میں کوئی شی ایسی ذکر نہیں کی جس سے امام صاحب کی تضعیف لازم آئے۔

---

(۱) بنایہ شرح ہدایہ۔ (۲) اوشحہ۔ (۳) اوشحہ از تہذیب۔

Marfat.com

امام نسائی کے متعلق حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ وہ متشدد اور متساہل ہیں۔ علامہ عبدالحیی لکھنوی نے غیث الغمام میں فرمایا ہے کہ میزان الاعتدال میں یہ عبارت الحاقی ہے۔

ان هذه العبادة ليس لها اثر في بعض النسخ المعتبرة على مارايتها بعيني. (۱)

اس عبارت کا بعض معتبر نسخوں میں جن کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے موجود نہیں ہے۔

یہی بات خود علامہ ذہبی کے قلم سے بھی مترشح ہو رہی ہے۔

ولا اذكر في كتابي من الائمة المتبوعين في الفروع احدًا الجلا لتهم في الاسلام و عظمتهم في النفوس مثل ابي حنيفه و الشافعي. (۲)

اس کتاب میں، میں نے ائمہ متبوعین کا ذکر بھی (برائی کے ساتھ) نہیں کیا کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک اور اسلام میں بڑی ہستیاں ہیں۔ جیسے ابو حنیفہ، شافعی۔

لہٰذا میزان الاعتدال کی فصل الف میں جو تذکرہ ہے وہ ضمناً ہے اصلاً نہیں ہے اسی وجہ سے اس کو علامہ ذہبی کے طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

تیسرا طعن قلت عربی

تیسرا اعتراض امام صاحب پر قلت عربی کا ہے۔ ابن خلکان نے کہا ہے کہ امام صاحب پر اہل لسان نہ ہونے کے علاوہ کوئی دوسرا اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ جب ابو عمر نحوی نے امام صاحب سے سوال کیا ''کیا قاتل بالمثل پر قصاص ہے'' تو امام صاحب نے فرمایا لا ولو قتلہ کو مجرور کرتا ہے نہ کہ منصوب۔

یہ اعتراض خود اس کی نشان دہی کر رہا ہے کہ معترض کو زبان پر عبور نہیں ہے عربی قبائل کی زبان اور آپس میں ان کا اختلاف کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ایک عربی داں عالم سے پوشیدہ ہو۔ ایک قبیلہ کی زبان کچھ ہے تو دوسرے کی کچھ۔ اور ایک ہی اسم کو ایک قبیلہ منصرف کہتا ہے تو

(۱) اوشحہ از غیث الغمام (۲) اوشحہ از میزان الاعتدال۔

Marfat.com

دوسرا غیر منصرف۔ پھر کتابت کے اعتبار سے بھی اختلاف ہے ابوعمر والدنی کہتا ہے۔

فاما السکون فعامة اهل بلدنا قديماً وحديثاً يجعلونه علامة جرة فوق الحرف.(1)

سکون کے لئے ہمارے قدیم وجدید ہم وطن حضرات نے حرف کے اوپر علالت جزمقرر کی ہے۔

اس تصریح سے یہ تو بخوبی ظاہر ہے کہ حالت سکوت میں جز کو اوپر بھی لگایا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ امام صاحب کوفی ہیں۔اس لئے اس زمانہ میں کوفہ میں جو زبان رائج ہوگی وہی قابل استناد ہے۔ابوالنجم کا شعر بھی اسی لغت میں موجود ہے۔

ان اباها وابا اباها　　　　قد بلغافي المجد غايتاها

اس شعر میں بھی اعتراض کے مطابق ابا بیہا ہونا چاہیے نہ کہ ابا اباھا لہٰذا اس کو فصاحت کے خلاف نہیں کیا جائے گا۔شرح الفیہ میں موجود ہے کہ ایک لغت یہ بھی ہے کہ قصر کر کے اب،اخ،حم کے آخر میں الف لاتے ہیں اس طرح الفاظ معرب بحرکات مقدر ہوتے ہیں۔ شرح جامی میں بھی اسماء ستہ مکبرہ اور منادیٰ کی بحث میں اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

چوتھا اعتراض ارجاء

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ۷۲ فرق ضالہ میں سے ایک فرقہ مرجیہ بھی ہے۔اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ معرفت اور اقرار لسانی کا نام ایمان ہے۔تصدیق قلبی کی ضرورت نہیں ہے۔مومن کو گناہوں سے کچھ ضرر نہیں ہوتا۔

عذاب،ثواب،سیات اور حسانات پر مرتب نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے امام بخاری نے نہ معلوم کس وجہ سے امام صاحب کو اسی گروہ کی طرف منسوب کر دیا اور کہہ دیا ''کان مرجیا'' امام صاحب مرجی تھے امام بخاری نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی حدیث ایسی نقل نہیں کی کہ جس کا راوی مرجی

---

(1) المحکم،ص ۵۱،مطبوعہ دمشق۔یہ کتاب ابھی ہندوستان نہیں پہنچ سکی۔حال ہی میں طبع ہوئی ہے اس کا ایک نسخہ صرف میرے پاس موجود ہے۔

Marfat.com

ہے۔اسی کے ساتھ بعض حضراتؒ نے کہا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں امام صاحب اوران کے اصحاب کو مرجی قرار دیا ہے۔

اس اعتراض کے بارے میں ہم کیا عرض کریں۔اگر امام بخاری نے اپنی کتاب کیلئے یہ اصول مقرر کیا ہے تو ان کا ان کو اختیار ہے۔ہاں اگر انھوں نے امام صاحب سے کوئی روایت اسی وجہ سے نہیں لی کہ وہ مرجی تھے تو پھر ہم تنقید کریں گے اور دریافت کریں گے۔امام بخاری نے اپنی کتاب جامع صحیح میں ابوسعید عباد بن الرواجی کوفی متوفی ۲۵۰ھ سے روایت کی ہے اور یہ شخص رافضی تھا۔اس کے متعلق ابن حیان نے کہا ہے کہ وہ مستحق ترک ہے۔اسی طرح عبدالملک بن عین کوفی مولیٰ بن شیبان شیعہ تھے۔اور محمد بن خازم ابومعاویہ متوفی ۲۲۷ھ مرجیہ تھا۔لہٰذا ان حضرات سے کیوں روایت کی؟اصول تو اصول ہی ہے اسی پر پرکھا جاتا ہے۔یہ آپ جانیں اور آپ کا امام۔امام صاحب سے اگر اسی اصول کی بنا پر گریز کیا ہے تو جواب دینا ہوگا اس سے تو یہی ظاہر ہورہا ہے۔

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

کوئی جذبہ ہے جو امام صاحب کی روایت قبول کرنے میں حائل ہے۔ورنہ امام صاحب وہ شخصیت ہیں جن کے علم وعمل،زہد،تقویٰ اور تمام کمالات علمیہ اور روحانیہ پر امت کا اجماع ہے اس کے بعد بھی اگر اعتراض ہے تو اس کے ذمہ دار آپ ہیں امام صاحب پر یہ اعتراض محض بے اصل ہے کیونکہ امام صاحب نے فرمایا ہے۔

> ہم نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں مقبول ہیں اور گناہ معاف جیسا کہ مرجیہ کہتے ہیں۔ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ جس مسلمان نے کوئی نیکی تمام شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی ہے اور اس کو عیوب اور مفسدوں سے خالی رکھا ہے اور اس کو باطل نہیں کیا حتیٰ کہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کو ضائع نہ کرے گا اس کو قبول کرے گا اور اس پر ثواب دے گا۔(۲)

اس صفائی عقیدہ کے باوجود اگر مذکورہ اعتراض باقی رکھا جائے تو اس کا نام اعتراض

---

(۱) حدائق ص ۱۰۱۔ (۲) فقہ اکبر۔

Marfat.com

کے علاوہ کچھ اور ہو جائے گا۔علامہ ابن اثیر جزری نے امام صاحب سے منسوب تمام اغلاط افوہوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

والظاهر انه كان منزهاً عنها [1]

ظاہر یہ ہے کہ امام صاحب ان سب سے پاک ہیں۔

غنیۃ الطالبین کی عبارت کا بھی غلط مطلب لیا گیا ہے۔شیخ کی مراد تمام حنفیہ نہیں ہے بلکہ انھوں نے بعض حنفیہ کو کہا ہے اور ہمیں یہ تسلیم ہے کہ حنفیہ میں بعض حضرات ہوئے ہیں کہ فقہ میں تو امام صاحب کے مقلد تھے لیکن عقائد میں وہ معتزلی تھے یا مرجی۔جیسے علامہ زمخشری ،صاحب قنیہ، جبائی، غسان کوفی، جہاں شیخ نے حنفیہ کو مرجیہ کہا ہے وہاں انھوں نے بعض حنفیہ کو کہا ہے۔

اما الحنفية فهم بعض اصحاب ابی حنيفه [2]

لیکن حنفیہ! تو وہ بعض اصحاب ابوحنیفہ مراد ہیں۔

اس کے علاوہ مرجیہ کے متعلق ایک تاریخی پس منظر کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ صدر اول میں معتزلہ اہل سنت والجماعۃ کو مرجیہ کہا کرتے تھے۔اس طرح مرجیہ کی دو اقسام ہیں۔ایک مرجیہ مرحومہ دوسرے مرجیہ ملعونہ ابوشکور سالمی کہتا ہے۔

ثـم المرجية على نوعين مرجية مرحومة وهم اصحاب النبی صلعم ومـرجية مـلعونة وهم الذين يقولون ان المعاصية لاتضرو العاصی لايعاقب. [3]

مرجیہ کی دو اقسام ہیں ایک امت مرحومہ جس میں صحابہ داخل ہیں دوسرے مرجیہ ملعونہ جو یہ کہتے ہیں۔معاصیت مضر نہیں اور عاصی کو عقاب نہ ہوگا۔

پانچواں اعتراض سفیان کی تنقید

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ سفیان ثوری نے ابوحنیفہ پر سخت تنقید کی ہے ہم امام بخاری کے اس ارشاد کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اتنا اور معلوم ہونا چاہیے کہ سفیان ثوری

---

(۱) اوشحہ از جامع الاصول۔ (۲) غنیۃ الطالبین (۳) اوشحۃ الجید۔

کے زمانہ میں نعمان نام کے کئی شخص تھے۔ اسی طرح ''ابوحنیفہ'' کنیت بھی ۷ احضرات کی ہوئی ہے۔ (۱) لہٰذا اس التباس کی وجہ سے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سفیان ثوری کی تنقید کا نشانہ امام صاحب کی مدح بھی فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ یہ متفق علیہ فیصلہ ہے کہ معاصرین کی تنقید کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ تاج سبکی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں۔

ہم آپ کو پیشتر بتلا چکے ہیں کہ جارح کی جرح مفسر بھی مقبول نہیں خصوصاً اس شخص کے حق میں جس کی طاعت کو معصیت پر غلبہ ہوا اور اس کے مدح کرنے والے ذم کرنے والوں پر فوقیت رکھتے ہوں۔ جبکہ اس جگہ قرینہ بھی ہو اور عقل بھی تائید کر رہی ہو کہ ایسی سخت بات مذہبی تعصب اور دنیاوی منفعت کی وجہ سے کہی گئی ہے۔ لہٰذا اب سفیان ثوری اور دیگر حضرات کی امام ابوحنیفہ پر تنقید ناقابل التفات قرار دی جائے گی۔ (۲) کیونکہ امام صاحب کے اوصاف اور کمالات ان گنت اور مدح کرنے والے بے شمار ہیں۔

چھٹا اعتراض قیاس

یہ اعتراض امام صاحب پر سب سے بڑا اعتراض ہے اسی وجہ سے اکثر محدثین امام صاحب کو امام اہل الرائے کہتے ہیں۔ قیاس سے مراد اگر علل مستنبط کی روشنی میں اشیائے غیر منصوصہ پر حکم نافذ کرنا مراد ہے تو یہ قیاس مستحسن ہے۔ مامور بہ ہے۔ کتاب وسنت میں اس کے شواہد موجود ہیں اور اگر قیاس سے مراد ترک نصوص ہے تو پھر یہ امام صاحب پر تہمت ہے کیونکہ امام صاحب نے فرمایا ہے۔

لعن اللّٰہ من یخالف رسول اللّٰہ صلعم (۳)

جو رسول اللہ صلعم کی مخالفت کرے اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت

اس تصریح کے باوجود بھی اگر اعتراض بدستور باقی رہتا ہے تو معترضین اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ امام صاحب قرآن وحدیث فہمی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے وہ حدیث کو محض حاطب اللیل کی طرح اختیار نہیں کرتے ہیں بہرحال مسئلہ چونکہ بہت اہم ہے اس لئے آئندہ ابواب میں اس کی بحث آرہی ہے اس کے پڑھنے کے بعد خود بخود بات کھل جائے گی کہ امام صاحب کا قیاس کیا ہے؟ اور دوسرے حضرات کس قدر پابند نصوص ہیں؟

(۱) الجواہر باب ابی حنیفہ۔ (۲) اوضحہ از طبقات۔ (۳) ابوزہرہ ص ۶۰۔

Marfat.com

باب چہارم

ابو حنیفہ اور حدیث

اب بھی کہ حدیث و رجال کی بے شمار کتابیں مرتب و مدون ہو چکی ہیں علمی کام کرنے والوں کے لئے جتنی دشواریاں پیش آتی ہیں ان کا اظہار لفظوں میں دشوار ہے۔ان مشکلات سے وہی بخوبی واقف ہیں جو اس راہ پر چلتے ہیں لیکن اس وقت جب کہ فن حدیث کا کوئی اصول مقرر نہیں ہوا تھا اور وضاعین نے حدیثیں گھڑ گھڑ کر شائع کرنا شروع کر دی تھیں جس کی وجہ سے عمر بن عبدالعزیز نے باقاعدہ تدوین حدیث کی مہم کو چلایا تھا اس وقت ایک مجتہد کے لئے جو قانون اسلام مدون کرنے جا رہا ہو کتنی دشواریاں پیش آئی ہوں گی۔اس کو ان کا دل وجگر ہی خوب جانتا ہوگا۔اصول مقرر کرنا، پھر ان اصولوں کا اجراء۔ایک طرف کتاب اللہ اور دوسری طرف سنت نبویہ کا مخلوط ذخیرہ۔تیسری طرف قیامت تک کے لیے اسلامی قانون کی تدوین اور وہ بھی کسی ایک خطہ یا ملک کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے مہد سے لحد تک کے قانون کو مرتب کرنا واقعی کار شیشہ و آہن کی حکایت ہے۔ان حالات میں امام صاحب نے اعلان کیا تھا۔

> میں پہلے کتاب اللہ اور سنت نبوی پر عمل کرتا ہوں جب کوئی مسئلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی میں نہ ملے تو میں صحابہ کرام کے اقوال پر عمل کرتا ہوں۔ان کے بعد دوسروں کے فتاویٰ اور اقوال میرے نزدیک ہرگز قابل اعتنا نہ ہوں گے۔اس لئے کہ وہ بھی رجال ہیں اور ہم بھی۔آپ نے فرمایا حتی کہ امام شعبی، ابراہیم نخعی، ابن سیرین، حسن، عطا، سعید بن مسیب، یہ سب اجتہاد کرتے تھے ہم بھی اجتہاد کریں گے۔(۱)

---

(۱) حیات ابن قیم ص ۳۰۶، ماخوذ تاریخ بغداد۔

Marfat.com

اس بیان میں امام صاحب نے وہی بات بیان فرمائی ہے جو معاذ بن جبلؓ نے جناب رسول اللہ صلعم کے سامنے عرض کی تھی۔ (۱) امام صاحب نے فرمایا ہے۔

میرے قول کو حدیث اور قول صحابہؓ کے سامنے رد کر دو اور جو حدیث ثابت ہے وہی میرا مسلک ہے۔ (۲)

لہٰذا یہ غلط ہے کہ امام صاحب صرف قیاس یا رائے سے ہی کام لیتے تھے۔ بلکہ وہ بحد ممکن احادیث اور نصوص شرعیہ سے استفادہ کرتے تھے۔

کان ابو حنیفه شدید الفحص عن الناسخ والمنسوخ من الحدیث فیعمل بالحدیث اذا ثبت عنده عن النبی صلعم وعن اصحابه وکان عارفاً بحدیث اهل الکوفه (۳)

امام صاحب حدیث میں ناسخ و منسوخ کی بہت چھان بین کرتے تھے اس کے بعد جب کوئی حدیث رسول اللہ صلعم اور آپ کے اصحاب سے ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تو اس پر عمل کرتے تھے وہ اہل کوفہ کی احادیث سے بخوبی واقف تھے۔

ایک مجتہد کے لئے یہی لازم ہے کہ وہ آیات و احادیث میں ناسخ منسوخ کا اعتبار کرے۔ اگر کسی نے احادیث کے قوت وضعف کو نظر انداز کر دیا تو وہ احکامات شرعیہ کو متصادم کر دے گا۔ احادیث کے متعلق یہ اصول تو ائمہ حدیث کے یہاں بھی ملتا ہے صحاح ستہ کے مصنفین نے اپنے اپنے اصول کے مطابق احادیث کو قبول کیا ہے۔ ان میں سے بعض متشدد ہیں اور بعض میں لینت ہے۔ امام بخاری اس راوی کی حدیث ہی کو نہیں قبول کرتے جو ایمان میں زیادتی اور نقصان کا عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح امام نسائی سب سے زیادہ متشدد ہیں غرضکہ اختیار حدیث کے معاملہ میں محدثین خود آپس میں مختلف ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود، امام نسائی سب مختلف ہیں اور محدث ابن جوزی کی راہ تو ان سب سے علیحدہ ہے چنانچہ

ربما ادرج فیها الحسن والصحیح مما احد الصحیحین فضلاً عن غیرهما (۴)

---

(۱) بخاری باب بعث المعاذ۔ (۲) مظہری ص ۶۴، ج ۲ (۳) موفق ص ۸۲، ج ۱۔ (۴) اوشحہ

ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری و مسلم میں موجود ہیں موضوعات میں شمار کر لیا دوسروں کا تو ذکر ہی نہیں۔

لہٰذا امام صاحب نے بھی اختیار حدیث کے لئے جو ضابطے مقرر فرمائے ہیں ان سے کیوں چراغ ہوا جاتا ہے جب کہ امام صاحب اتنے متشدد بھی نہیں ہیں بلکہ انھوں نے نہایت واضح طور پر فرما دیا ہے۔

یہ ہماری رائے ہے ہم کسی کو اس پر مجبور نہیں کرتے اور نہ یہی کہتے ہیں کہ اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ (۱)

امام صاحب اور اصول حدیث

امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک دفعہ بشیر عدوی حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث بیان کرنا شروع کر دی۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی تو بشیر عدوی نے جھنجھلا کر کہا عجیب بات ہے! میں حدیث سنا رہا ہوں اور آپ اس پر کوئی توجہ نہیں دے رہے۔ تب حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ عدوی بھائی! ایک وقت وہ تھا کہ جہاں کسی نے قال رسول اللہ صلعم کہا اور ہم ہمہ تن گوش ہوئے اور اب تو ہم وہی حدیثیں سنتے ہیں جو ہم کو بھی معلوم ہیں۔

ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے اور درمیان سے الفاظ حذف کرتے جارہے تھے اور فرماتے جاتے تھے واللہ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ نہیں دیا۔ اسی طرح انھوں نے حضرت علیؓ کی ایک تحریر دیکھی تو اس میں سے تھوڑے سے الفاظ کے علاوہ سب تحریر مٹا دی۔

حضرت ابن عباسؓ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا ان کے لئے ایسا کرنا جائز تھا۔ اس کا اور اس کے علاوہ اسی قسم کے دوسرے سوالات کا جواب یہی دیا جا سکتا ہے کہ اسلام حدود عرب سے نکل کر عجم میں داخل ہو گیا تھا اور لوگوں کو احکامات اسلام معلوم کرنے کا بے حد اشتیاق تھا اس اشتیاق میں وہ روایتی پابندیوں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے تھے وہ درایت سے بھی بے نیاز تھے

---

(۱) سیرت النعمان

Marfat.com

اس لئے گمراہ فرقوں اور اہل ہوا کو موقع مل گیا اور انھوں نے قطع و برید کرنا شروع کر دی۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ زنادقہ نے ۱۲ ہزار حدیثیں وضع کیں۔ عبدالکریم کا بیان ہے کہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کر کے شائع کر دیں۔ ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ہارون رشید کے سامنے ایک زندیق لایا گیا۔ اس نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس نے کہا اے امیرالمومنین آپ ان چار ہزار حدیث کا کیا کریں گے جو میں نے وضع کی ہیں اور جس میں حرام کو حلال کیا ہے حالانکہ اس میں سے حضور کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ رشید نے جواب میں کہا اے زندیق کیا تو عبداللہ بن مبارک اور ابن اسحاق الغواری کو بھول گیا وہ اس کا ایک ایک حرف نکال کر باہر پھینک دیں گے۔ (۱)

ان چیزوں کے پیش نظر ذہنوں میں یہ بات ابھر سکتی ہے کہ پھر حدیث سے کس طرح استفادہ کیا جائے؟ اس کا جواب بھی یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے لئے اصول اور ضوابط مقرر کرنے ہوں گے تب ہی احادیث سے استفادہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ امام صاحب وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے معاصرین کی لعن طعن کا خیال کئے بغیر اصول حدیث مقرر کئے اور لوگوں کو قبول حدیث کا ایک معیار بتلا دیا۔ بعد کو دیگر اصولیوں نے حالات و زمانہ کے اعتبار سے ان میں ترمیم و اضافہ کیا لیکن وہ اصول بدستور رہے۔ سطور ذیل میں امام صاحب کے وہ سولہ اصول حدیث پیش کئے جا رہے ہیں جن پر احادیث کی صحت و ضعف کا مدار ہے۔

امام صاحب کے اصول

۱۔ ثقہ راویوں کے مراسلات مقبول ہیں۔ بشرطیکہ ان سے قوی تر دلیل موجود نہ ہو (بخاری نے قرأت خلف الامام میں اس سے استدلال کیا ہے۔ مسلم میں بھی مراسیل موجود ہیں) حنفیہ نے اس بارے میں نہایت واضح طور فرمایا ہے۔

ومن ضعف بالارسال نبذ شطر السنة المعمول بها (۲)

جس نے مرسل ہونے کی وجہ سے حدیث کو ضعیف قرار دے دیا اس نے معمولی بھا سنت کے ایک حصہ کو ترک کر دیا۔

---

(۱) موضوعات کبیر ص ۷۵۔ (۲) مقدمہ فتح الملہم

Marfat.com

۲۔ خبر احاد کو اصول پر پرکھا جائے گا اور اگر وہ اس کے مطابق ہے تو اختیار کیا جائے گا ورنہ ترک کر دیا جائے گا۔

۳۔ خبر احاد کو کتاب اللہ کے مقابلہ میں رد کر دیا جائے گا۔

۴۔ خبر مشہور کے مقابلہ میں (خواہ فعلی ہو یا قولی) خبر واحد کو ترک کر دیا جائے گا۔

۵۔ اگر دو خبر واحد متعارض ہوں تو افقہ راوی کی خبر کو ترجیح ہوگی۔

۶۔ اس روایت کو ترک کر دیا جائے گا جس کے راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کہ اگر کتا کسی برتن کو چاٹ جائے تو اس کو سات مرتبہ دھونا چاہیے حالانکہ وہ فتویٰ تین مرتبہ دھونے پر دیتے تھے۔

۷۔ حدیث اگر متناً یا سنداً زائد ہو تو اس کو ناقص کے مقابلہ میں ترک کر دیا جائے گا کیونکہ قرن اول کے عموم بلویٰ کا اثبات متواتر اور متوارث ہوتا ہے اسی وجہ سے حدود و کفارات کو شبہ کی بنا پر رد کر دیا جاتا ہے۔

۹۔ ایک ہی حکم میں اگر کوئی خبر واحد مختلف ہو اور صحابہؓ سے ثابت ہو کہ انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے تو اس خبر واحد کو ترک نہ کیا جائے گا بلکہ مناسب تطبیق و تاویل کر لی جائے گی۔

۱۰۔ جس خبر واحد پر سلف میں سے کسی نے طعن نہ کیا ہو اس کو اختیار کیا جائے گا۔

۱۱۔ حدود اور عقوبات میں اخف درجہ کی خبر واحد کو لیا جائے گا۔

۱۲۔ حدیث کے راوی کے لئے سماعت سے لے کر نقل تک استمرار حفظ ضروری ہے۔

۱۳۔ اس راوی کی روایت معتبر نہیں جو یہ کہے کہ میری بیاض میں ہے۔ ہاں بیاض کی روایت اس وقت معتبر ہوگی جب اس کو زبانی بھی یاد ہو۔

۱۴۔ احاد میں احوط کو اختیار کیا جائے گا۔

۱۵۔ متاخر کو مقدم کے مقابلہ میں ترجیح ہوگی کیونکہ اس کی حیثیت ناسخ کی ہے۔

۱۶۔ خبر واحد صحابہ اور تابعین کے عمل متوارث کے خلاف نہ ہو۔ (۱)

---

(۱) تانیب الخطیب ص ۱۵۲، ۱۵۳۔

Marfat.com

روایت بالمعنی

امام صاحب کے زمانہ میں روایت بالمعنی کا زیادہ رواج تھا جس کی وجہ سے احکامات میں بہت کافی اختلاف پیدا ہوگیا تھا مثلاً حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے جس کو ابن ماجہ نے بھی اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

ان المیت یعذب بیکا الحی اذا قالوا واعضداہ واکا سباہ وانا صراہ واجبلاہ(۱)

مردہ پر زندہ کے بکا کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے جب وہ یہ الفاظ کہہ کر بین کریں الخ۔

حضرت عائشہؓ سے کسی نے یہ بیان کیا کہ حضرت ابن عمر یوں کہتے ہیں تو انھوں نے فرمایا ابن عمر کو سہو ہو گیا ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک یہودیہ عورت کا انتقال ہوا تو اس کے رشتہ دار بین کر کے روتے تھے اس پر حضور صلعم نے یہ ارشاد فرمایا تھا اور حضرت عائشہؓ نے یہ آیت پڑھی۔

ولا تزروازرۃ وزرا اخریٰ

کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ملاحظہ ہو راوی نے یہاں قاعدہ کلیہ کے طور پر حدیث بیان کردی۔

غزوہ بدر میں جب حضور صلعم اس گڈھے (قلیب) کے پاس پہنچے جہاں کافروں کی لاشیں پڑی تھیں تو ارشاد فرمایا۔

ھد وجدتم مافعل ربکم حقاً

جو کچھ تمہارے رب نے کیا اس کو تم نے حق پایا۔

لوگوں نے عرض کیا کیا کہ آپ مردوں سے خطاب کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

لقد علموا مادعوتھم

میں نے جس چیز کی دعوت دی تھی انھیں معلوم ہو گیا۔

اسی ایک واقعہ میں دو احادیث ہیں ایک میں لفظ ''سماع'' اور دوسرے میں لفظ ''علم'' ہے۔ اسی روایت بالمعنی کے اختلاف کی وجہ سے آگے چل کر اختلاف پیدا ہو گیا۔ اسی طرح

---

(۱) سنن ابن ماجہ۔

Marfat.com

مناسک حج میں ایک روایت آتی ہے۔

اقتلو الاسودین الحیة والعقرب

سانپ اور بچھو کو مار ڈالو!

روایت بالمعنی کے اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان دونوں کے قتل کا حکم دیا۔ امام صاحب نے روایت بالمعنی کے لئے یہ اصول مقرر کر دیا۔

رواۃ فقیہہ ہوں ۲ رواۃ ثقہ ہوں۔

ان دو شرطوں کے ساتھ امام صاحب نے اس زمانہ تک روایت کو قبول کیا یعنی امام صاحب عہد تابعین کے بعد روایت بالمعنی کی اجازت نہیں دیتے۔ امام طحاوی نے بسند متصل بیان کیا ہے۔

لا ینبغی للرجل ان یحدیث من الحدیث الا بما حفظ من یوم سمعہ الی یوم یحدیث بہ (۱)

امام صاحب فرماتے ہیں آدمی کو وہی حدیث بیان کرنا چاہیے جو سننے کے دن سے روایت کرتے وقت تک بالکل یاد ہو۔

امام صاحب کا بھی یہی مسلک ہے۔

لا تجوز الرویة بالمعنی مطلقاً (۲)

روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں ہے۔

مابعد کے محدثین کے نزدیک چونکہ یہ شرائط سخت ہیں اس لئے انھوں نے نرمی سے کام لیا جس کی وجہ سے اکثار فی الحدیث ہوگیا۔ ان ہی شرائط کی وجہ سے ابن صلاح امام صاحب اور امام مالک کو متشدد کہتا ہے۔ حالانکہ امام صاحب نے یہ ضابطہ اس حدیث کی روشنی میں مقرر کیا ہے۔

نضر اللّٰہ امرأ سمع منّا فبلغہ کما سمعہ.

اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو شاداب کرے جس نے ہم سے جیسا سنا ویسا ہی نقل کر دیا۔

---

(۱) الجواہر ص۱۳۱۔ (۲) سیرت النعمان ص۹۰۔

Marfat.com

یہ حدیث حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے جو باسند المتصل امام صاحب تک پہنچتی ہے یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کی روایات بہت زیادہ نہیں ہیں۔ وہ روایت بالمعنی کو ناجائز قرار دیتے ہیں وہ حالات زمانہ کی وجہ سے مجبور نہیں بلکہ معذور تھے۔ حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں۔

> ان حدیثوں نے بہت نقصان اور ضرر پہنچایا کیونکہ واضعین کے ثقہ اور تورع کی وجہ سے احادیث بالمعنی مقبول ہوئیں۔ وضع کے بعد مساہلات غلط فہمیوں، بے احتیاطیوں کا درجہ تھا۔ جس کی وجہ سے ہزاروں اقوال جناب رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب ہو گئے۔ بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے جس کہ وجہ سے سامعین کو دھوکہ ہوتا تھا اور وہ ان کے تفسیری جملوں کو حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے۔ (۱)

امام زہری اور وکیع کے یہاں اس کی مثالیں بکثرت ہیں لیکن امام صاحب حدیث میں اس کو پسند نہیں کرتے ہیں۔

حدیث کے اصطلاحی الفاظ

زمانہ قدیم میں آج کل کی طرح آلات بکر الصوت نہیں تھے لہٰذا بڑی بڑی درس گاہوں میں جہاں ہزاروں کی تعداد میں سامعین ہوتے تھے آواز کو منتقل کرنے کے لئے مستملی مناسب مقامات پر مقرر کئے جاتے تھے۔ اس طریقہ کی وجہ سے محدثین میں اختلاف پیدا ہوا کہ جس نے مستملی کی آواز کو سن کر حدثنا کہا وہ حدیث کو شیخ کی طرف منسوب کر سکتا ہے؟ امام صاحب کہتے ہیں نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس شخص کو اخبرنا کہنا چاہیے۔ حافظ ابونعیم، فضل بن وکیع، زائد بن قدامہ، حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ امام صاحب کا مسلک صحیح ہے۔ یہاں بھی امام صاحب نے روایت بالمعنی کے پیش نظر ایسا کیا تھا کیونکہ مستملی روایت بالمعنی بھی کر دیتے تھے۔ لیکن جو لوگ روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے یہاں حدثنا اور اخبرنا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی وجہ سے امام

---

(۱) سیرت النعمان ص ۸۳۔

Marfat.com

حسن نے متعدد روایتوں میں حدثنا ابو ہریرہ کہا ہے حالانکہ ان کی ابو ہریرہ سے ملاقات نہیں ہے۔ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے یہ حدیث بیان فرمائی تو میں اس شہر میں موجود تھا۔اس شہر کے دوسرے باشندوں سے سن کر میں نے حدثنا کہا ہے۔امام حسن بصری کی اس بات کو دوسرے محدثین نے بھی اختیار کیا حالانکہ یہ بات صراحتہً غلط ہونے کے علاوہ درمیان کے راوی کے بارے میں اشتباہ پیدا کرتی ہے اسی وجہ سے امام صاحب اس طریقہ کو ناجائز کہتے ہیں۔

حدیث میں مقام امام

ان قیودات کا تقاضہ ہے کہ امام صاحب کی مرویات کی تعداد بہت کم ہونا چاہیے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ وہ حافظ حدیث ہیں اور ان تمام شروط اور قیودات کے ساتھ ہیں اور کمال اسی کا نام ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں بیان کیا ہے۔

> تیسواں باب اس بارے میں کہ امام ابوحنیفہ کثیر الحدیث اور عیان حفاظ میں سے تھے۔(۱)

قاضی ابو یوسف (جن کو یحییٰ بن معین صاحب الحدیث کہتے ہیں) فرماتے ہیں۔

> جب ان کی رائے قائم ہو جاتی تو میں حلقہ درس سے اٹھ کر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا اور ان سے اس مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرتا اور آکر امام صاحب کی خدمت میں پیش کرتا تو آپ بعض کو قبول کرتے اور بعض کے بارے میں فرماتے یہ صحیح نہیں ہے۔میں کہتا کیوں؟ تو فرماتے کوفہ میں جس قدر علم ہے میں اس کا عالم ہوں۔(۲)

یہ ہے امام صاحب کا کمال دوسرے محدثین کے یہاں یہ بات نہیں ہے بخاری میں سے اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو کل ۲۷۶۱ حدیثیں ہیں۔موطا امام مالک میں دس ہزار حدیثیں تھیں لیکن دوبارہ ترتیب میں چھ سو یا سات سو احادیث باقی رہیں۔

---

(۱) سیرت النعمان ص ۸۰۔ (۲) ایضاً

Marfat.com

اِس کا ہمارے پاس کیا جواب ہے کہ محدثین نے امام صاحب کے شاگردوں سے تو روایت کو لیا اور امام صاحب کو سند میں سے نکال دیا اور کہہ دیا کہ وہ ضعیف ہیں حالانکہ ان روایات میں ضعف مابعد کے راویوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ہاں دوسرے محدثین پر تو اعتراض ہوسکتا ہے کہ ان کے یہاں ضعف ہے کیونکہ ان کے یہاں وہ شرائط نہیں جو امام صاحب کے یہاں ہیں۔ سطور ذیل میں امام صاحب کے متعلق چند رائیں پیش ہیں۔

محدثین کے آراء

۱۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں خدا کی قسم امام ابوحنیفہ سوائے حدیث کے رائے کو اختیار کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

۲۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں اس کو امام ابوحنیفہ کی رائے نہ کہو بلکہ حدیث کی تفسیر کہو۔

۳۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں میں نے تفسیر حدیث کے معاملہ میں امام صاحب سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔

۴۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں امام ابوحنیفہ حدیث میں اعلم الناس ہیں۔

۵۔ یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے زمانے کے تمام محدثین کی حدیثوں کو یاد کر رکھا تھا لیکن انھوں نے انھیں حدیثوں کو اختیار کیا جن پر آخر زمانہ میں رسول اللہ صلعم کا عمل تھا۔

۶۔ معمر کہتے ہیں شرح حدیث میں امام صاحب سے زیادہ عالم میں نے نہیں دیکھا۔

۷۔ عمر بن دینار کہتے ہیں نعمان بن ثابت بہت اچھے آدمی ہیں جس حدیث میں فقہ ہوتا ہے اس کو اچھی طرح یاد رکھتے ہیں۔

۸۔ حسن بن زیاد کہتے ہیں امام صاحب نے چار ہزار احادیث روایت کی ہیں دو ہزار حماد سے اور دو ہزار دیگر مشائخ سے۔

۹۔ ابن حجر مکی کہتے ہیں امام صاحب نے لوگوں کو کبھی بھی اپنے مسلک کی طرف جناب رسول اللہ صلعم کے بلا اشارہ منامی کے دعوت نہیں دی۔ (۱)

---

(۱) مقدمہ اوجز المسالک متفرقاً۔

Marfat.com

یعنی فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو جناب رسول اللہ صلعم کی مرضی کے خلاف ہو اور حضور صلعم ان مسائل کو پسند نہیں فرما سکتے جو قرآن اور ان کی سنت کے خلاف ہو۔

امام صاحب کے حدیث میں شاگرد

امام صاحب کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ علامہ ذہبی نے فرمایا ہے آپ کے آٹھ سو شاگرد تھے۔ علامہ موفق نے بحساب حروف تہجی اور معہ اوطان سات سو شاگردوں کی نشان دہی کی ہے اور فرمایا ہے یہ آپ کے بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ صاحب جواہر نے کہا ہے کہ آپ کے چار ہزار شاگرد تھے۔

یہ تعداد مبالغہ آمیز نہیں ہے کیونکہ آج کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے شاگردوں کی تعداد بھی چند برسوں میں سینکڑوں سے تجاوز کر جاتی ہے۔ جب کہ ہندوستان میں تعلیم کی تعداد ۴۰ فیصد ہوئی ہے اور خیر القرون میں تو تعلیم کے شیوع کا معاملہ ۸۰ یا ۹۰ فیصد تھا اس وقت یہ تعداد ہونا قرین قیاس ہے۔ صاحب جواہر نے تحریر فرمایا ہے کہ سمرقند میں ایسے قبرستان موجود ہیں جن میں چار سو سے زائد ''محمد'' نام کے فقہا مدفون ہیں اور ایک قبرستان تو ایسا ہے جس کو قبرستان اصحاب ابی حنیفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے مدفونین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔[1] اس جگہ میں نے امام صاحب کے سو سے زائد ان شاگردوں کے اسماء کی فہرست نقل نہیں کی جن کی احادیث صحاح ستہ میں بھی ہیں اور جامع المسانید میں بھی جس کا جی چاہے یہ طویل فہرست مقدمہ تنسیق النظام میں دیکھ سکتا ہے۔ اور مزید اطمینان کے لئے جامع المسانید بھی موجود ہے اور صحاح ستہ بھی۔

کتب احادیث

امام صاحب کے بارے میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ ان کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ حالانکہ یہ قول معتزلہ کا ہے۔[2] اس قول سے بعض حنفیہ بھی متاثر نظر آتے ہیں۔[3] بات یہ نہیں ہے بلکہ امام صاحب کی تصانیف موجود ہیں مثلاً وصایا، العالم والمتعلم، فقہ اکبر وغیرہ۔ ان

---

(۱) الجواہر المضیہ ص ۴، ج ۱۔ (۲) جواہر ص ۴۶۱، ج ۲۔ (۳) مثلاً علامہ شبلی۔

Marfat.com

کتابوں کے متعلق تو ہم آئندہ صفحات میں عرض کریں گے یہاں سر دست چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ صاحب کتاب یا مصنف ہونے کے لئے یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ خود ہی ہاتھ میں قلم ودوات لیکر بیٹھے تب ہی وہ کسی کتاب کا مصنف یا مولف ہوسکتا ہے۔

۲۔ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔اسی وجہ سے اس کو کتاب اللہ کہا جاتا ہے حالانکہ اس کی جمع وترتیب کا کام اولاً جناب رسول اللہ صلعم نے کیا باین معنی کہ آپ نے فرمادیا کہ اس سورت کو یا اس آیت کو فلاں جگہ لکھدو۔آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ نے ان متفرق سورتوں کو ایک جگہ جمع کردیا۔

۳۔ بہت سے ائمہ ہیں جن کی طرف احادیث کے بڑے بڑے ذخیرے منسوب ہیں لیکن انہوں نے اپنے قلم سے ان کو مدون نہیں کیا۔مسند امام احمد کے بارے میں علماء کی یہی رائے ہے۔

۴۔ بہت سے مولف یا مصنف نابینا ہوئے ہیں اور انھوں نے کتابیں املا کرائی ہیں مثلاً مصر کے ڈاکٹر طہ حسین۔

۵۔ بہت سے مشائخ کی تقریریں جن کو تلامذہ لکھ لیتے ہیں۔ان کی طرف منسوب ہوتی ہیں نہ کہ ان تلامذہ کی طرف۔

۶۔ اکابر کے انتقال کے بعد ان کے خطوط کو جمع کرکے شائع کیا جاتا ہے۔یہ تمام صورتیں وہ ہیں کہ جن کی وجہ سے کتاب کا مصنف اور کوئی ہوتا ہے اور جامع اور کوئی لیکن کتاب کو جامع کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔اسی قاعدہ پر امام صاحب کی کتابوں کو بھی منطبق کرنا چاہیے تو پھر ان شاء اللہ امام صاحب کی کتابوں کی تعداد معلوم ہو جائے گی۔

مسانید امام اعظم

اسی قاعدے کے ماتحت حدیث میں امام صاحب کے ۱۵ مسانید ہیں۔(۱)

---

(۱) مقدمہ جامع المسانید ابوزہرہ ص۱۹۲۔

Marfat.com

۱۔	جامع	ابو محمد عبداللہ الحارثی بخاری	م ۳۴۰ھ
۲۔	〃	الحافظ ابوالقاسم	
۳۔	〃	الحافظ ابوالخیر محمد بن المظفر	م ۳۷۹ھ
۴۔	〃	حافظ ابونعیم	م ۴۳۰ھ
۵۔	〃	ابوبکر بن عبدالباقی	
۶۔	〃	ابواحمد بن عبداللہ جرجانی	
۷۔	〃	امام الحسن اللولوی	م ۲۰۴ھ
۸۔	〃	حافظ عمر بن الحسن الاشنانی	
۹۔	〃	ابوبکر احمد بن الکلاعی	
۱۰۔	〃	حافظ ابوعبداللہ محمد بن الحسین	
۱۱۔	〃	حماد بن ابی حنیفہ	م ۱۷۶ھ
۱۲۔	〃	حافظ ابوالقاسم	
۱۳۔	〃	امام محمد	م ۱۸۹ھ
۱۴۔	〃		
۱۵۔(۱)	〃	امام ابویوسف المعروف بہ کتاب الآثار	م ۱۸۳ھ

ان مسانید پر مختلف حضرات نے کام کیا ہے بعض نے ابواب فقہیہ پر مدون کیا اور اس کی شرح بھی کی اور بعض نے ان پر حاشیہ لکھا چنانچہ علامہ صدر الدین بن موسیٰ حصفکی م ۶۵۰ھ نے ترتیب شیوخ پر مسند امام اعظم کو مرتب کیا۔ ان کے بعد علامہ سندی نے سنن اور ابواب فقہیہ پر مرتب کیا۔

مسند امام اعظم کی شروح لکھنے والے بہت سے حضرات ہیں لیکن میری نظر سے صرف دو ہی گزرے ہیں۔(۲) شرح ملا علی قاری (۳) تنسیق النظام از ابوالحسن اسرائیلی سنبھلی۔ مسند اعظم پر سب سے بڑا کام امام ابی المویئد محمد بن محمود خوارزمی م ۶۶۵ھ نے کیا ہے انھوں نے تمام مسانید کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ یہ سب مسانید امام صاحب کی طرف منسوب ہیں مذکورہ اصول

(۱) مقدمہ انوار الباری۔ (۲) ابوزہرہ ص ۱۹۲۔ (۳) ایضاً۔

Marfat.com

کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا یہ امام صاحب کی مسانید نہیں ہیں۔ ابوزہرہ مصری کہتے ہیں۔

ولیس ذلک بقارح فی صحة نسبتها(۱)

امام صاحب کی طرف منسوب کرنا اور دوسروں کا جامع ہونا مضر نہیں ہے۔

کتاب الآثار امام محمد

پندرہ مسانید میں سے ایک یہ بھی ہے جس کو امام محمد نے قال اخبرنا ابوحنیفہ عن فلاں کہہ کر امام صاحب سے روایت کیا ہے۔ اس کو حافظ ابن حجر نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ امام صاحب کی کتاب ہے۔(۲) امام محمد نے اس کو ابواب فقہیہ پر ترتیب دیا ہے اس کی ایک عظیم شرح استاذ محترم مولانا مفتی مہدی حسن صاحب نے لکھی ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔

کتاب الآثار امام ابو یوسف

یہ بھی پندرہ مسانید میں سے ایک ہے اس کو بھی حافظ ابن حجر نے امام صاحب کی کتاب تسلیم کیا ہے۔(۳)

حدیث کے عنوان کے تحت یہ چند چیزیں ہم نے پیش کر دی جن سے حدیث میں امام صاحب کا مقام اور مرتبہ معلوم ہوتا ہے۔ یوں اعتراض کرنے کو خدا نے ہر ایک کے منہ میں زبان دی ہے لیکن اس سے حاصل کچھ نہیں۔ امام صاحب بہر حال امام ہیں۔ جس نے ان پر اعتراض کیا ہے یا جس نے ان کی حدیث کو نہیں لیا یا بعض الناس کہہ کر اپنے جذبات کو تسکین دی ہے وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔

---

(۱) ایضاً۔ (۲) ایضاً۔

Marfat.com

باب پنجم

فقہ حنفی یا دستور اسلامی کی تاریخ وتدوین

جناب رسول اللہ صلعم کے زمانے تک ''اسلام'' میں زندگی گذارنے کے طریقوں (عقائد، عبادات و معاملات) کے لیے اصطلاحات کی کثرت اور شیوع نہیں تھا ہاں فرض، واجب، سنت، مکروہ، حرام وغیرہ اصطلاحی اسماء کا وجود ضرور تھا۔ حضرات صحابہؓ جیسا حضور صلعم کو کرتے دیکھتے یا جو کچھ آپ سے سنتے تھے اس کو عملاً اختیار کر لیتے تھے۔

عہد نبوی میں جب اسلام پورے جزیرۃ العرب میں پھیل چکا تھا۔ حجاز کے علاوہ جو قبائل زیادہ فاصلے پر آباد تھے وہ دین کی باتیں سیکھنے آتے تھے۔ اور واپس آ کر اپنے قبیلوں میں ان ہی تعلیمات کو سکھلاتے تھے۔ حضور صلعم بھی مدینہ منورہ سے عمال کو مختلف قبیلوں میں اسی غرض سے بھیجتے تھے۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت علی رضی اللہ عنہم کو ان قبائل میں اسی غرض سے بھیجا گیا۔

اس کے بعد خلافت راشدہ کا زمانہ آیا جس میں اسلام دوسرے ملکوں میں بھی پہنچ گیا۔ جہاں کا رنگ ڈھنگ، طرز معاشرت اور زبان مختلف تھی۔ وہاں پہنچ کر اسلامی تعلیمات، عقائد، معاملات، عبادات کی اہمیت کو مختلف الفاظ مثلاً فرض، واجب، سنت، مکروہ، حرام وغیرہ سے ظاہر کرنا پڑا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو وہ لوگ امور دینیہ کی اہمیت سمجھنے سے قاصر رہتے۔

چونکہ ان مفتوحہ ممالک (ایران، شام، عراق، مصر، ایشیائے کوچک) تک حضرات صحابہؓ پہنچ چکے تھے۔ اور انہوں نے وہاں کی بود و باش بھی اختیار کر لی تھی۔ اور تھے بھی یہ حضرات دین کے ستون۔ اس لیے احکامات اسلامی کے لیے یہی لوگ مرجع قرار پائے ان حضرات نے قرآن وسنت کی خوب اشاعت کی۔ اور اسی کو احکامات میں اپنا مرجع بنایا لیکن

Marfat.com

اختلاف ادوار اور ضروریات زندگی کے ابھار کے باعث انہیں جو چیزیں پیش آئیں ان کا جواب انہوں نے قرآن وحدیث کی علل مستنبطہ کے ذریعہ دیا۔ خلیفہ وقت کی طرف سے بھی اپنے مقررہ عمال کو یہی حکم تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک عامل کو تحریر فرمایا۔

> اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرو۔ بالخصوص اس مسئلہ میں جو تمہارے دل میں موجب تردد ہو رہا ہو۔ اگر قرآن وسنت سے تم کو وہ بات نہ معلوم ہو تو ایسے موقعہ پر ملتے جلتے ایک دوسرے سے مشابہ مسائل کو پہچانو! پھر مسائل میں قیاس سے کام لو۔ اور جو جواب تم کو اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور حق سے زیادہ قریب نظر آئے اس کو اختیار کرو۔ (۱)

لہٰذا حضرات صحابہؓ نے یہی کیا۔ اور یہ ظاہر ہے قیاس میں اختلاف ضرور پیدا ہوگا کیونکہ یہ ممکن نہیں سب کا ایک ہی قیاس ہو۔ کیونکہ اگر پورا قرآن پاک تمام صحابہؓ کو یاد بھی ہو لیکن سنن نبویہ کے بارے میں تو یہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے جوابات میں اختلاف ناگزیر تھا۔ پھر احکامات اور مسائل بتلانے والے ایک دو صحابی نہیں تھے بلکہ ایک بڑی جماعت تھی۔ جن میں سے بعض کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بعض کے بہت ہی کم۔ سطور ذیل میں ان حضرات صحابہؓ کی ایک فہرست پیش کی جارہی ہے جو کثیر الفتاویٰ تھے۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ اگر ان کے تمام فتاویٰ کو یکجا کرلیا جائے تو بڑی بڑی کتابیں بن جائیں گی۔

حضرات صحابہ میں اہل افتاء

۱۔ حضرت عمرؓ	۲۔ حضرت علی مرتضےٰ
۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۴۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ
۵۔ حضرت زید بن ثابتؓ	۶۔ حضرت ابن عباسؓ
۷۔ حضرت ابن عمرؓ	

ان سات حضرات کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کے علاوہ بیس صحابہؓ وہ ہیں کہ جن کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ تو نہیں لیکن کم بھی نہیں ہے۔

---

(۱) تاریخ علم الفقہ، فقہ الاسلام ص ۲۱۳ مطبوعہ کراچی۔

مثلاً ۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ	۲۔ حضرت ام سلمہؓ
۳۔ حضرت انسؓ	۴۔ حضرت ابوہریرہؓ
۵۔ حضرت عثمانؓ	۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ
۷۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ	۸۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ
۹۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	۱۰۔ حضرت سلمان فارسیؓ
۱۱۔ حضرت جابرؓ	۱۲۔ حضرت معاذ بن جبلؓ
۱۳۔ حضرت ابوسعید خدری	۱۴۔ حضرت طلحہ
۱۵۔ حضرت زبیرؓ	۱۶۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ
۱۷۔ حضرت عمران بن حصین	۱۸۔ حضرت ابوبکرہؓ
۱۹۔ حضرت عبادہ بن الصامتؓ	۲۰۔ حضرت امیر معاویہؓ(۱)

ان حضرات کے علاوہ ۱۲۲ صحابہؓ وہ ہیں جن میں سے بعض حضرات کے صرف ایک یا دو ہی فتوے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو اس فہرست میں داخل نہیں کیا گیا۔

یہ حضرات صحابہؓ پوری اسلامی قلمرو میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور تعلیم دین، احکامات دین کی نشرواشاعت میں لگے ہوئے تھے ۱۱۰ھ میں ان کے آخری فرد حضرت ابوالطفیل نے انتقال کیا۔ اب احکامات کی نشرواشاعت کا کام ان کے شاگردوں (تابعین) نے شروع کر دیا۔ چنانچہ اس زمانہ میں ۷ مقامات ایسے تھے جہاں تعلیمات دین کے لیے بڑی درسگاہیں اور دارالافتا قائم تھے۔ ان مقامات پر بڑے بڑے جید تابعی موجود تھے اور کام کر رہے تھے۔ وہ سات مقامات یہ ہیں۔ (۱) مدینہ منورہ (۲) مکہ معظمہ (۳) کوفہ (۴) بصرہ (۵) دمشق (شام) (۶) مصر (۷) یمن۔

کوفہ کی درسگاہ

کوفہ کے متعلق تفصیلی حالات تو ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں اس لیے ان کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ ۱۲۰ھ سے قبل امام ابوحنیفہ کی حیثیت ایک طالب علم کی

(۱) تاریخ الفقہ ص ۲۷۔

Marfat.com

تھی لیکن ۱۲۰ھ میں امام حماد کے انتقال کے بعد امام صاحب ایک مستقل معلم اور مفتی اور کوفہ کی درسگاہ کے صدر نشین ہو گئے۔

امام صاحب چونکہ نہایت فہیم و ذکی تھے۔ انہوں نے سوچا۔ اب علم کسی ایک جگہ اور ایک فرد کے پاس نہیں ہے۔ بلکہ وہ اطراف عالم میں منتشر ہو چکا ہے۔ اس کو اگر یکجا نہ کیا گیا تو وہ ضائع ہو جائے گا یا پہلی امتوں کی طرح اس کی اصل صورت بدل جائے گی۔ پھر ان کی نظروں کے سامنے واضعین حدیث کے تصریحات موجود تھے۔ امام صاحب یہ بھی جانتے تھے کہ اختلاف ازمان و احوال اور حوائج کی وجہ سے ایک صدی میں بہت بڑا تغیر ہو چکا ہے تو آئندہ ادوار میں کب یہ تغیر رُک سکتا ہے۔ اس لیے اس علم کو یکجا کرنا چاہیے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے ایسا دستور العمل مرتب کر دینا چاہیے جس میں تمام چیزوں کی رعایت ہو۔ اس لیے اسلامی قانون کی تدوین اور اس کے اصول کا متعین کرنا ضروری ہے۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آج سے پہلے جو افراد تھے وہ آج نہیں ہیں زمانہ انحطاط کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ آج جو جبال العلوم ہیں ان سے استفادہ کرنا چاہیے اور جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کے آثار سے استفادہ کرنا چاہیے اور ان کو اصول وضوابط کے ماتحت مبوب، مرتب، مدون کر دینا چاہیے۔ لہٰذا امام صاحب نے ۱۲۰ھ سے ہی اپنی درسگاہ کو اس نہج پر چلا دیا اور تدوین کا کام شروع کر دیا درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے اس کام کو بند بھی کر دیا تھا۔ لیکن ۱۳۲ھ سے پھر پابندی کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا اور بالآخر ۱۵۰ھ تک اس کام کو پورا کر دیا۔

فجزاهُ الله عنی وعن جمیع المسلمین الی یوم القیامة خیرا و احسن الجزا.

ضرورت تدوین فقہ

سطور بالا سے اجمالاً اگرچہ ضرورت تدوین فقہ پر کچھ روشنی پڑ چکی ہے لیکن قدرے تفصیل اس جگہ کی جا رہی ہے۔

حضرات شیخین سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں تمام مسلمان

Marfat.com

متحد تھے۔ مذہبی اختلافات بھی زیادہ نہیں تھے بلکہ نفی کے درجہ میں تھے لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے آخری عہد خلافت میں سیاسی فتنے شروع ہو گئے۔ جنہوں نے آگے چل کر مذہبی صورت اختیار کر لی۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں ان فتنوں نے خونی صورت اختیار کر لی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت راشدہ کے بعد ہی مسلمانوں میں سیاسی بنیاد پر مذہبی فرقہ تبدیلیاں پیدا ہو گئیں چنانچہ خارجی اور شیعہ ان دونوں فرقوں کا وجود عمل میں آ گیا۔

بنی امیہ کے وسطی دور حکومت میں علمائے اسلام کی بھی دو جماعتیں بن گئیں۔ ایک اہل حدیث جو صرف ظاہر حدیث پر عمل کرنے کو واجب اور ضروری سمجھتے تھے۔ قیاس اور رائے ان کے یہاں حرام کا درجہ رکھتے تھے۔ اس خیال کے تین گروہ ہیں (۱) معتزلہ اس کا سربراہ نظام معتزلی ہے۔ (۲) امامیہ شیعہ (۳) ظاہری اس کا سربراہ داود بن علی الظاہری ہے۔ نظام پہلا شخص ہے جس نے قیاس کا انکار کیا۔ ابوالقاسم بغدادی لکھتے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے نظام سے پہلے کسی نے قیاس کا انکار نہیں کیا تھا۔ (۱)

ان کے علاوہ دیگر تمام علماء قیاس کو دلیل شرعی مانتے ہیں۔ اس کے لیے ان حضرات نے اصول مرتب کئے۔ اس باب میں عراق میں ابراہیم نخعی اور حجاز میں امام مالک کے استاذ ربیعۃ الرائے اس زمانے کے مشہور عالم ہیں۔ ابراہیم نخعی کے بعد امام حماد اور ان کے بعد امام ابوحنیفہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ان حضرات نے روایت اور درایت کو یکجا کیا۔

پہلی صدی کے آخر میں روایات حدیث کی کثرت اور واضعین حدیث کے فتنے نے بھی مسائل میں اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ یہ فتنہ اتنا بڑا تھا کہ جس میں احادیث کے ضائع ہونے کا اندیشہ پیدا ہو چلا تھا۔ عین اسی موقعہ پر عمر بن عبدالعزیز نے اس خطرہ کو محسوس کیا اور فوراً ہی تدوین حدیث کا کام شروع کرا کر تحفظ حدیث کا بندوبست کر دیا۔

دوسری صدی کے شروع میں اہل حدیث اور اہل الرائے کے درمیان ایک سخت نزاع پیدا ہو گیا چنانچہ سوال پیدا ہوا کہ ''حدیث'' فقہ اسلام کی اصل اور قرآن کی متمم ہے یا نہیں پھر کثرت احادیث کی وجہ سے احادیث کی نوعیت میں اختلاف پیدا ہوا۔ قیاس اور استحسان کے ذریعے استخراج مسائل میں اختلاف پیدا ہوا۔ اجماع کے اصل شرعی ہونے میں اختلاف نہی

(۱) فقہ الاسلام ص ۲۳۰۔

Marfat.com

اور امر کے صیغوں سے استنباط احکام میں اختلاف غرض کہ دوسری صدی ہجری کے ربع الاول میں علم کے ہر گوشہ میں اختلاف موجود تھا۔

عام مسلمان قاضیوں کے مختلف فیصلوں کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ چنانچہ ابن المقفع نے خلیفہ ابو جعفر منصور کو اپنے خط میں لکھا ہے۔

> عدالتوں میں بدنظمی چھائی ہوئی ہے ان میں کسی مشہور قانون کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ان فیصلوں کا دارومدار قاضیوں کے اپنے اجتہاد پر ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی شہر میں متضاد احکام صادر ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک قاضی کے حکم کے مطابق اگر کوفہ کے ایک علاقہ میں بعض لوگوں کی جان و مال اور عصمت کے خلاف فیصلہ دیا جاتا ہے تو دوسرے علاقہ میں دوسرے قاضی کے فیصلہ کے مطابق اس کی حمایت میں فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ (1)

وجہ اس کی یہی تھی کہ کوئی قانون مدون نہیں تھا۔ امام صاحب نے اسی قسم کی موجودہ اور آئندہ ضروریات کو محسوس کیا اور قانون اسلامی کو مدون کرنا شروع کر دیا اور امت مسلمہ پر ہی نہیں بلکہ تمام دنیا پر بڑا احسان فرمایا۔ اسی وجہ سے قانون سازی کی تاریخ میں امام ابو حنیفہ کا نام سرفہرست ہے اور قانون ساز اسمبلیوں کے لیے اس فرزند جلیل کی ہدایات منارۂ نور ہیں۔

کیفیت تدوین فقہ

تدوین فقہ کا کام شروع کرنے سے پہلے یہ مسئلہ زیر غور آیا کہ اس مجلس کو کس جگہ قائم کرنا چاہیے۔ بہت غور و فکر کرنے کے بعد کوفہ کو ترجیح دی گئی کیونکہ کوفہ اس کام کے لیے بہت عمدہ صلاحیت رکھتا تھا۔ مختلف عربی و عجمی تہذیبیں وہاں موجود تھیں۔ قسم قسم کے مسائل وہاں اُٹھتے رہتے تھے۔ اہل علم بھی بہت تھے۔ اس کے علاوہ عرب کے دوسرے شہروں کی تہذیب خالص عربی و سادہ تھی۔ اور ایک قانون ساز کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیا کی تہذیبوں کو بنظر غائر مطالعہ کرے اور ان سے پیدا شدہ مسائل و ضروریات و حوائج کے اُبھار کو ہرگز نظر انداز نہ

(1) فقہ الاسلام ص ۳۲۷، یہ حالات ۱۳۲ھ کے ہیں اسی کے بعد سے امام صاحب نے پابندی کے ساتھ تدوین کے کام کو جاری رکھا۔

Marfat.com

کرے۔ آج بھی جو لوگ بسم اللہ کے گنبد میں محصور ہو کر پرانی لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں اور عرف عامہ اور رواجات زمانہ سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ وہ دین کا مذاق اُڑا رہے ہیں انہیں ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کی زندگیوں پر حرام حلال کے فتوے صادر کریں۔ میرے نزدیک وہ فقہ حنفی کے مزاج سے یکسر جاہل ہیں۔ وہ وقت دور نہیں ہے کہ ان نام نہاد مفتیوں کے ہاتھوں سے قلم لے کر توڑ دیا جائے گا۔

بہر حال کوفہ میں یہ سب چیزیں موجود تھیں اور امام صاحب نے جس کام کا بیڑا اُٹھایا تھا اس کے لیے بھی ضرورت ایسی ہی جگہ اور ہوشیار افراد کی تھی۔ اس لیے انہوں نے ایک مجلس شوریٰ جو مجلس مباحثہ تھی کو مرتب کیا۔ علامہ موفق فرماتے ہیں۔

فوضع ابو حنيفة مذهبهٔ شوریٰ بينهم لم يستبد فيه بنفسه دونهم (۱)

امام صاحب نے اپنے مسلک کو مشورہ پر رکھا اور مجلس سے کٹ کر فقہ کو صرف اپنی ذات پر موقوف نہیں رکھا۔

چنانچہ امام صاحب نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس ماہر فن اشخاص منتخب کئے۔ امام طحاوی نے بسند متصل بیان کیا ہے کہ اس مجلس کے اراکین کی تعداد چالیس تھی۔ یہ سب کے سب حضرات درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان چالیس میں سے دس بارہ حضرات کی ایک اور مجلس خصوصی تھی۔ جس کے رکن امام ابو یوسف امام زفر، داود طائی، احمد بن عمر، یوسف بن خالد، یحییٰ بن زائدہ، امام محمد، عبداللہ بن مبارک اور خود امام ابو حنیفہ تھے۔ (۲) مجلس تدوین فقہ کے متعلق وکیع بن الجراح مشہور محدث فرماتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے کام میں کس طرح غلطی باقی رہ سکتی تھی جب واقعہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر، محمد جیسے لوگ قیاس واجتہاد کے ماہر موجود تھے۔ اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، حبان، مہندل جیسے ماہرین حدیث ان کے ساتھ تھے۔ اور لغت اور عربیت کے ماہر قاسم بن معن یعنی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے

---

(۱) موفق ص ۱۲۳ ج ۲۔

(۲) الجواہر المضیہ ص ۱۴۰ ج ۱ متفرقاً

Marfat.com

شریک تھے اور داؤد بن نصیر طائی، فضیل بن عیاض زہد اور تقویٰ اور پرہیز گاری رکھنے والے حضرات موجود تھے لہٰذا جس کے رفقاء کار اور ہم نشین ایسے لوگ ہوں وہ غلطی نہیں کرسکتا کیونکہ غلطی کی صورت میں صحیح امر کی طرف یہ لوگ واپس کرنے والے تھے۔ (۱)

امام ابوحنیفہ نے استنباط مسائل کا یہ طریقہ مقرر کیا کہ اولاً کتاب اللہ پھر سنت نبویہ پھر آثار صحابہؓ اور اس کے بعد قیاس امام صاحب کی نظر احادیث کے بارے میں بہت اور بین تھی وہ حدیث کے قوی، ضعیف، مشہور، احاد کے علاوہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ آخری امر جس پر جناب رسول اللہ صلعم کا وصال ہوا ہے وہ کیا تھا۔ اگر حجازی اور عراقی صحابہؓ کی احادیث میں اختلاف ہوتا تو ہر بنائے فقہ افقہ کی روایت کو ترجیح دیتے تھے۔

مسائل کے استنباط میں امام صاحب اسی مذکورہ ترتیب کے ساتھ استحسان، مصالح مرسلہ ضروریات زمانہ کو بھی پیش نظر رکھتے تھے اور سوچ سوچ کر اس قسم کے جزئیات پر بحث کرتے تھے کہ جن کا اب تک وجود نہیں ہوا تھا۔ امام صاحب فرماتے ہیں۔

اہل علم کو چاہیے کہ جن باتوں میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا امکان ہے ان کو بھی سوچ لیں ...... تاکہ اگر واقعہ ہی ہو جائے تو انہیں انوکھی بات نظر نہ آئے کہ جس سے لوگ پہلے سے واقف نہ ہوں بلکہ معلوم رہنا چاہیے کہ ان امور میں اگر کسی کو مبتلا ہی ہونا پڑے تو شرعاً ابتلا کے وقت کیا کرنا چاہیے اور مبتلا ہونے کے وقت شریعت نے کیا صورت بتلائی ہے۔ (۲)

اسی وجہ سے قیس بن ربیع مشہور محدث کہتے ہیں۔

کان ابو حنیفه اعلم الناس بمالم یکن (۳)

امام صاحب ان مسائل کو بھی سب سے زیادہ جانتے تھے کہ جن کا وجود نہیں ہوا تھا۔

اسی وجہ سے امام صاحب نے مجلس تدوین میں ان تمام مسائل پر بحث فرمائی ہے کہ جن

---

(۱) جامع المسانید، ص ۳۳

(۲) موفق ص ۶۰۔

(۳) ایضاً

Marfat.com

کے وقوع کا امکان ہوسکتا تھا۔ آپ کے گرد تلانذہ کا مجمع ہوتا تھا اور آپ جزئیات پیش کیا کرتے اور جواب حاصل کرتے اگر سب کا جواب ایک ہی ہوتا تو مسئلہ اسی وقت قلمبند کرلیا جاتا تھا ورنہ پھر بحث کا سلسلہ جاری رہتا اور جو بھی آخر میں فیصلہ ہوتا وہی بات قرار پا جاتی۔

خدمت کتابت اسد بن عمر یحییٰ بن زکریا بن زائدہ اور امام ابو یوسف کے سپرد تھی۔ اختلافات کے ساتھ بحث کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا کبھی کبھی ایک ایک مسئلہ پر مہینے گذر جاتے تھے۔ امام صاحب خاموشی سے سب کی دلیلیں اور تقریریں سنا کرتے تھے البتہ کبھی کبھی بیچ میں یہ آیت پڑھ دیا کرتے تھے۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول ویتبعون احسنهٗ الأیة

آپ میرے ان بندوں کو بشارت دیدیں جو بات سنتے ہیں اور احسن قول کا اتباع کرتے ہیں۔

جب کلام بہت طویل ہو جاتا تو امام صاحب اپنی تقریر شروع فرماتے تھے۔ اور ایسا محکم فیصلہ فرماتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا تھا کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض اراکین اپنی رائے پر قائم رہتے تھے تو اس صورت میں سب کے اقوال قلمبند کر لیے جاتے تھے۔ اس کا بھی التزام تھا کہ جب تک شوریٰ کے خصوصی اراکین جمع نہ ہوں کوئی مسئلہ طے نہ کیا جائے۔ چنانچہ الجواہر المضیہ کے مصنف نے عافیہ بن یزید کے تذکرے میں اسحاق سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد آپس میں کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اور عافیہ موجود نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ ذرا عافیہ کو آنے دو۔ جب وہ آجاتے اور مسئلہ سے اتفاق کرتے تب مسئلہ قلمبند کیا جاتا تھا اور جب کوئی مسئلہ حل ہو جاتا تو فرط مسرت سے سب ملکر نعرۂ تکبیر بلند کرتے تھے۔ (۱)

تقریباً ۲۲ سال کی مدت میں امام صاحب نے قانون اسلامی کو مدون کر لیا تھا۔ یہ کتابیں کتب فقہ ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ یہ مجموعہ ۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل تھا۔ جس میں سے ۳۸ ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے باقی ۴۵ ہزار مسائل کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا۔ ان ہی مسائل کے ضمن میں دقائق نحو اور حساب بھی مزکوا تھے جن کے سمجھنے کے

(۱) موفق ص۵۴، ج۲

Marfat.com

لیے عربیت اور حساب کے ماہر کی ضرورت ہے۔ [۲]

اس مجموعہ کی ترتیب اس طرح تھی۔ باب الطہارت، باب الصلوٰۃ، عبادات کے بعد دوسرے ابواب اور ان کے بعد معاملات اور عقوبات کے ابواب تھے۔ آخر میں باب المیراث تھا۔ چنانچہ مروجہ تمام کتب حنفیہ اسی ترتیب پر آج بھی موجود ہیں۔

یہ مجموعہ اگرچہ ۱۴۴ھ سے پہلے مرتب ہو چکا تھا مگر بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے کیونکہ جب امام صاحب کو کوفہ سے بغداد جیل میں منتقل کر دیا گیا تو یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ امام محمد کا امام صاحب کی مجلس سے تعلق وہیں سے ہوا ہے اضافہ کے بعد اس مجموعہ کی تعداد ۵۰ لاکھ مسائل ہو گئی تھی۔ [۲] حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

کتبت کتب ابی حنیفہ غیر موۃ کان یقع فیھا ذیادات فاکتبھا۔ [۳]

میں نے امام صاحب کی کتابوں کو متعدد بار لکھا۔ ان میں اضافے بھی ہوتے رہے میں ان اضافوں کو بھی لکھتا تھا۔

اس مجموعہ کو امام صاحب کے زمانے ہی میں شہرت حاصل ہو گئی تھی۔ اس کے جس قدر اجزاء تیار ہو جاتے تھے ہاتھوں ہاتھ چلے جاتے تھے۔ عدالتوں میں قضاۃ نے سرکاری طور پر ان اجزاء کو رکھوالیا تھا۔ جب یہ مجموعہ بالکل تیار ہو گیا تو امام صاحب نے اپنے تمام شاگردوں کے سامنے ایک تقریر فرمائی۔

امام صاحب کی تقریر

میرے دل کی مسرتوں کا سارا سرمایہ صرف تم لوگوں کا وجود ہے۔ تمہاری ہستیوں میں میرے حزن وغم کے ازالہ کی ضمانت پوشیدہ ہے۔ فقہ (قانون اسلامی) کی زین کس کر تم لوگوں کے لیے تیار کر چکا ہوں۔ اس کے منہ پر تمہارے لیے لگام بھی چڑھا چکا ہوں۔ اب تمہارا جس وقت جی چاہے اس پر سوار ہو سکتے ہو۔ میں نے ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش قدم کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے۔ تمہارے ایک ایک لفظ کو لوگ تلاش کریں گے۔ میں نے گردنوں کو تمہارے لیے جھکا دیا اور ہموار کر دیا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم سب لوگ علم کی

(۱) جامع المسانید ص ۳۵، (۲) جامع المسانید ص ۳۵ (۳) ایضاً

Marfat.com

حفاظت میں میری مدد کرو۔تم سب میں سے چالیس آدمی ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک عہدۂ قضا کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔اور ان میں سے دس آدمی ایسے ہیں جو قاضی نہیں بلکہ ان کے معلم بھی بن سکتے ہیں۔میں تم سب کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور علم کا جو کہ تم کو ملا ہے اس کی عظمت وجلالت کا حوالہ دیتا ہوں۔میری تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی بےعزتی سے بچاتے رہنا۔اور اگر تم میں سے کسی کو قضا کی ذمہ داریوں میں مبتلا ہونا پڑے تو میں یہ کہے دیتا ہوں کہ ایسی کمزوریوں کا جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں۔جان بوجھ کر اپنے فیصلوں میں جو لحاظ کریگا اس کا فیصلہ جائز نہ ہوگا۔نہ اس کے لیے خدمت قضا حلال ہے اور نہ اس کی تنخواہ لینا حلال قضا کا عہدہ اس وقت درست ہے۔جب قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو۔اسی قضا کی۔تنخواہ حلال ہے۔بہرحال ضرورت کو دیکھ کر اس عہدے کی ذمہ داریوں کو تم میں سے جو قبول کرے میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کی عام مخلوق اور اپنے درمیان روک ٹوک کی چیزوں مثلاً دربان وغیرہ کو حائل نہ ہونے دینا۔پانچ وقت کی نماز مسجد میں پڑھنا۔ہمیشہ لوگوں کی حاجت پوری کرنے کو تیار رہنا امام یعنی مسلمانوں کا امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی غلط رویہ کو اختیار کرلے تو اس امام سے قریب ترین قاضی کا فرض ہوگا کہ اس سے باز پرس کرے۔(۱)

امام صاحب کا یہ مدون شدہ قانون اس وقت کے تمام علماء اور والیان ریاست کے کام آیا۔عدالتوں میں سرکاری طور سے اس کو داخل کرلیا گیا۔یحیٰی بن آدم فرماتے ہیں۔

قضی به الخلفاء والائمة والحكام واستقر علیه الامر (۲)

خلفاء حکام، ائمہ امام صاحب کے مدون کردہ فقہ کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے۔بالآخر اسی پر عمل ہونے لگا۔

شرکاء تدوین فقہ

۱۔	امام زفرؒ	م	۱۵۸ھ
۲۔	امام مالک بن مغول	م	۱۵۹ھ

(۱) معجم المصنفین ص۵۵، (۲) موفق ص ۴۷، ج ۲

Marfat.com

۳۔ امام داؤد طائی — م ۱۶۰ھ
۴۔ امام مندل بن علی — م ۱۶۸ھ
۵۔ امام نصر بن عبدالکریم — م ۱۶۹ھ
۶۔ امام عمر بن میمون — م ۱۷۱ھ
۷۔ امام حبان بن علی — م ۱۷۲ھ
۸۔ امام ابوعصمہ — م ۱۷۳ھ
۹۔ امام زہیر بن معاویہ — م ۱۷۳ھ
۱۰۔ امام قاسم بن معن — م ۱۷۵ھ
۱۱۔ امام حماد بن الامام اعظم — م ۱۷۶ھ
۱۲۔ امام ہیاج بن بسطام — م ۱۷۷ھ
۱۳۔ امام شریک بن عبداللہ — م ۱۷۸ھ
۱۴۔ امام عافیہ بن یزید — م ۱۸۰ھ
۱۵۔ امام عبداللہ بن مبارک — م ۱۸۱ھ
۱۶۔ امام ابویوسف — م ۱۸۲ھ
۱۷۔ امام محمد بن نوح — م ۱۸۲ھ
۱۸۔ امام ہشیم بن بشیر اسلمی — م ۱۸۳ھ
۱۹۔ امام ابوسعید یحییٰ بن زکریا — م ۱۸۴ھ
۲۰۔ امام فضیل بن عیاض — م ۱۸۷ھ
۲۱۔ امام اسد بن عمرو — م ۱۸۸ھ
۲۲۔ امام محمد بن الحسن — م ۱۸۹ھ
۲۳۔ امام علی ابن مسہر — م ۱۸۹ھ
۲۴۔ امام یوسف بن خالد — م ۱۸۹ھ
۲۵۔ امام عبداللہ بن ادریس — م ۱۹۲ھ
۲۶۔ امام فضل بن موسیٰ — م ۱۹۲ھ

Marfat.com

۲۷۔	امام علی بن ظبیان	م	۱۹۲ھ
۲۸۔	امام حفص بن غیاث	م	۱۹۴ھ
۲۹۔	امام وکیع بن الجراح	م	۱۹۷ھ
۳۰۔	امام ہشام بن یوسف	م	۱۹۷ھ
۳۱۔	امام یحیٰی بن سعید القطان	م	۱۹۸ھ
۳۲۔	امام شعیب بن اسحاق	م	۱۹۸ھ
۳۳۔	امام ابو حفص بن عبدالرحمٰن	م	۱۹۹ھ
۳۴۔	امام ابو مطیع بلخی	م	۱۹۹ھ
۳۵۔	امام خالد بن سلیمان	م	۱۹۹ھ
۳۶۔	امام عبدالحمید	م	۲۰۲ھ
۳۷۔	امام حسن بن زیادہ	م	۲۰۴ھ
۳۸۔	امام ابو عاصم النبیل	م	۲۱۲ھ
۳۹۔	امام مکی بن ابراہیم	م	۲۱۵ھ
۴۰۔	امام حماد بن دلیل	م	۲۱۵ھ[1]

ان حضرات پر مختصراً بھی کچھ لکھنا ایک مستقل تصنیف کو دعوت دینا ہے اس لے ان کے حالات سے گریز کیا جارہا ہے ہاں اتنا عرض ہے کہ ان حضرات کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

کتب فقہ ابی حنیفہ

اس میں شک نہیں کہ فقہ حنفی یا دستور اسلامی کے مولف اوّل امام ابو حنیفہؒ ہی ہیں۔ اور دیگر ائمہ آپ کے خوشہ چین ہیں اور سب ہی نے آپ کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ دور تدوین کے ان آثار علمیہ کے بارے میں علامہ شبلی نے فرمایا ہے۔

غالباً یہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ قلائد عقود الجمان کے منصف نے کتاب الصیانۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام صاحب نے

جس قدر مسائل مدونؒ کیے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے۔ یہ مسائل ٦ لاکھ تھے۔ یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں ان سے ان کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ (۱)

لیکن افسوس کہ اس مجموعہ کا کیا نام تھا یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ البتہ اقدمین کی کتابوں میں امام صاحب کی کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ مولف انوار الباری نے علامہ کوثری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کتاب الرائے، کتاب اختلاف الصحابہؓ کتاب الجامع، کتاب السیر، کتاب الاوسط، الفقہ الاکبر، العالم والمتعلم، کتاب، الردعلی القدریہ، رسالۃ الامام الی عثمان البتی، چند مکتوبات بطور وصایا، امام صاحب کا علمی تحفے ہیں۔ اور امام صاحب کے فقہی مجموعہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قلم سے آج بھی بعینہٖ موجود ہے۔ ان کتابوں کا نام جو کتب فقہ ابی حنیفہؒ کے نام سے موسوم ہیں سطور ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

کتب ظاہر الروایۃ

اس میں چھ کتابیں شمار ہوتی ہیں۔

(۱) جامع صغیر: اس کتاب میں امام محمد نے امام ابو یوسف کی روایت سے امام صاحب کے اقوال نقل کیے ہیں۔ اس کتاب کے مسائل کی تعداد ۱۵۳۲ ہے جن میں سے ۱۷۰ مسائل سے امام محمد نے اختلاف بھی کیا ہے اس کتاب کی چالیس شروحات لکھی گئی ہیں۔ (۲) جن میں سے خاص شرح یہ ہیں۔

۱۔ ابو اللیث سرقندی، ۲۔ صدر الاسلام بزدوی، ۳۔ فخر الاسلام علی بزدوی، ۴۔ شمس الائمہ سرخسی، ۵۔ الصدر الشہید حسام الدین، ٦۔ علامہ الاسبیجابی، ۷۔ برہان الدین صاحب المحیط، ۸۔ ابوبکر رازی، ۹۔ علامہ العتابی، ۱۰۔ علامہ تمرتاشی، ۱۱۔ احمد بن اسماعیل، ۱۲۔ علامہ المحبوبی، ۱۳۔ ابوالمعین النسفی، ۱۴۔ فخر الدین قاضی خان، ۱۵۔ بدرالدین عمر،

(۱) مقدمہ انوار الباری، امانی الاحبار، الجواہر المضیہ۔ (۲) سیرت النعمان ص ۱۰۹

Marfat.com

۱۶۔صاحب الہدایہ۔[1]

جامع صغیر کو محمد بن سماعہ اور عیسی بن ابان نے امام محمد سے روایت کیا ہے اس کتاب کی تبویب قاضی ابوطاہر محمد بن محمد الدبوسی سے نے کی ہے ہندوستان میں مولانا عبدالحیٔ فرنگی محل کے حاشیہ کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

جامع کبیر

یہ کتاب بھی جامع صغیر کی طرح ہے مگر اس میں مسائل زیادہ ہیں۔ اس کتاب میں امام صاحب کے اقوال کے علاوہ امام ابویوسف اور امام زفر کے اقوال بھی موجود ہیں۔ ہر مسئلہ کی دلیل بھی موجود ہیں۔ بعد کے فقہا نے اصول فقہ کے مسائل اسی کتاب سے اخذ کیے ہیں۔ اس کتاب کی شراح بھی بہت ہیں مثلاً قاضی ابوخازم، ۲۔الامام علی القمی، ۳۔امام ابوبکر بلخی، ۴۔شیخ ابوبکر رازی جصاص، ۵۔ابوعبداللہ جرجانی، ۶۔ابواللیث سمرقندی، ۷۔الامام المسعودی، ۸۔امام ابوالفضل کرمانی، ۹۔قاضی ابوزید الدبوسی، ۱۰۔امام برہان الدین، ۱۱۔شمس الائمہ حلوائی، ۱۲۔الصدر الشہید حسام الدین، ۱۳۔شمس الائمہ السرخسی، ۱۴۔فخر الاسلام البزدوی، ۱۵۔صدر الاسلام البزدوی، ۱۶۔قاضی الارسانیدی، ۱۷۔امام العتابی، ۱۸۔شیخ الاسلام علاؤ الدین سمرقندی، ۱۹۔فخر الدین قاضی خان، ۲۰۔امام ظہیر الدین، ۲۱۔جمال الدین الحصیری، ۲۲۔صدر الاسلام مجد الدین، ۲۳۔الامام السیجابی۔[2]

اسی جامع کبیر کو پڑھ کر ایک نصرانی مسلمان ہو گیا تھا اس نے کہا تھا کہ جب مسلمانوں کے چھوٹے محمد کا یہ حال ہے تو بڑے محمد کا کیا حال ہوگا۔

۳۔مبسوط

یہ امام محمد کی سب سے پہلی کتاب ہے اصل کے نام سے مشہور ہے اس میں امام محمد نے ایسے ہزاروں مسائل جمع کیے ہیں جن کا امام صاحب

(۱) الجواہر المضیہ ص۴۴۹، ج۲ (۲) الجواہر المضیہ ص۴۴۹، ج۲

Marfat.com

نے جواب دیا ہے اور وہ مسائل بھی ہیں جن میں امام ابو یوسف اور امام محمد نے اختلاف کیا ہے۔ اس کتاب میں امام محمد کی یہ عادت ہے کہ پہلے آثار پھر ان سے ماخوذ مسائل اور آخر میں امام ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کا اختلاف بھی ذکر کرتے ہیں۔

۴۔ زیادات

اس کتاب میں وہ مسائل ہیں جو جامع صغیر اور جامع کبیر میں درج ہونے سے رہ گئے تھے۔

۵۔ السیر الصغیر

اس کتاب میں حکومت وسیاست اور جہاد کے مسائل ہیں جب اس کتاب کو امام اوزاعی نے دیکھا تو پسند کیا اور طنز بھی کیا اور کہا اہل عراق کو سیر سے کیا واسطہ۔ امام محمد نے جب یہ جملہ سنا تو سیر کبیر لکھ ڈالی۔ (۱)

۶۔ السیر الکبیر

یہ کتاب ۱۶۰ اجزاء پر مشتمل ہے جب امام محمد اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تو خلیفہ وقت اور امام اوزاعی نے اس کتاب کو بہت زیادہ پسند کیا۔ علامہ ابن القیم نے فرمایا ہے کہ یہ امام محمد کی سب سے آخری کتاب ہے۔

اعلم السیر الکبیر اخر تصنیف صنفه محمد فی الفقه (۲)

سیر کبیر امام محمد کی فقہ میں آخری کتاب ہے۔

---

(۱) انوار الباری ص۲۰۴، ج۲

(۲) الطرق الحکمیہ ص۱۲، اس کتاب کو میں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں مطالعہ کیا ہے۔ یہ عبارت اسی مطالعہ کی یادگار ہے۔

Marfat.com

یہ کتابیں مذہب حنفیہ کی اصل ہیں۔ چوتھی صدی کے آغاز میں ابوالفضل محمد بن احمد مروزی المعروف بحاکم شہید نے کافی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں کتب ظاہرالروایۃ کے تمام مسائل جمع کردیئے ہیں امام سرخسی نے اس کتاب کی ۳۰ جلدوں میں شرح لکھی۔ جو اب مبسوط کے نام سے مشہور ہے۔

کتب نوادر

کتب ظاہرالروایۃ کے علاوہ امام محمد کی دیگر کتب فقہ کو نوادرات کہتے ہیں۔ اس میں رقیات، کیسانیات، جرجانیات، ہارونیات، امالی امام محمد نوادر ابن رستم وغیرہ داخل ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث وفقہ میں حضرات صاحبین کی متعدد کتابیں مثلاً کتاب الآثار، کتاب الحج، اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ الرد علی سیر الاوزاعی، کتاب الآثار امام ابو یوسف، موطا امام محمد وغیرہ داخل ہیں۔

باب ششم

اس باب میں تمہیداً کچھ عرض کیا گیا ہے
جس کی حیثیت اگلے باب کے لیے مقدمہ کی سی ہے

اجتہاد اور تقلید

اسلام میں اجتہاد کی ابتداء آنحضرت صلعم کے وقت سے ہے لہٰذا اجتہاد کو امر محدث یا بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ کتاب اللہ اور احادیث نبویہ اس پر شاہد ہیں اور خود آنحضرت صلعم اور حضرات صحابہؓ کا اجتہاد کرنا ثابت ہے چنانچہ:۔

۱۔ جناب رسول اللہ صلعم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم مقرر فرما کر بھیجا تو دریافت کیا اے معاذ! تم کس طرح فیصلے کرو گے۔ عرض کیا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم سے اور پھر اجتہاد کروں گا۔

اجتهد وافيه برائی

پھر میں اس میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

آپ نے حضرت معاذ بن جبل کی تصویب فرمائی۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اجتہاد کا حق اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کسی مسئلہ میں نصوص موجود نہ ہوں۔

۲۔ ایک عورت خشعمیہ قبیلے سے تعلق رکھتی تھی وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا میرا باپ بوڑھا ہے اور اس کے اوپر حج فرض ہو گیا لیکن وہ اس کی ادائیگی پر قادر نہیں کیا میں اس کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہوں آپ نے ارشاد فرمایا:

ارائیت لو کان علےٰ ابیک دین فقفیلتہ اما کان یجزیک فقالت بلےٰ فقال علیه السلام فدین الله احق بالقضاء الحدیث۔ [۱]

(۱) جمع الفوائد۔

Marfat.com

تیرا کیا خیال ہے اگر تیرے باپ پر کسی کا قرض ہو اور تو اس کو ادا کر دے تو کیا تیری جانب سے ادائیگی کافی ہو گی اس نے کہا بیشک! آپ نے فرمایا اللہ کا قرض اس معاملہ بطریق اولیٰ ادا ہو جائے گا۔

اس واقعہ میں حضور صلعم نے حج کو حقوق مالیہ پر قیاس کیا ہے۔

۳۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا گیا "ایک عورت کا نکاح ایک شخص سے بلا مہر کے ہو گیا اور قبل دخول اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا کیا اس عورت کے لیے مہر ہے؟"

حضرت ابن مسعودؓ نے ایک ماہ کے بعد ارشاد فرمایا:

لهامهر مثلها

اس کے لیے مہر مثل ہے۔

بہر حال اجتہاد دین میں امر محدث نہیں ہے۔ حضرات صحابہؓ انفرادی اور اجتماعی طور پر مسائل کو حل کرتے رہتے تھے مگر یہ اسی وقت ہوتا تھا جب کوئی آیت یا حدیث سے مسئلہ کا جواب نہ دیا جا سکتا ہو یعنی نصوص شرعیہ موجود نہ ہوں تب نصوص شرعیہ کی علل کے ماتحت جواب دیا جاتا تھا اسی فعل کو حنفیہ قیاس یا اجتہاد کہتے ہیں۔

القياس في اللغة التقدير و في الشرع تقدير الفرع بالاصل في الحكم والعلة[1]

قیاس لغت میں اندازے کو کہتے ہیں اور شریعت میں فرع کو اصل پر اور حکم کو علت پر اندازہ کرنے کو کہتے ہیں۔

امام صاحب کا اس معاملہ میں یہی مسلک ہے وہ حتی الامکان حدیث اور آثار صحابہؓ کو نظر انداز نہیں کرتے، ارشاد فرماتے ہیں۔

اتركوا قولي بخبر رسول الله صلعم وقول الصحابة و نقل انه قال اذاصح الحديث فهومذهبي[2]

میرا قول حدیث رسول اور آثار صحابہؓ کے مقابلہ میں ترک کر دو اور ان سے یہ بھی منقول ہے جب حدیث صحیح ہو تو وہ میرا مذہب ہے۔

(۱) نورالانوار (۲) مظہری ص۶۴، ج۲

Marfat.com

چنانچہ اجتہادی مسائل میں قولِ صحابی قیاس کے مقابلہ میں مقدم ہے۔ امام صاحب کا ارشاد ہے کہ کسی اہم معاملہ میں صحابی کا فتویٰ محض اپنی رائے پر نہیں ہوسکتا بلکہ اس کو مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل ہوگی جیسے زید بن ارقم کا اپنی ام ولد کے ہاتھ ادھار غلام بیچنا اور حضرت عائشہؓ کا اس بیع کو ناجائز قرار دینا جمعہ کے لیے اذان ثانی جس کو حضرت عثمانؓ نے شروع کیا وغیرہ یہی مسلک امام مالک کا ہے اور امام شافعی صاحب کا بھی مسلکِ قدیم یہی ہے۔ حنفیہ میں سے صرف علامہ کرخی نے اختلاف کیا ہے۔ (۱)

بہر حال اجتہاد کا اسلام نے دروازہ بند نہیں کیا بلکہ اس نے اجتہاد کی اجازت دی ہے۔ ہاں اس کے لیے کچھ شرائط مقرر کر دیئے ہیں کہ کون اجتہاد کر سکتا ہے؟ اور کس وقت اجتہاد کرنا چاہیے۔ ان چیزوں کو ہم آئندہ سطور میں بیان کر رہے ہیں۔

تقلید کی ابتداء

یہ بھی عجیب بات ہے کہ آج مغرب زدہ طبقہ اور کچھ آزاد روش حضرات کے نزدیک تقلید ایک بدترین گالی شمار ہوتا ہے حالانکہ یہ ہر ایک کے ساتھ سایہ کی طرح لگی ہوئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چھوٹا بڑے کی اور محکوم حاکم کی تقلید کرتا ہے اگر صبح سے شام تک اور پیدائش سے وفات تک کی زندگی اُٹھا کر دیکھ لی جائے تو کوئی فرد تقلید سے خالی دکھائی نہ دے گا۔ ہر آدمی جبراً وقہراً یا رغبۃً اس کو اختیار کیے ہوئے ہے معصوم بچے بھی اس سے خالی نہیں اور جو اعتراض کرتے ہیں وہ بھی اس سے پاک نہیں پھر نہ معلوم کیوں اس کے مخالف ہیں۔

یہ بھی عقل کا دیوالیہ پن ہے کہ ہر کام میں تو تقلید اور دین وآخرت کے معاملہ میں آزادی کیا۔ رسول اللہ صلعم نے قرآن کی تقلید نہیں کی۔ حضرات صحابہؓ نے رسول اللہ صلعم کی تقلید نہیں کی۔ تابعین نے صحابہؓ کی تقلید نہیں کی۔ تبع تابعین نے تابعین کی تقلید نہیں کی یا "ہر کہ آمد منزل نو ساخت کا معاملہ رہا ہے؟ اگر یہ حقیقت ہے تو آج متقدمین اور اسلاف کی تقلید سے کیوں انحراف ہے؟ کہا جاتا ہے اندھی تقلید کی مخالفت ہے، معلوم نہیں وہ اندھی تقلید ہے کیا اور کون اس کا داعی ہے اور کون اس کی تبلیغ کرتا ہے؟

---

(۱) فقہ الاسلام ص ۲۵، ج ۱

Marfat.com

یہ ایک بات تھی جو عرض کر دی ورنہ مناظرہ یا چڑانا مقصود نہیں ہے۔لہٰذا دوسری طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلعم کی موجودگی میں تو مسلمان آپ ہی سے دریافت کیا کرتے لیکن آپ کے بعد حل مسائل اور جوابات کا مرجع حضرات صحابہؓ بنے جو صحابی جہاں پہنچا وہ وہیں کا مرجع یا مقتدا بن گیا۔ان کے بعد تابعین کا وقت آیا چنانچہ امام ابو حنیفہ ۸۰ھ میں کوفہ میں ۹۵ھ میں امام مالک مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ان کے بعد دیگر مجتہدین پیدا ہوئے مثلاً ۱۵۰ھ میں امام شافعی صاحب نمرہ میں (امام شافعی امام ابو یوسف اور امام محمد کے شاگرد ہیں) اور امام احمد بن حنبل ۱۶۴ھ (آپ امام شافعی صاحب کے شاگرد ہیں) بغداد میں پیدا ہوئے۔ یہ چاروں حضرات وہ ہیں کہ جن کا مسلک ابتک زندہ ہے۔ان ہی چاروں کے مسلک حق پر اجماع ہو چکا ہے۔

ان حضرات کا طریق کار وہی تھا جو ان سے پہلے حضرات کا تھا۔عوام الناس میں جو جس کا معتقد تھا اس کے مجتہدات پر عمل کرتا تھا۔لیکن ۲۰۰ھ کے بعد لوگوں میں ہوائے نفس کا غلبہ ہوا چنانچہ ہر ایک آزاد تھا۔نرمی اور سہولت کو پسند کرتا تھا یہی حال عدالتوں میں تھا۔ایک عدالت میں ایک ہی معاملہ میں کچھ فیصلہ ہے تو دوسری عدالت میں اسی معاملہ میں خلاف ہوتا تھا۔لہٰذا ۴۰۰ھ کے قرب و جوار میں اس آزاد روشی کو ختم کیا گیا اور اس پر اجماع ہو گیا کہ ائمہ اربعہ میں سے جو جس کا معتقد ہے اسی کے مجتہدات پر عمل کرے۔

انعقد الاجماع علی عدم العمل بالمذاهب المخالفة من الائمة الاربعه[1]

یعنی اس پر اجماع ہو گیا کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے علاوہ کسی بھی مسلک پر عمل نہ کیا جائے۔

حافظ ابن حجر مکی نے بھی یہی فرمایا ہے کہ موجودہ زمانہ میں ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی بھی مسلک پر عمل نہ کیا جائے۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

جان لینا چاہیئے کہ ان مذاہب کے اجتہاد میں ایک عظیم الشان مصلحت اور ان کے چھوڑنے میں ایک بڑا فساد ہے ہم اس کو دلائل سے

(۱) فتح القدیر۔

Marfat.com

ثابت کریں گے۔ (۱) امت نے اتفاق کیا کہ وہ معرفت شریعت میں سلف پر اعتماد کرینگے چنانچہ تابعین نے صحابہؓ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اور اسی طرح ہر طبقہ کے علما نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا ہے اور عقل اس کی تحسین پر دال ہے اس لیے کہ شریعت نقل اور استنباط سے معلوم ہوئی اور نقل بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتی کہ ہر طبقہ اسے اپنے پہلوں سے اتصال کے ساتھ لیتا رہے اور استنباط میں بھی مذاہب متقدمین کا علم ضروری ہے تا کہ ان کے اقوال سے باہر نکل کر اجماع نہ توڑ دے اور یہ بھی ضروری ہے کہ مذاہب متقدمین پر اپنا اپنا قول مبنی کرے اور اس استنباط میں گذشتہ لوگوں کی مدد لے کیونکہ تمام فنون مثلاً: صرف، نحو، طب، شعر، آہن گری، بڑھئی گیری اور رنگریزی کسی کو ان میں سے فن اس وقت تک نہ آیا جب تک ماہر فن کے ساتھ نہ رہا اس کے علاوہ نادر و بعید ہے ایسا بھی نہیں ہوا اگرچہ عقلاً ممکن ہے۔

جب سلف کے اقوال پر اعتماد کرنا متعین ہے اور ضروری ہے کہ ان کے وہ اقوال جن پر اعتماد کیا گیا ہے سند صحیح سے مروی ہیں یا مشہور کتابوں میں مدون موجود ہیں۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان اقوال کو زیر بحث بھی لایا گیا ہو کہ اس کے محتملات کے راجح کو بیان کر دیا گیا ہو اور بعض مواقع میں عموم کی تخصیص اور مطلق کی تقلید کی گئی ہو۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

آخری زمانوں میں مذاہب اربعہ کے سوا کوئی ایسا مذہب نہیں ہاں بمشکل مذہب امامیہ اور زیدیہ کو کہا جا سکتا ہے مگر وہ بھی اہل بدعت ہیں اور ان کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں۔ (۲) رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے سواد اعظم بڑی جماعت کی اتباع کرو اور چونکہ سچ مذہب ان چار کے علاوہ مفقود ہو گئے ہیں تو ان مذاہب کا اتباع سواد اعظم کا اتباع اور ان سے باہر نکلنا سواد اعظم سے باہر نکلنا ہے۔[1]

---

(۱) عقد الجید مطبوعہ کراچی ص ۹۶۔

حضرت شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے۔

تمام امت محمدیہ یا اس کے معتدبہ حضرات کا اس پر آج تک اجماع رہا ہے کہ ان مذاہب اربعہ مدونہ کی تقلید درست ہے اور اس میں بہت سے مصالح ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ میں لوگوں کی ہمتیں بہت قاصر ہو گئیں اور رگ وپے میں ہوائے نفسانی سرایت کر گئی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر نازاں ہے رہا ابن حزم کا قول کہ تقلید حرام ہے غلط ہے۔ (۱)

علامہ ابن خلدون نے بیان فرمایا ہے۔

مدعی الاجتهادنی هذاالعهد مردود (۲)

اس زمانہ میں اجتہاد کا دعویٰ کرنیوالا مردود ہے۔

غرضکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تقلید کے علاوہ چارہ کار نہیں ہے اور یہ بات ۴۰۰ھ میں طے پا گئی تھی۔ لیکن کچھ حضرات ایسے بھی ہوئے جنہوں نے تقلید کے قلادہ کو اتار پھینکا اور آزاد روشی کی تبلیغ شروع کر دی۔

آزاد روشی اور ابن حزم

چنانچہ ۳۸۴ھ میں ابن حزم پیدا ہوئے۔ یہ پہلے شافعی تھے پھر بعد میں داود ظاہری کے مقلد ہو گئے۔ ویسے بہت بڑے محدث اور عالم ہیں۔ غرور علم نے ان کو تقلید سے باہر نکالدیا اور خود صاحب مسلک بن بیٹھے اور ائمہ مجتہدین پر سخت قسم کی تنقیدیں کرنے لگے۔ (۳) علامہ ذہبی نے تحریر فرمایا ہے۔

ولم يتادب مع الائمة فى الخطاب (۴)

کلام میں ائمہ کا ادب نہیں ملحوظ رکھتے۔

لیکن مصر اور مشرق وسطیٰ کے ممالک میں اور آزاد روش حضرات کے درمیان ان کی مقبولیت بڑھ رہی ہے کیونکہ یہ ائمہ پر سخت تنقید کرتے ہیں اور یہی چیز آج کل کے مزاج کے

---

(۱) ترجمان السنہ ص ۱۶، ج ۱ (۲) رد المحتار
(۳) ترجمان السنہ (۴) اوشحۃ الجید

Marfat.com

مطابق ہے اور بھائی حضرات اس پر خوش ہیں۔ مؤرخ ابن خلکان لکھتا ہے۔

اسلام میں حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کی سی تیز زبانی کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ (۱)

میری رائے یہ ہے کہ لوگوں کو محض آزاد روشی کی وجہ سے ابن حزم کے بارے میں ضرورت سے زیادہ خوش فہمی ہے حالانکہ خود ابن حزم کی اپنے بارے میں رائے ہے۔

ولقد اصابتي علة شديدة ولات علي دبو في الطحال شديداً فولدذلک علي من الفجر ضيق الخلق وقلة الصبرو التزق امراً حاسبت نفسي فيه فانکرت تبدل خلقي و اشتد عجبي من مغارقني لطعبي (۲)

یعنی میں ایک بار شدید بیمار ہوا جس کی وجہ سے میری طلّی بہت بڑی گئی تھی اس لیے میرے مزاج میں تنگی، تیزی، بداخلاقی جلد بازی پیدا ہوگئی۔ جب میں پہلی زندگی پر غور کرتا ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ میرے اخلاق وعادات کس قدر تبدیل ہو گئے اور میں اپنی اصلی طبیعت سے کس قدر دور ہو گیا ہوں۔

اس پر ایک لطیفہ معلوم ہو۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابن حزم اپنی جلالت قدر کے باوجود امام ترمذی جیسے شخص سے بالکل ناآشنا ہیں۔ جب ان کے سامنے امام ترمذی کا تذکرہ ہوا تو کہنے لگے وہ کون ہیں؟ ایک مجہول شخص ہیں۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے اس پر گرفت کی۔ (۳) غرضکہ ۴۰۰ھ کے اجماع کو ابن حزم نے پائمال کرنے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش بارآور ثابت نہ ہوئی۔

امام ابن تیمیہ

ابن حزم کے بعد انہیں کے نقش قدم پر چلنے والے امام ابن تیمیہ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بہت بڑے عالم ہیں اور دنیا پر ان کی علمیت کا سکہ جما ہوا ہے خصوصاً مصر وعرب تو ان

---

(۱) ترجمان السنہ ص ۲۷، (۲) ایضاً (۳) ایضاً

Marfat.com

کا شیدائی ہے۔

ابن بطوطہ نے ان کی بہت زیادہ مدح سرائی کرنے کے باوجود تحفۃ النظار میں لکھ دیا ہے۔

الاان فی عقلہ شیئاً (۱)

مگران کی عقل میں کچھ کمی ہے۔

علامہ صلاح الدین خلیل نے تحریر فرمایا ہے۔

علمہٗ متسع حداً الیٰ الغایۃ وعقلہ ناقص (۲)

ابن تیمیہ کا علم بہت وسیع ہے لیکن عقل ناقص ہے۔

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں تحریر فرمایا ہے۔

علمہٗ اکبر من عقلہٖ (۳)

ان کا علم ان کی عقل سے بڑا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے بعد ان کے شاگرد رشید ابن قیم نے بھی اسی آزادروش کو اختیار کیا۔ان کے متعلق حافظ ذہبی نے بیان فرمایا ہے۔

لکنہ معجب برائہٖ وسیّ العقل (۴)

ابن قیم خود پسند اور سوئے فہم ہے

آزادروشی کے اثرات

ان کے بعد بارہویں صدی ہجری کا زمانہ آیا تو عبدالوہاب نجدی پیدا ہوا۔اس نے سب پر ہاتھ رکھ دیا حتیٰ کہ اگر کوئی یہ کہہ دیتا کہ مجھے اس دوا سے نفع ہوا ہے تو آنجناب اس کے متعلق شرک کا فتویٰ صادر کردیتے تھے۔ان کی وفات ۱۲۰۶ھ میں ہوئی۔اوران کے بعد ایک گروہ پیدا ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد آزادروشی کی وبا نجد سے چل کر ہندوستان میں بھی آ گئی اور آجکل تو کچھ ٹھکانہ نہیں ہے۔جس کو دیکھئے! مرعی اجتہاد بنا ہوا ہے۔

ہندوستان آزاد ہونے کے بعد یہاں کی پارلیمنٹ نے ایک دستور بنایا ہے کہ وہ ملک

(۱) اوشحۃ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) ایضاً

Marfat.com

میں ایک سول کوڈ نافذ کرنے کی مجاز ہے۔ چنانچہ ۵۵ء میں یہاں کے وزیر قانون نے اس کا اعلان کیا اور اس کے بعد ۶۳ء میں چند خوشامدیوں نے حکومت سے سفارش کی کہ وہ مسلم پرسنل لا کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیٹی بنائے جو مسلم پرسنل لا میں ترمیم کرے۔ جنوری ۶۴ء میں محمد علی کریم چھاگلہ نے ایک بیان میں ارشاد فرمایا۔

> یہ بات قرین عقل نہیں ہے کہ مسلم پرسنل لا اتنا مقدس اور قابلِ احترام ہے کہ اس میں ہرگز ترمیم وتبدیلی نہ کی جائے۔ مسلم پرسنل لا میں جو تبدیلیاں سماجی انصاف کے نقطہ نظر سے ہوں ان کو عمل میں لانے کے لیے ہندوستانی پارلیمنٹ پوری طرح با اختیار ہے۔ (۱)

راقم الحروف نے چھاگلہ جی کے اس فرمان کا جواب ۲۱ر جنوری ۶۴ء کے مدینہ کے ریڈنگ آرٹیکل میں نہایت تفصیل سے دیا ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان میں سرکاری مسلمان اور وہ لوگ جو امریکہ اور یورپ کے دورے کر آئے ہیں۔ اسی طرح جماعت اسلامی کے بیشتر حضرات بشمول مولانا مودودی صاحب اسی چیز کے داعی ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہونا چاہیئے اور ہر آدمی کو اس کا اختیار دینا چاہیئے۔ ایسے حضرات کی خدمت میں ہم حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر مصطفےٰ احد زرقا مصری کا ارشاد پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفےٰ احد

> ماضی میں انفرادی اجتہاد کی ضرورت تھی لیکن اب وہ سخت خطرناک بن چکا ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں جن باتوں کے اندیشہ کی بنا پر اجتہاد کا دروازہ فقہائے مذاہب نے بند کر دیا تھا وہ اب بالکل متیقن اور قطعی بن گیا۔ دین سے سودا بازی کرنے والوں کی تعداد معتد بہ ہے اور ان میں سے علم اور تقریر اور تحریر کی قوت میں علمائے صالحین اور اتقیا سے بڑھ کر ہیں۔ جامع ازہر کے فضلا نے ایسی کتابیں اور فتاویٰ شائع کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

(۱) مدینہ ۲۱ر جنوری ۶۴ء

Marfat.com

انہوں نے اپنا قلم دشمنان اسلام کے ہاتھوں گروی رکھ دیا ہے اور وہ اسلام کی بنیادیں اس طرح ڈھا دینا چاہتے ہیں کہ جس طرح دشمن بھی نہیں ڈھا سکتے۔ اس قسم کے لوگوں کا دین سے کیا تعلق ہو سکتا ہے یہ تو منافق اور سازشی قسم کے لوگ ہیں جو اجتہاد اور آزادی رائے اور حریت فکر کے پردے میں دین کے ساتھ خیانت اور مذاق کر رہے ہیں اور اس سازش اور خیانت کا ان کو بڑا معاوضہ مل رہا ہے اور خدا کی لعنت سے بے پرواہ ہو کر بڑے بڑے دنیوی منافع حاصل کر رہے ہیں۔ (۱)

حضرت مولانا آزاد کا ارشاد

آج کل ہندوستان اور مصر کے بعض مدعیان اجتہاد و نظر نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ زمانہ حال کے اصول علم و ترقی قرآن سے ثابت کئے جائیں یا جدید تحقیقات علمیہ کا اس سے استنباط کیا ہے گویا قرآن صرف اس لیے نازل ہوا ہے کہ جو بات کوپرنیکس اور نیوٹن یا ڈاورن اور ویلس نے بغیر کسی الہامی کتاب کے فلسفہ اندیشیوں کے دریافت کر لی ہے اسے چند صدی پہلے معموں کی طرح دنیا کے کانوں میں پھونک دے اور پھر بھی وہ دنیا کی سمجھ میں نہ آئے یہاں تک کہ موجودہ زمانہ کے مفسر پیدا ہوں اور وہ تیرہ سو برس پہلے کے معمے حل فرمائیں یقیناً یہ طریق تفسیر بھی ٹھیک ٹھیک تفسیر بالرائے ہے۔ (۲)

اگر آزادی رائے اور حریت فکر کے یہی معنی ہیں جن پر ان دونوں حضرات نے تنقید کی ہے تو اس اجتہاد کے یقیناً دروازے بند ہیں اور ان کا بند رہنا ہی بہتر ہے۔ لیکن اگر یہ ہو جائے تو بہت ہی بہتر ہے کہ جس طرح امام ابوحنیفہ نے ایک مجلس قانون ساز قائم کی تھی اسی طرح آج بھی جید علما و فقہا کی ایک مجلس قائم ہو جائے اور موجودہ دشواریوں کا حل قدماء کے اصول پر کرے تو اس کو جدید اجتہاد نہیں کہا جائے گا اور یقیناً اس کی اجازت ہر وقت ہے اور اس کو وجود میں آنا چاہیئے۔ ہاں ایسا اجتہاد بلاشبہ مضر اور مکروہ ہے جس کے اصول قرآن و حدیث اور متقدمین کے وضع کردہ اصولوں سے ہٹ کر ہوں۔

(۱) معارف اعظم گڑھ دسمبر ۶۰ء (۲) ترجمان القرآن ص۱۶، ج۱

باب ہفتم

فقہ حنفی یا دستور اسلامی کے چند نمونے

سیاسیات

دستور اسلامی یا فقہ حنفی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اقوام عالم کے مزاج کی رعایت موجود ہے۔ حالات اور ضروریات کی وجہ سے انسانی زندگیوں میں جو نشیب و فراز پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا پورے طور سے خیال رکھا گیا ہے۔ یہ بات دوسرے ائمہ کے فقہ میں بہت کم نظر آئے گی یہی وجہ ہے کہ حنفی فقہ ہمیشہ سے دنیا کی بیشتر مسلم آبادی کا مسلک رہا ہے اور ہے۔

الحنفیة ثلثی المومنین[1]

کل مسلمانوں میں حنفیہ ۳/۲ ہیں۔

اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب میں فقہ اسلامی کی چند دستوری جھلکیاں پیش کی جا رہی ہیں۔ حالات اور تقاضہ کے ماتحت ہم نے سیاست کو مقدم رکھا ہے۔ اور چونکہ سیاست ایک وسیع اور عریض موضوع ہے اس لیے اس کے عنوانات مقرر کر کے چند عنوان پر مختصراً کچھ عرض کیا جا رہا ہے۔

تقرر حاکم شرعی

فقہ حنفی میں تقرر حاکم شرعی یا امام اہم واجبات اسلام میں سے ہے۔[2] اس لیے کہ اسلام انفرادیت کو ناپسند اور اجتماعت کو پسند کرتا ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

---

(۱) مرقاۃ ص۲۴، ج ۲ (۲) درمختار

Marfat.com

یا معشر العریب الارض الارض انه لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة ولا امارة الا بطاعة[1]

اے اہل عرب زمین پر فساد سے بچو! بلاشبہ اسلام بلا جماعت کے نہیں اور جماعت بلا امیر کے نہیں اور امیر بلا طاعت کے نہیں۔

بات یہی ہے کہ جب تک قوم میں اجتماعیت نہ ہو اسلام کی ضیا پاشیوں سے محروم رہے گی۔ آخر کوئی تو چیز تھی کہ جناب رسول اللہ صلعم کے دفن سے پہلے اس مسئلہ کو حل کیا گیا اور جب تک حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ نہ ہو گئے کوئی کام نہ شروع کیا۔

انتخاب امام کا طریقہ

امام دو طریقے سے منتخب ہوتا ہے اوّل یہ کہ ارباب حل وعقد نے اس کو امام بنایا ہو دوسرے یہ کہ امام سابق نے اس کو اپنا جانشین یا ولی عہد مقرر کیا ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت قسم اوّل میں شمار ہوتی ہے۔ کہ پہلے پانچ آدمیوں (مثلاً حضرت عمرؓ ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت اسید بن حضیر، حضرت بشر بن سعد اور حضرت سالم مولی ابی حذیفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے بعد دوسرے حضرات نے اور دوسری قسم کی خلافت حضرت عمرؓ کی ہے۔ جس خلیفہ کو ارباب حل وعقد نے منتخب کیا ہو ان کی تعداد میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ ہر ہر شہر منتخب کرے۔ بعض نے کہا کہ پانچ آدمیوں کا ہونا کافی ہے۔ اہل بصرہ کا یہی مذہب ہے۔ اہل کوفہ کہتے ہیں کہ تین ارباب حل وعقد کافی ہیں۔[2]

دار الحرب میں بھی مسلمانوں کے مذہبی امور مثلاً رویت ہلال فسخ نکاح وغیرہ کے لیے امیر ہونا چاہیئے جس کا انتخاب مسلمانوں کی مرضی کے مطابق ہو۔[3] ہندوستان میں شرعی پنچائتیں غالباً حاکم شرعی کا بدل ہیں۔

حاکم شرعی کے اوصاف

فقہائے احناف نے کتاب وسنت کی روشنی میں حاکم شرعی کے جو اوصاف مقرر کئے

---

(۱) دارمی (۲) احکام سلطانیہ (۳) درمختار

ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

ان یکون عدلاً عفیفاً عالماً بالسنة و بطریق من کان قبله من القضاة (۱)

عادل، پاکباز، عالم بالسنۃ اپنے سے پہلے حاکموں کے فیصلوں اور طریق کار سے واقف ہو۔

اسی کے ساتھ اجتہاد کا بھی اضافہ ہے۔

ان یکون من اهل الاجتهاد (۲)

اور اہل اجتہاد بھی ہو

حنفیہ نے حاکم شرعی کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ کتاب وسنت سے مستنبط ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے۔

فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهویٰ. الایۃ

لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

اسی طرح جناب رسول اللہ صلعم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی مقرر کیا تو ان سے دریافت کیا تمہارے فیصلوں کی کیا نوعیت ہوگی۔ انہوں نے بالترتیب جواب دیا کہ پہلے کتاب اللہ، پھر سنت رسول اللہ اور پھر اپنی صواب دید پر فیصلے کروں گا۔

حنفی فقہ میں کتاب القاضی کے نام سے مستقل ایک موضوع ہے۔

جس میں تفصیلی طور پر ان تمام چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور حاکم شرعی کے متعلق تمام حقوق وشرائط تقرری و برخاستگی کے تمام قاعدے ذکر دیئے گئے ہیں مگر ہم نے حاکم شرعی کے متعلق صرف ایک وصف، اجتہاد وتقلید کے متعلق مختصراً سطور سابقہ میں عرض کیا ہے۔ اس کی وجہ اختیار آجکل کے حالات اور لوگوں کا تجدید وتدوین فقہ کی طرف میلان اور رغبت ہے اس لیے میرے رائے میں یہ بحث امام صاحب کی سیرت وسوانح میں ایک اضافہ نہیں بلکہ ایک ضرورت ہے جس کو پیش کیا جا چکا ہے۔

---

(۱) فتح القدیر ص ۲۴۸، ج ۳ (۲) فتح القدیر ص ۲۴۸، ج ۳

Marfat.com

شرائط اجتہاد

حاکم شرعی یا امام وقت کے لیے اجتہاد کی بھی شرط ہے اس لیے بلا اجتہاد کے صحیح فیصلے ممکن نہیں۔

اجتہاد چونکہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے اور پورے دین کی عمارت کے بقاو تحفظ اور انسانوں کی زندگیوں کے اضطراب وسکون کا تعلق اس سے وابستہ ہے اس لیے علمائے امت نے کتاب وسنت اور ائمہ مجتہدین کی صفات اور خصوصیات میں نظر کرنے کے بعد ان شرائط کو مقرر فرمایا ہے۔

> مجتہد کے لیے شرط ہے کہ وہ مسلمان، عاقل، بالغ ہو اور فقیہ النفس یعنی شدید الفہم ہو۔ لغت عربیہ کا ماہر اور علوم قرآنیہ پر حاوی ہو۔ احادیث کے متن و مسند، ناسخ ومنسوخ اور طریق قیاس کا عالم ہو۔ (۱)

اصطلاحی اعتبار سے عالم بالکتاب سے مراد وہ نہیں جن پر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور جناب مصطفیٰ احمد زرقاء مصری نے تنقید فرمائی ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جو کتاب اللہ سے متعلق تمام طرق اجتہاد سے واقف ہو یعنی عام، خاص، مجمل، مفسر، مؤل، محکم، متشابہ، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص، امر، نہی، حروف مبانی، اور ان کے علاوہ علمائے متقدمین کے مسلک پر کافی عبور رکھتا ہو تا کہ ان کے وجوہات فاسدہ یا وجوہات ترجیحہ اس سے پوشیدہ نہ ہوں۔
عالم بالحدیث سے مراد حدیث سے متعلق جتنے علوم ہیں خواہ از قسم سند ہوں یا از قسم متن سب سے پوری طرح واقفیت ہو بلکہ ان چیزوں میں مہارت حاصل ہو اور آیت وحدیث اور اثر صحابی کے معنی لغویہ اور شرعیہ سے پوری طرح باخبر ہو حاصل یہ ہے کہ

> مجتہد ایسا صاحب حدیث ہو کہ اس کو فقہ بھی آتا ہو تا کہ آثار کے معنی دریافت کر سکے اور ایسا صاحب فقہ ہو کہ اس کو حدیث کا بھی علم ہو تا کہ منصوص علیہ کی موجودگی میں قیاس کے پیچھے نہ ہولے اور کہا گیا ہے کہ صاحب نظر اور بصیرت بھی ہو تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کی عادات سے باخبر رہے کیونکہ بہت سے احکامات عادات انسانیہ ہی پر مبنی ہیں۔ (۲)

---

(۱) ردالمختار، ص ۲۳۶، ج ۴ (۲) ہدایہ آخریں کتاب القاضی

Marfat.com

ان تمام شرائط کے ساتھ سب سے زیادہ اہم شرط تقوٰے کی ہے کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے ہوائے نفس کا اجتہاد میں دخل نہ ہونا چاہیئے ورنہ پھر اس دین حنیف کا حشر بھی وہی ہو سکتا ہے جو ادیان سابقہ کا ہوا ہے اور اسی کی شکایت ڈاکٹر مصطفٰی احمد زرقا نے کی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے

اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ مجتہد کے لیے ضروری ہے وہ قرآن و حدیث جس قدر احکام سے متعلق ہیں جانتا ہو۔ نیز اجماع کے مواقع، قیاس صحیح کی شرائط مقدمات کی صحیح ترتیب، علوم عربیہ سے واقف ہو، علاوہ برآں ناسخ و منسوخ اور راویوں کے حالات سے بھی باخبر ہو۔[1] یہ وہی شرائط ہیں جن کو ہم فقہ حنفی سے نقل کر چکے ہیں۔

حکومت کے فرائض

امام ابوحنیفہ عن الہیثم عن الحسن عن ابی ذر روایت فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا اے ابوذر! حکومت ایک امانت ہے اور وہ قیامت کے دن ایک رسوائی ہے اور شرمندگی ہے مگر اس شخص کے لیے جس نے امارت اور حکومت کا حق ادا کیا اور جو ذمہ داری اس پر تھی اس سے سبکدوشی حاصل کی۔

اور ایک روایت میں حضرت ابوذرؓ سے یوں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امارت قیامت کے دن ایک ذلت ہے اور شرمساری ہے مگر جس نے اس کا حق ادا کیا اور جو ذمہ داری اس پر تھی اس کو ادا کیا پھر فرمایا اے ابوذر! ایسا ہوتا ہی کہاں ہے۔[۲]

امام ابوحنیفہ نے جو یہ روایت نقل فرمائی ہے اس سے ایک حاکم کے فریضہ پر کس قدر واضح الفاظ میں روشنی پڑ رہی ہے غالباً اسی وجہ سے امام صاحب نے حکومت کی کرسی کو قبول نہیں کیا تھا اور اسی وجہ سے آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ اپنے علم کو حکومت کی ذلت سے محفوظ رکھنا۔ لیکن افسوس کہ آج کل لوگوں نے حکومت کو کار طفلانہ بنا رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ فسادات کا تسلسل قائم ہے اور لوگوں کے خون کی ارزانی ہے۔

---

(۱) عقد الجید ص ۱۰۔ (۲) مسند امام اعظم کتاب الاحکام۔

حاکم عادل

امام ابوحنفیہ نے ایک حدیث میں روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ قیامت کے دن تمام انسانوں میں بلند ترین امام عادل ہوگا۔

دوسری روایت میں فرمایا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہیں دو ان میں سے دوزخی ہیں یعنی وہ قاضی جو فیصلے دیتا ہے لوگوں میں بغیر علم کتاب وسنت کے اور ایک کو دوسرے کا مال ناحق کھلاتا ہے اور وہ قاضی جو اپنے علم کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور ناحق فیصلے دیتا ہے تو یہ ہر دو قسم کے قاضی دوزخی ہیں تیسرا وہ قاضی جو فیصلے دیتا ہے کتاب اللہ کی رو سے تو وہ جنتی ہے۔ (۱)

اقلیتوں کے ساتھ

اقلیتوں اور ذمیوں کو جو رعایت اسلامی حکومت میں حاصل ہیں وہ ان کو اپنی حکومت بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ شراب اور سور جو مسلمانوں کے نزدیک مکروہ اور مبغوض ترین اشیاء میں سے ہیں لیکن اگر کوئی مسلمان اپنے ذمی بھائی کی ان چیزوں کو تلف کر دے تو حاکم اس پر جرمانہ قائم کر دے گا اور مالک کو اس کا ڈنڈ دلوائے گا۔

> من اتلف خمراً وخنزيراً فان لزمي يجب الضمان علے متلفها سواء كانت متلقاً مسلماً اوذمياً غيران الملتلف ان كان ذمياً يجب عليه مثل الخمروان كان المتلف مسلماً يجب عليه قيمة الخمر. (۲)
>
> اگر کسی نے شراب یا سور کو تلف کر دیا تو اگر یہ چیزیں کسی ذمی کی تھیں۔ تو تلف کرنے والے پر ان کا تاوان واجب ہوگا عام اس سے کہ وہ مسلمان ہو یا ذمی ہو۔ فرق بس اتنا ہے کہ ذمی ہو تو شراب کے تاوان میں شراب ہی واجب ہوگی اور مسلمان پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔

یہ ہے اقلیت نوازی۔ حکومت بھی اسلامی، اکثریت بھی مسلمان اور تلف بھی ان چیزوں کو کیا گیا ہے جن میں مزاج انسانی کے خلاف اثرات موجود ہیں لیکن چونکہ وہ غیر مسلم

---

(۱) مسند امام اعظم کتاب الاحکام (۲) عالمگیری باب الغضب

اقلیت (ذمی) کی ملک ہیں اس لیے ان کو ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا۔ آج کے جمہوری دورِ حکومت میں قومی ہم آہنگی یا جذباتی ہم آہنگی کے پیشِ نظر اقلیتوں کو قربان ہو جانے کا حکم دیتے ہیں یہ ہیں ہمارے لیڈر اور قائدین کرام۔

ہدایہ جس کا مرتبہ عالمگیری سے بڑا ہے اس میں مذکورہ قانون کو اور زیادہ واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

واذا اتلف المسلم خمراً الذمی اوخنزیرہ ضمن فان اتلفها المسلم لم یضمن الخمرلهم کالخل لنا والخنز لهم کالشاة لناونحن امرنا ان نترکهم وممایدینون والسیف مرفوع (1)

اگر کسی مسلمان نے ذمی کی شراب یا سور کا نقصان کر دیا تو اسے تاوان دینا ہو گا اور اگر یہ چیزیں کسی مسلمان کی تھیں تو نہیں۔ اس لیے کہ شراب تو ان کے لیے ایسی ہے جیسے ہمارے لیے سرکہ اور خنزیر ایسا ہے جیسے ہمارے لیے بکری۔ اور ہمیں حکم ہے کہ ہم انہیں ان کے دین پر چھوڑ دیں اور تلوار ان کے اوپر سے اُٹھائی گئی ہے۔

یہ ہے غیر مسلم اقلیت کے ساتھ اسلامی دستور کا سلوک کہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں آنے کے بعد ان کے دین کی بھی حفاظت کا اعلان اور ان کے جان و مال کی حفاظت کا بھی انتظام کیا۔ ہندوستان میں مسلم اقلیت کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہو رہا ہے؟ چین اور روس میں مساجد کی تھیڑوں میں امریکہ میں کالوں پر گولیوں کی بارش آج کل کی تہذیب اور طرز حکومت کی عریاں تصویریں ہیں اس کے باوجود اسلامی نظام حکومت کو ناقابلِ عمل قرار دینا ایک مضحکہ خیز تصور ہے۔

قتل ذمی

اسلامی حکومت میں ذمی یا غیر مسلم اقلیت کے اموال کی حفاظت کے متعلق اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ ان کی جان کی حفاظت کے متعلق جناب رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد (جس کی پابندی

---

(1) ہدایہ آخرین کتاب الغصب۔

Marfat.com

حضرات حنفیہ بہت زیادہ کرتے ہیں) موجود ہے۔

رمائہم کدمائنا و اموالہم کاموالنا.

ان کی جانیں اور مال ہماری جانوں اور مال کی طرح محترم ہیں۔

اس کے علاوہ دستور حنفی اپنے یہاں آیۃ مبارک

الفنس بالنفس

جان کے بدلے جان

کو اصول کلیہ کے طور پر مانتا ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ذمی جب دارالاسلام کا شہری بن گیا تو اس کی جان و مال بالکل محفوظ ہو گئے حالانکہ دوسرے ائمہ کے یہاں یہ بات نہیں ہے امام شافعی صاحب فرماتے ہیں۔

لایقتل مسلم بحربی (۱)

مسلمان قاتل کو غیر مسلم (حربی) کے عیوض قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام فخرالدین رازی نے مذکورہ حدیث پر بحث کرتے ہوئے حنفی فقہ پر اعتدال سے زیادہ نکتہ چینی کی ہے۔لیکن امام ابوحنیفہ نے آیۃ قرآنیہ اور احادیث صیحہ کی روشنی میں جو فیصلہ کیا ہے وہ زیادہ وقیع ہے۔امام صاحب ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔

قتل النبی صلے اللہ علیہ وصلعم مسلماً بمعاھدٍ فقال انا الحق من اوفی بزمتہٖ (۲)

حضور صلعم نے ایک غیر مسلم ذمی کے عیوض ایک مسلمان کو قتل کروایا اور فرمایا اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے والوں میں میں اپنے ذمہ کو پورا کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ہر دو حضرات نے صحابہؓ کے مشورے سے مسلمان قاتل کو ذمی

---

(۱) ہدایۃ المجتہد ص ۳۰۵، ج ۲ (۲) مسند امام اعظم حدیث ص ۱۶۰

مقتول کے عیوض قصاصاً قتل کیا ہے[1] ان ہی دلائل کی روشنی میں علامہ شبلی نے امام رازی کی نکتہ چینی پر خوب تبصرہ کیا ہے۔

لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ وگدا مقبول، مردود کا ایک مرتبہ ہے۔ بے شبہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے۔ کہ اس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا۔ اسلام کو اس انصاف پر ناز ہوسکتا ہے اور اگر امام رازی کو عار آتی ہے تو آئے خود صحابہؓ کا کیا قول اور کیا عمل تھا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے ''ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور ذمی کی دیت ہماری دیت ہے۔''[2]

آج کل نام نہاد جمہوری حکومتوں میں بھی اقلیتوں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں ہوتا ہے۔ اگر کاغذ میں کوئی قانون ہے تو عملاً نہیں ہے اور وہ قانون بھی کیا جس نے صفحہ قرطاس سے باہر نکل کر عملی میدان کی صورت نہ دیکھی ہو۔

ذمیوں کے لیے سہولتیں

امام صاحب نے ذمیوں کے لیے جو دستور مرتب فرمایا ہے اس میں انہوں نے فیاضی سے زیادہ کام لیا ہے۔ ذمی ہر قسم کی تجارت میں بالکل آزاد ہیں جس طرح مسلمان سے مال تجارت پر زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے اسی طرح ذمیوں سے بھی ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ بلکہ اگر حربی بھی دارالاسلام میں تجارت کی غرض سے آئے گا تو اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا جس طرح وہ ہمارے تاجروں کے ساتھ کرتے ہیں اگر وہ مسلمان تاجروں سے محصول نہیں لیتے تو ہم نہیں لیں گے لیکن اگر وہ مسلمان تاجروں کے ساتھ ظلم کا برتاؤ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے ظلم کا برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔

جب ذمی اپنے دینی مسائل اور عقائد میں باہم نزاع یا اختلاف کریں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا وہ جانیں اور ان کا کام۔ ان کو اپنے حقوق کا مقدمہ اپنے حاکموں کے پاس لے جانے سے نہ روکا جائے گا۔ ہاں اگر وہ ہماری عدالتوں کی طرف مرافعہ کریں گے تو اس کا فیصلہ

---

(۱) عقود الجواہر ص ۱۷۶، ج ۲ (۲) سیرت النعمان ص ۱۳۶، ج ۲

Marfat.com

دستوراسلامی کی روشنی میں کیا جائے گا۔

ان میں سے جو شخص نقض عہد کرے یا دستور کو ہاتھ میں لے گا تو اس کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے گا۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ذمی خفیہ طور پر بغاوت کا عزم رکھتے ہوں یا فرقہ وارانہ فساد مچاتے ہوں۔ یا اپنی کوئی سیاسی جماعت تشکیل کر رہے ہوں تو وہ پھر عہد ذمہ سے خارج ہو جائیں گے اس کے علاوہ اگر وہ کسی مسلمان عورت سے زنا کر بیٹھیں یا مسلمان کو کفر کی تبلیغ کریں۔یا جاسوسی کریں تو ان کو سخت ترین سزا تو دی جاسکتی ہے مگر حقوق شہریت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

ذمی چار مہینہ تک بلا جزیہ اور سال بھر تک جزیہ دے کر رہ سکتے ہیں۔ان دونوں کے درمیان کے متعلق اختلاف ہے۔

ذمیوں سے غیروں کا دفاع ضروری ہے۔ان کو دارالاسلام میں اپنی نئی عبادت گاہ بنانے کی اجازت نہ ہوگی ہاں وہ اپنی پرانی عبادت گاہوں کی مرمت اور ان کی آبادکاری کر سکتے ہیں۔غرضیکہ اسلامی حکومت میں ذمی ایک باعزت شہری کی طرح ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی دورِ حکومت میں غیر مسلم کثیر تعداد میں اپنی حکومتوں سے منتقل ہو کر مسلمان حاکم کی رعایا بننے پر فخر محسوس کرتے تھے۔[1]

جزیہ اور خراج

بعض معترضین نے خراج اور جزیہ پر اعتراض کیا ہے اور اس کو اسلام کا ظالمانہ دستور بتلایا ہے۔لیکن آج کل کے جمہوری دور حکومت میں لوکل سلف گورنمنٹ اور دوسرے ذرائع سے جو موت ٹیکس،شادی ٹیکس،سول ٹیکس اور دوسرے ہزاروں ظالمانہ ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں وہ کہاں تک حق وانصاف کی حدود میں داخل ہو سکتے ہیں۔ہاں یہ صحیح ہے کہ اگر ملک اور قوم کو ضرورت پیش آئے تو ملک کے ہر باشندہ کو اس میں حصہ لینا چاہیئے اس کو ٹیکس کہہ لیجئے یا جزیہ اور خروج سے موسوم کر لیجئے فرق کچھ نہیں ہے۔پھر اس میں فرق اس قدر چیں بر جبیں ہونے کی وجہ سے صرف اپنی ہی کوتاہی فہم ہو سکتی ہے اور بس۔

---

(۱) الاشباہ والنظائر ملخصاً۔

Marfat.com

جزیہ اور خراج تین امور میں متحد اور تین میں ممتاز ہیں جن میں اتحاد ہے وہ یہ ہیں (۱) دونوں مشرکین سے لئے جاتے ہیں (۲) دونوں مال فئے ہیں اور فئی کے مصارف میں خرچ ہوتے ہیں (۳) دونوں سال گزرنے پر وصول کئے جاتے ہیں اس سے قبل نہیں جن امور میں دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں وہ یہ ہیں (۱) جزیہ منصوص قرآنی ہے اور خراج مجتہد فیہ (۲) جزیہ کی مقدار شرعاً مقرر ہے (۳) جزیہ کفر کی حالت میں لیا جاتا ہے اور اسلام لانے پر ساقط ہو جاتا ہے لیکن خراج اسلام لانے پر بھی ساقط نہیں ہوتا۔

شرائط اہل جزیہ

جزیہ جزاء سے مشتق ہے یعنی جزائے کفر ہے اس لیے مردوں پر قائم ہوتا ہے۔ جزیہ کے لئے دو شرائط ہیں ایک ضروری اور دوسری غیر ضروری، ضروری میں چھ امور داخل ہیں۔

(۱) کتاب اللہ پر طعن یا اس کے تحریف کے مرتکب نہ ہوں (۲) رسول اللہ صلعم کی توہین وتکذیب نہ کریں (۳) اسلام کی مذمت اور اس پر اعتراض نہ کریں (۴) مسلمہ عورت سے زنا نہ کریں (۵) کسی مسلمان کو نہ ورغلائیں (۶) اہل حرب کی اعانت نہ کریں۔ ان چھ شرطوں میں سے صرف چار شرطیں امام صاحب کے نزدیک ایسی ہیں جن سے عہد ذمہ ساقط ہو جائے گا لیکن دو شرطیں جن کو ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں مختلف فیہ ہیں۔

غیر ضروری شرطیں بھی چھ ہیں (۱) لباس میں فرق ہوگا یعنی زنار وغیرہ کے ذریعہ (۲) اپنی عمارتیں مسلمانوں سے بلند نہ کریں۔ (۳) اپنی کتابوں کی آواز مسلمانوں کو نہ سنائیں۔ (۴) اعلانیہ شراب نوشی نہ کریں (۵) اپنے مُردوں کو خاموشی سے دفن کردیں اس پر نوحہ نہ کریں (۶) گھوڑوں پر سوار نہ ہوں۔ یہ چھ امور داخل معاہدہ نہیں مگر شرط کرنے سے لازم ہو جاتے ہیں۔

جزیہ سال گزرنے پر وصول کیا جائے گا۔ سال کے اندر جو شخص مرجائے اس کی اولاد سے وصول نہیں کیا جائے گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں۔

الساقط لایعود

جو چیز ساقط ہوگئی وہ عود نہیں کریگی

Marfat.com

مقدار و مصارف

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مالداروں سے ۴۸ درہم متوسط طبقہ سے ۲۴ درہم اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے ۱۲ درہم وصول کئے جائیں گے۔ خراج اور جزیہ کا وہی مصرف ہے جو مال فے کا مصرف ہے یعنی مفاد عامہ پر صرف کیا جائے گا مثلاً تعمیر سرائے، پل، سڑک، مسافر خانے ہسپتال وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جزیہ حفاظتی ٹیکس کے علاوہ افادی ٹیکس کہلانے کا زیادہ حقدار ہے۔

خراج

خراج ان حقوق میں سے ہے جو زمینوں پر مقرر کر کے وصول کیا جاتا ہے اور لغت عرب میں کرایہ اور پیداوار کو کہتے ہیں۔[1] اسی طرح عشر بھی زمین کی پیداوار کا ایک حق ہے۔

خراجی اور عشری زمینوں میں بحیثیت ملک اور حکم کے فرق ہے۔ تمام زمینوں کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ جس کو مسلمان ابتداً زیر کاشت لائیں یہ عشری زمین ہے اس سے خراج لینا جائز نہیں ہے۔

۲۔ جس کے باشندے مسلمان ہو جائیں۔ امام شافعی صاحب کے نزدیک یہ عشری ہوگی اس پر خراج لینا جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اس زمین پر عشر یا خراج کا مقرر کرنا امام کی رائے پر موقوف ہے۔

۳۔ وہ زمین جو مشرکین سے جبراً حاصل کر لی گئی۔ امام شافعی کے نزدیک اس زمین کو غانمین پر تقسیم کر کے عشرہ وصول کیا جائے۔ امام مالک کے نزدیک اس زمین کو مسلمانوں پر وقف کر کے خراج وصول کیا جائے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ امام کو دونوں چیزوں کا اختیار حاصل ہے۔

---

(۱) احکام سلطانیہ ص ۳۴۴، ج ۱

Marfat.com

۴۔ وہ زمین کہ جس کے مالک کی مشرکین سے مصالحت ہوگئی ہو اس پر خراج ہی لگایا جائے گا۔

خراج کی مقدار زمین کی حیثیت پر ہے۔ حضرت عمرؓ نے زمینوں کی پیائش کروا کے ان کی حیثیت کے مطابق خراج لگایا تھا اور ایسے تمام امور کا لحاظ رکھا گیا تھا جس سے زمین کے مالک اور کاشتکار کسی کا بھی نقصان نہ ہو۔

خراج کی آمدنی کا مصرف بھی مفاد عامہ ہے مثلاً سڑکیں، سرائے، پل، ہسپتال، مدارس وغیرہ بنوانا۔[1] آج کل زمینوں کے اوپر جو ٹیکس عائد کیا گیا ہے اس کو لگان یا مالگذاری کہا جاتا ہے جس کو دنیا کا کوئی ملک بھی ظالمانہ ٹیکس نہیں قرار دیتا لیکن نہیں معلوم کہ اسلام کے بارے میں کیوں اس تعصب کو جائز رکھا گیا ہے۔

(۱) مجمع الانہر ص ۶۶۸، ج ۱

Marfat.com

مسلمان غیر مسلم مملکت میں

غیر مسلم مملکت سے مراد وہی حکومتیں ہیں جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہو اور مسلمانوں کی اقلیت اور مسلمان عملاً محکوم ہوں۔ دستوری اعتبار سے اس کا فیصلہ کرنا آج کل ذرا دشوار ہے کہ کون حاکم ہے اور کون محکوم۔ کیونکہ حاکم اور محکوم کا احساس و اظہار برتاؤ سے ہوتا ہے۔ محض کتابت دستور سے نہیں۔ اگر کسی ملک میں مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود پُر امن رہتے ہوں اور ان کی عبادت گاہیں محفوظ اور ان کے حقوق مصئون ہوں اور ان کو پورے شہری حقوق حاصل ہوں اور وہ اپنے شعار اور فرائض کو بلا روک ٹوک ادا کرتے ہوں تو ایسی کافر حکومت ان کے لیے ایسی نام نہاد اسلامی حکومت سے بدر جہا بہتر ہے کہ جہاں ان کا دین محفوظ نہ ہو۔ گذشتہ زمانہ میں کمال اتاترک کی حکومت کو کیا کہا جائے گا اور زمانہ قدیم کا شاہ نجاشی کی حکومت کے متعلق کیا رائے ہوگی؟ بہر حال دستور کے ساتھ نفاذ دستور کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ یہ نہیں جیسا کہ آج کل جمہوری حکومتوں میں دستور تو مرتب کر لیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا نافذ ہونا اکثریت کے رحم و کرم پر موقوف ہوتا ہے۔

جہاں تک اسوۂ نبی صلعم اور حضرات صحابہؓ کی مقدس زندگیوں کا تعلق ہے وہ ہمارے لئے ہر حالت میں مشعل راہ ہیں اور حنفی فقہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ اکثریت، اقلیت، جہاد، امن، صلح، جنگ، معاہدے غرضکہ ان مقدس زندگیوں کی روشنی میں حنفی فقہ میں انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام ہی مسائل کا حل موجود ہے۔

ہم نے مختلف دساتیر کو پڑھا لیکن جو رعایت اور آسانیاں اہل کفر کے غلبہ کی صورت

Marfat.com

میں مسلمانوں کے لیے حنفی فقہ نے بہم پہنچائی ہیں ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد ان کے مدونین کی روحوں کے لیے بے اختیار منہ سے دعائیں نکلتی ہیں۔

قیام جمعہ وعیدین

جمعہ وعیدین کی حیثیت حکما اگرچہ واجبات کی ہے لیکن اجتماعیت کی وجہ سے ان کو شعارعیت حاصل ہے۔ اس لیے ان کے قیام کے لیے امام کی ضرورت ہے۔ ائمہ حنفیہ نے قیام جمعہ وعیدین کے لیے امام وقت یا اس کے مقرر کردہ حاکم کو شرط قرار دیا ہے۔ فقہ حنفی کے نزدیک اسی قسم کی دوسری نزاکتوں کے پیش نظر نصب امام واجب ترین امر ہے۔

ونصبه اهم الواجبات فلذا قدموه علی دفن صاحب المعجزات صلعم (۱)

تقرر امام واجبات میں سب سے زیادہ اہم ہے اسی وجہ سے حضرات صحابہؓ نے حضور صلعم کے دفن پر اس کو مقدم کیا۔

علامہ نسفی نے اپنی مشہور عالم کتاب شرح عقائد نسفی میں امام کی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ ''مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ احکامات شرعیہ کے نفاذ اور حدود اللہ کے قیام۔ امور جہاد کی انجام دہی اور اسلامی مملکت کو مفسدوں اور لٹیروں سے مامون رکھنے کے لیے ونیز جمعہ وعیدین کو قائم کرنے کے لیے اور شہادتوں کے قبول ورد کرنے کے لیے کسی امام کو ضرور مقرر کرلیں۔ (۲)

اس مختصر عبارت سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ معاملات اور عبادات میں بغیر تقرر امام کے چارۂ کار نہیں ہے چنانچہ حدیث کی کتابوں میں بکثرت احادیث موجود ہیں جن میں مسئلہ امامت کو خاصی اہمیت دی گئی ہے۔ اسی ضرورت اور اہمیت کے پیشِ نظر دارالکفر میں تقرر امام ایک نازک ترین مسئلہ بن گیا ہے۔ لیکن فقہ حنفی نے اس نزاکت کو نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ تراضی المسلمین سے اس مسئلہ کو سہل ترین کر دیا ہے۔

امافی بلاد علیها ولاة الکفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمعة

---

(۱) درمختار ص۴۰۴، ج۱ (۲) شرح عقائد نسفی

Marfat.com

والاعیاد ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین [1]

لیکن ان شہروں میں جن میں غیر مسلم حاکم ہیں مسلمانوں کو جمعہ وعیدین قائم کرنا جائز ہے اور وہاں مسلمانوں کا آپس میں کسی کو قاضی مقرر کر لینا ہی (کافی ہوگا) اور وہ قاضی شرعی حکام کے حکم میں شمار ہوگا۔

یعنی اگر مسلمانوں نے اپنے معاملات طے کرنے کے لیے کسی کو حاکم شرعی یا قاضی بنا لیا تو ان کے اوپر سے وہ ذمہ داری ساقط ہو جائے گی جو شریعت نے ان کے اوپر ڈال دی ہے۔ اور قاضی بھی نام کا قاضی نہ ہوگا بلکہ اس کے فیصلے معتبر اور نافذ ہوں گے۔ آج کل ہندوستان میں بیشتر مقامات پر شرعی پنچائیتوں کا قیام اسی حاکم شرعی کا بدل قرار دیا گیا ہے۔

غلبۂ کفار کی دشواریوں اور نزاکتوں کو محسوس کرتے ہوئے سلطان عبدالحمید خاں نے ۹۴۵ھ میں ایک حاکم صادر فرمایا تھا جس کو حنفی فقہ نے نظر انداز نہیں کیا ہے اسی وجہ سے غیر مسلم ممالک میں قیام جمعہ وعیدین کے لیے مسئلہ میں کوئی قابلِ اعتراض بات باقی نہیں رہی ہے۔

وفی مجمع الانہر انہ جائز مطلقاً فی زماننا لانہ وقع فی تاریخ خمس واربعین وتسعمائۃ اذن عام وعلیہ الفتویٰ [2]

کتاب مجمع الانہر میں مذکور ہے کہ اقامت جمعہ وعیدین مطلقاً جائز ہے کیوں کہ ۹۴۵ھ میں اذن عام ہو چکا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

یعنی دارالکفر میں غلبہ کفار اقامت جمعہ وعیدین کے لیے موانع میں داخل نہیں سمجھنا چاہیے۔ علامہ شامی نے اس پر تنقید بھی کی ہے لیکن صاحب مجمع الانہر نے ص ۵۶۵، ج ۱ پر اس کے متعلق جو بحث کی ہے وہ بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ الحاصل حنفی دستور نے بدلتے ہوئے حالات میں جو رہنمائی کی ہے وہ ایک ناقابلِ فراموش احسان ہے۔

حدود وقصاص

ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے حدود اللہ (قطع ید، قصاص، ضرب، اسواط) کا قیام ضروری ہے۔ آج کل کے نام نہاد مہذب ترین ملکوں کی قتل، زنا، سرقہ اور ناجائز بچوں

(۱) درالمختار ص ۲۶۱، ج ۳۔ (۲) درمختار ص ۵۹۲، ج ۱

Marfat.com

کی شرح پیدائش کی جو رپورٹیں موصول ہو رہی ہیں۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ متعلقہ حکومتیں اپنے نام نہاد دستور کو بھی نافذ کرنے میں قاصر ہیں جس کی وجہ سے ان جرائم اور قتل انسان کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی ہے لیکن اسلام نے قتل کا بدلہ قتل قرار دے کر انسانی زندگیوں کو فنا کے گھاٹ اور بن آئی موت سے محفوظ رکھا ہے۔

ولكم في القصاص حياة الاية

تمہارے لیے قصاص لینے میں حیات ہے

لیکن حدود و قصاص کا قائم کرنا حکومت کا کام ہے افراد اور رعایا کا نہیں اسی وجہ سے فقہ حنفی نے غلبہ کفر کی صورت میں مسلم رعایا کے اوپر سے اس فریضہ کو اُٹھا دیا ہے۔

لاتقام الحد ودفي دارا لحرب (۱)

دارالحرب میں حدود قائم نہیں کی جائیں گی

امام صاحب نے حدود و قصاص کے متعلق یہ حکم محض اپنے قیاس سے نہیں بیان فرمایا بلکہ ان کے پاس اس باب میں متعدد احادیث ہیں جن کے لیے الرد علی سیر الاوزاعی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

(۱) الرد علی سیر الاوزاعی ص۸۱

Marfat.com

معاشیات واقتصادیات

ربوی معاملات اور بیوعات فاسدہ

چونکہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام کے نزدیک نظریہ آخرت کوئی چیز نہیں ہے اور نہ وہ وجود باری اور اس کے نظام ارسال رسل ہی کو مانتے ہیں اس لیے ان کے واسطے معیشت کی تمام راہیں بلا ضابطہ آزاد ہیں جس میں وہ اپنی من مانی کرتے رہتے ہیں۔ ان کے سامنے صرف اپنا ہی فائدہ ہوتا ہے اور بس لیکن مسلمانوں کا نظریہ حیات کچھ اور ہی ہے وہ آخرت کو ہر وقت پیش نظر رکھتے ہیں اس لیے ان کے سامنے دوسروں کے فائدے کو اقدمیت حاصل ہوتی ہے۔

مسلمان چونکہ کسی فرد کو بھی عطیات الٰہی اور معاش سے محروم کرنے کو جرم سمجھتے ہیں ان کی شریعت میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ ایک کو مرزوق کثیر کر دیا جائے اور دوسرے کو محروم۔ دعا جز اس لیے اسلام نے ربوی کاروبار اور ان طریق تجارت کی ممانعت کی ہے کہ جس میں پورا سرمایہ صرف ایک ہی کی ملکیت بن جائے اور دوسرے محنت و مشقت کے باوجود محروم رہیں اور اس طرح نظام سرمایہ داری کو عروج اور تقویت حاصل ہوتی رہے۔

سودی کاروبار اور بیوعات فاسدہ کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ بات صاف ہو جائے گی کہ اس میں سرمایہ داری کو تقویت حاصل ہو رہی ہے اور غریب محروم ہو رہا ہے جو سراسر بے انصافی پر مبنی ہے۔ آج کل کے نظام حکومت کے شیدائی غور فرمائیں کہ ایک کا، سوا، ڈیڑھ اور دو وصول کرنے کے ڈانڈے کہاں جا کر ملتے ہیں یقیناً آج کل کے طریق تجارت سے منافع صرف

ایک ہی کی ملکیت میں سمٹ کر جا رہا ہے۔ زمانہ حال کے مفکر عظیم اور ہندوستان کے وزیر اعظم نے یہی فرمایا ہے کہ ''منصوبہ بندی سے سرمایہ داروں کو زیادہ فائدہ پہنچا ہے۔ اور غریبوں، کاشتکاروں کو بہت کم۔ (۱)

بات یہی ہے کہ موجودہ طریق تجارت کی ابتداء بنیا سسٹم سے ہے اور اس کی انتہا شہنشاہیت پر ہے لیکن افسوس اس کا علاج آج کل کے مفکرین بھی نہیں کر سکتے۔

یہ بینک سسٹم، کوآپریٹیو نظام، انسورنش، لاٹریاں، بونڈس وغیرہ تمام ہی طریقوں میں سود اور ناحق نفع خوری پائی جاتی ہے۔ اسی طرح قمار بازی، سٹہ، جرمانہ اور ٹیکس سب کے سب سرمایہ دارانہ لعنتیں ہیں جس میں ہندوستان کے ہندو مسلمان سب ہی گرفتار ہیں۔ ایسی حالت میں حنفی دستور نے نزاکت کو محسوس کیا ہے اور مسلمانوں کو ایسے دور ابتلا میں پسماندگی کی بدترین لعنت سے محفوظ رکھا ہے۔

قال ابو حنیفه لو ان مسلماً دخل ارض الحرب بامان فباعهم الدرهم بالدرهمین لم یکن بذلک باس لان احکام المسلمین لاتجری فبائ وجهٍ اخذ اموالهم برضائهم فهو جائز. (۲)

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان اہل کفر کے ملک میں امان (ویزا) لے کر جائے (یا اس ملک کے دستور کو تسلیم کر کے وہاں کا شہری بن جائے) اور وہاں کے کافروں کے ساتھ لین دین اس طرح کرے کہ کافر اس کو ایک درہم کے بدلے میں دو درہم (سود) دیں۔

تو اس میں مسلمان کے لیے مضائقہ نہیں ہے یہ اس کے لیے حلال ہے اس لیے کہ مسلمانوں کے احکامات کافروں پر جاری نہیں کئے جا سکتے لہٰذا اہل کفر اپنی مرضی سے جس طرح بھی اپنا مال مسلمانوں کے سپرد کریں۔ مسلمانوں کے لیے یہ مال حلال ہے۔

لہٰذا بنک وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں کو جو رقم سود کے نام سے ملتی ہو وہ ان کے لیے جائز ہے۔ لیکن اس سہولت اور دستوری لچک کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان آپس میں بھی سودی

(۱) مدینہ دسمبر ۶۳ء (۲) الردعلی سیر الاوزاعی ص ۹۶

Marfat.com

کاروبار کرنے لگیں۔

اس جگہ امام صاحب کے مذکورہ قول کی لطافت کی طرف بھی اشارہ کرنا فائدہ سے خالی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ امام صاحب نے اپنے مذکورہ قول میں برضاھم (ان کی رضامندی) کی قید کا اضافہ کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ معاملہ کافروں کی رضامندی سے ہونا چاہیے۔ لہٰذا جب کافر اپنی مرضی سے باطل طریقہ پر اپنے مال کو کسی مسلمان کے حوالہ کردے تو اس کو کون روک سکتا ہے۔ اس کا مال ہے جو چاہے کرے۔ اس طرح کے سودی معاملہ کو حدیث شریف میں سود کا نام ہی نہیں دیا گیا۔

لاربوٰبین المسلم والحربی فی دارالحرب [1]

اہل کفر کے ملک میں مسلمان اور کافر کے درمیان ربو نہیں ہے۔

اس سے بات صاف ہوگئی۔ لیکن باوجود اس کے مسلمانوں کو ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہے کہ وہ آزاد طبع ہوجائیں۔ ہاں بدرجہ مجبوری اگر ان کو کافروں کی مرضی سے کچھ مل رہا ہو تو اس کو حاصل کرلیں از خود اس کے طالب نہ ہوں۔ اور حتیٰ الامکان اجتناب ہی کریں کیونکہ اس عارضی نفع خوری سے اجتناب بہتر ہے۔ حضرت شیخ الاسلام سیدی و مرشدی و مولائی مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ نے بیان فرمایا ہے۔

> دارالحرب میں غدر اور خیانت کے سوا ہر طریقہ سے اہل حرب سے اموال حاصل کرنا مسلمانوں کے لیے مباح ہے اس لیے کہ مسلمانوں اور حربی کے درمیان معاملہ سود پر سود کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ طرفین کا [2] اصول ہے۔
>
> **لان الربوٰ لایجری بین المسلم الحربی فی دارا لحرب.**
>
> اس لیے کہ ربوٰ مسلمان اور کافر کے درمیان دارالحرب میں جاری نہیں ہوتا۔
>
> امام ابو یوسف کے نزدیک حربی کے ساتھ بھی سودی معاملہ جائز نہیں ہے۔ جو لوگ از راہِ تقویٰ دارالحرب میں سود لینے سے اجتناب کرتے ہیں وہ امام ابو یوسف کے اسی مسلک پر عمل پیرا ہیں لیکن یہ تمام تفصیلات اس صورت میں ہیں جب کہ سود لینے والا مسلمان اور سود دینے والا حربی ہو۔

(۱) مسند امام اعظم۔ (۲) امام ابوحنیفہ اور امام محمد۔

Marfat.com

مسلمان کا مسلمان سے سود لینا یا غیر مسلم کو سود دینا متفقہ طور پر ناجائز ہے۔ (۱)

یہ بات دیگر ہے کہ فقہائے متاخرین نے سودی رقم کو انتظاماً اور مصلحتہً مسلمانوں کے مفاد عامہ پر صرف کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

وما اوجف المسلمون علیہ من اموال اھل الحرب بغیر قتالٍ یصرف فی مصالح السلمین (۲)

کافروں کے ملک میں کافروں کے مال پر (ان کی مرضی سے) بلا جنگ اگر مسلمان قابض ہو جائیں تو اس مال کو مسلمانوں کے مفاد پر صرف کر دینا چاہیے۔

فقہائے حنفیہ کی اس تصریح کے بعد بینک سسٹم سے حاصل کردہ رقم کو مسلمانوں کے مفاد عامہ پر صرف کرنا جائز ہے ہاں دھوکہ بازی اور خیانت سے گریز کرنا چاہیے۔

ازادخل دارالحرب بامان مسلمٌ تاجر یحرم علیہ ان یتعرض لشی من اموالھم (۳)

جب مسلمان اہل کفر کے ملک میں پاسپورٹ اور ویزا کے ذریعہ داخل ہو جائیں تو کافروں کے مال سے تعرض کرنا حرام ہے۔

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں۔

لان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہٗ المسلم اخذ مالا مبلحاً اذالم یکن فیہ غدر.

اس لیے کہ کافروں کا مال دارالحرب میں غدر و خیانت کے علاوہ جس طرح بھی حاصل کیا جائے وہ مال مباح ہے۔

صاحب درمختار اس عبارت کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

اذالمسلمون عند شروطھم (۴)

---

(۱) مکتوبات شیخ الاسلام ص ۳۳، ج ۲ — (۲) عالمگیری باب الربا

(۳) ایضاً ص ۲۳۲ ج ۲ — (۴) درمختار ص ۲۵۴

Marfat.com

اس لیے کہ مسلمان شروط پر قائم رہتے ہیں اور اسی کے مطابق وہ ماخوذ ہیں۔

بالفرض اگر کسی نے دھوکہ اور خیانت سے مال حاصل کرلیا تو اس کو صدقہ کرنا پڑے گا۔[1] غرضیکہ اسلامی دستور یا فقہ حنفی نے مختلف حالات میں مسلمانوں کے لیے جو سہولتیں بہم پہنچائی ہیں وہ ناقابلِ فراموش احسان ہے۔ اگر دوسرے فقہوں کی طرح اس میں بھی سختیاں ہوتیں تو آج کل کے غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے لیے زندگی گزارنا نہایت دشوار ہوتا۔

اس جگہ اگر غور وفکر کو کام میں لایا جائے تو حنفیت کی مقبولیت اور اس کے اسباب عروج بخوبی سمجھ میں آجائیں گے۔ میں ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ حنفیت کو عروج اس کو اپنے ابتدائی اقتدار کی وجہ سے ہوا ہے جو یہ کہتا ہے وہ تاریخ اسلام کو مسخ کرتا ہے اور امت مسلمہ پر جبن اور بزدلی کی تہمت لگاتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس امت نے کبھی اقتدار اور طاقت کے بل بوتے پر کسی چیز کو قبول نہیں کیا ہے۔ لہٰذا جب یہ معاملہ ہے تو سوائے اس اعتراف کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ حنفیت کی قبولیت اس کے سہل انگاری کی وجہ سے ہوئی ہے۔

ذخیرہ اندوزی اور بیلک مارکیٹنگ

ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ اسلام عطیات الٰہیہ سے کسی کو محروم کرنا نہیں چاہتا ہے۔ حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں۔

> جملہ اشیاء عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان خلق لکم مافی الارض جمیعاً تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی شے فی حدذتہ کسی کی مملوک خاص نہیں ہے بلکہ ہر شے اصل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے ہاں بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علت مقرر کیا گیا اور جب تلک کسی شے پر کسی شخص کا قبضہ نامہ مستقلہ باقی رہے۔ اس وقت تلک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کرسکتا۔[2]

---

(۱) ایضاً (۲) اسلام کا اقتصادی نظام ص ۴۳

Marfat.com

اس عبارت کو آسان طور پر اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ زمین کی پیداوار سے سب کو انتفاع کا حق حاصل ہے۔ لیکن ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹنگ اس انتفاع کے آڑے آتے ہیں۔ شریعت نے اس کو احتکار وغیرہ کے نام سے یاد کیا ہے اور حنفی فقہ نے حدیث شریف کی روشنی میں اس مضرت رساں ذخیرہ اندوزی کو بُری نظر سے دیکھا ہے۔

من احتکر فھو خاطی [1]

جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ خاطی ہے

زمانہ جاہلیت میں تاجروں نے عادت بنالی تھی کہ لوگوں کی ضرورت کی اشیاء خاص خاص مواقع کے لیے ادھر اُدھر سے جمع کر کے روک لیتے تھے اور پھر بہت زیادہ قیمت پر فروخت کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کو بہت زیادہ پریشانی ہوتی ہے۔ حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر کچھ تاجر ٹھہرے ہیں جن کے پاس غلہ کی بڑی مقدار ہے۔ آپ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ فلاں شخص ہے اور آپ کے غلام نے یہ غلہ اس غرض سے جمع کیا ہے کہ مناسب وقت پر کثیر منافع لے کر فروخت کرے۔ تب حضرت عمرؓ نے اس کو نصیحت فرمائی۔

حنفی فقہ نے ایسی ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کہ جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے سے روکا ہے اور حرام قرار دیا ہے۔ [2] یہ حکم صرف کھانے پینے کی اشیاء تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ضروریات زندگی کی تمام اشیاء اس میں داخل ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

کل ما اضربه العامة جسه فهوا احتکار [3]

ہر وہ شے جس کی رکاوٹ سے عوام کو ضرر ہو وہ احتکار ہے۔

ملاوٹ اور کھوٹ

اشیاء کو مارکیٹ میں اس کی اصلی حالت کے بجائے ملاوٹ کے ساتھ فروخت کرنا اور اصلی ظاہر کرنا یہ آج کل اگرچہ ایک آرٹ اور فن سمجھا جاتا ہے جس کو باقاعدہ پڑھایا جاتا ہے لیکن اسلام کے نزدیک یہ فعل نہایت مذموم ہے کیونکہ اس سے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ فقہ

(۱) اوجز ص ۹۷، ج ۵ (۲) درمختار ص ۱۴۶، ج ۴ (۳) اوجز ص ۹۷، ج ۵

حنفی نے اس مذموم حرکت کو بند کرنے کے لیے جناب رسول اللہ صلعم کا ارشاد پیش کیا ہے۔

لیس منامن غش فی البیع والشراء (الحدیث)

وہ ہم میں سے نہیں جس نے خرید وفروخت میں دھوکہ دیا۔

اسی حدیث کی روشنی میں فقہاء حنفیہ نے حکم دیا ہے۔

الغش حرام [1]

غش حرام ہے۔

یعنی اشیاء میں ملونی کر کے فروخت کرنا گناہ کبیرہ اور ایک بڑا اخلاقی جرم ہے اس لیے کہ پبلک کو نظر انداز کر کے اپنی تجوری آباد کرنا انتہائی درجہ کی پست اخلاقی ہے۔ حنفی دستور کی رو سے اس بیع کو فسخ کر دیا جائے گا اور مشتری کو اس کی قیمت واپس دلائی جائے گی۔

وفسخه اذا وجد فی البیع عیباً

اس بیع کو توڑ دیا جائے گا جس بیع میں عیب موجود ہو گا۔

اس قسم کے معاملہ کو فقہ حنفی میں بیع غرر یا غش کہتے ہیں فقہاء حنفیہ نے باب خیاء عیب کے تحت اس کے قواعد وضوابط بیان کئے ہیں اور جگہ جگہ احادیث سے استدلال کر کے اس ناجائز...... منافع خوری کی کمر توڑ دی ہے۔ افسوس کہ آج کل کی جمہوری حکومتوں نے کماحقہ حنفی دستور سے استفادہ نہیں کیا۔

قمار یا سٹہ

سرمایہ دارانہ نظام کو تقویت دینے کے لیے یہ وہ طریقہ کسب ہے جس میں بے محنت دولت حاصل کرنے کی لت پڑ جاتی ہے۔ اسلام اور فقہ حنفی نے اس کی تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ایک مشہور حنفی عالم حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور زمین پر ان کے معاش کا انتظام فرمایا تو انسانوں کے درمیان جنگ وجدل اور کشمکش برپا ہو گئی تب خدا کے قانون کا یہ فیصلہ ہوا کہ جو شخص ذاتی محنت، وراثت یا کسی دوسرے جائز

(۱) تنسیق ص ۱۷۲

Marfat.com

اور صحیح طریقہ سے کسی چیز کا مالک ہے اس کی چیز میں دوسرا کوئی مزاحمت اور کشمکش کا حقدار نہیں ہے البتہ دوسرے کو بدل کے ذریعہ خریداری اور معتبر د صحیح رضامندی اور ...... معاملت کے ساتھ اس چیز کو حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ پس اگر کوئی معاملہ اس طرح کیا جائے کہ جس میں نہ بدل صحیح ہو اور نہ باہمی تعاون پایا جائے بلکہ دوسرے کو نقصان دے کر نفع حاصل کرنا مقصود ہو جیسے قمار یا اس میں صحیح رضامندی موجود ہو جیسے سود تو یہ تمام طریقے باطل اور ظلم ہیں۔ (۱)

اس باب میں حنفی فقہ کی بنیاد یہ آیۃ مبارکہ ہے

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ۔

بلاشبہ شراب، جوا، بت پانسے یہ سب سراسر نجاست اور شیطانی دھندے ہیں ان سے بچو۔

میسر و ازلام، منابذہ، ملامسۃ وغیرہ مخرب اخلاق طریقوں کو مرور ایام نے اب تہذیب واخلاق قرار دیدیا ہے۔ لاحول ولاقوۃ

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۳، ج ۲

امداد باہمی یا کوآپریٹیو سوسائٹیاں

مذکورہ سطور میں ہم نے آجکل کے رائج شدہ نظام کی چند بھدی صورتوں کو اجمالاً ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی دستور اسلامی یا فقہ حنفی کی رو سے اس پر کچھ بحث بھی کی ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے سدھار کا تعلق ہے ان کے لیے ہم نے دارالحرب کے نقطہ نظر سے فقہ حنفی کے مزاج کو پیش کر دیا ہے۔ یہاں امداد باہمی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

پنج سالہ پلان کے ماتحت حکومت کی طرف سے جن رعایتوں کا اعلان کیا گیا ہے ان پر شرعی نقطہ نظر سے تبصرہ بھی کیا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ مسلمان کسی طرح اقتصادی بدحالی کا شکار نہ ہو جائیں۔

کوآپریٹیو سوسائٹیاں

آج کل پنج سالہ پلان کے ماتحت ملک کے باشندوں کی اقتصادی حالت درست کرنے کے لیے امداد باہمی کا طریقہ نکالا ہے جس کو کوآپریٹو سوسائٹی کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ غریب کاشتکاروں، مزدوروں اور متوسط طبقوں کو سستے قرض دینے کے اصول پر چلائی جاتی ہیں مگر شوسلزم نظام کا یہ بدنما دھبہ (سود کی لعنت) اس میں بھی موجود ہے جس کا انجام سرمایہ داروں اور پونجی پتیوں کی سرپرستی اور پرورش ہوتا ہے۔

اسلام اور حنفی فقہ نے ان سوسائٹیوں کی اصلاح کی ہے اور امداد باہمی کے ایسے طریقے بتلائے ہیں جن سے غریبوں کا بہت زیادہ فائدہ ہوسکتا ہے۔ مثلاً پبلک سوسائٹیوں کا نظام اس طرح قائم کیا جائے کہ تجارتی، زراعتی، صنعتی ناموں سے علیحدہ علیحدہ مجالس کا قیام عمل

Marfat.com

میں آ جائے۔اور سود کی لعنت کو اس میں سے نکال دیا جائے۔فقہ حنفی میں ان مجالس کے یہ اسماء ہیں۔

الف: شعبۂ تجارت میں، مضاریت، معاوضہ، عنان، وجوہ۔

ب: شعبۂ زراعت میں۔مضارعت، معاملہ، مساقات۔

۱۔ مضاریت: ایک قسم کی تجارتی معاہدہ ہوتا ہے جس میں ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے عمل یا محنت ہوتی ہے۔اس کی ۶ شرطیں ہیں جن کو فقہ کی کتابوں سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ معاوضہ: ایسے تجارتی کاروبار کا نام ہے جس میں کمپنی کے طور پر چند افراد اپنا اپنا مال لگا کر شریک ہو جاتے ہیں اور نفع ونقصان کے آپس میں شریک ہوتے ہیں۔

۳۔ شرکت ضائع: کمپنی کے طرز پر اس کاروبار کو کہتے ہیں جس میں چند ہم پیشہ، صاحب صنعت وحرفت اپنے اپنے پیشہ کو شرکت کے ساتھ چلاتے ہیں۔اور نفع ونقصان میں شریک رہتے ہیں۔

۴۔ وجوہ: کمپنی کے طور پر چند افراد کے درمیان مساوی عمل ومحنت، کسب، اکتساب میں شرکت ہو جائے ان میں سے ہر آدمی اپنے ذاتی رکھ رکھاؤ کی وجہ سے مارکیٹ میں خرید وفروخت کرتا ہے۔یہ بھی نفع ونقصان میں شریک ہوتے ہیں۔

امور خانہ داری یا معاشرت

امور خانہ داری یا افراد کی معاشرتی زندگی کو بنانے اور سنوارنے میں اسلامی قوانین کی ترتیب وحکمت کچھ ایسی عجیب وغریب ہے کہ جس کے ڈانڈے ملکی سیاست سے جاملتے ہیں گویا کہ گھر کی چاردیواری ملکی سیاست کے لیے ایک ٹریننگ اسکول یا ابتدائی تربیت گاہ ہے۔ یہاں کے تربیت یافتہ افراد ملکی اور ملی خدمات کے میدان میں کامیاب ہی اُترتے ہیں۔

نظام البیت یا مثالی اسٹیٹ پر نظر ڈالنے کے بعد مختلف افراد سامنے آتے ہیں جن کے خطابات، باپ، بیٹا، بیوی، بہن، سالی، خواشدامن، خسر، ماموں، بھانجا، ماں، دادی، پھوپی، نواسہ، نواسی، پوتا، پوتی وغیرہ ہوتے ہیں۔ جن کو اگر غور سے دیکھا جائے تو سب کے سب ایک رشتہ نکاح میں منسلک نظر آئیں گے۔

ان تمام رشتوں میں تال میل قائم رکھنے کے لیے اور اس کی وجہ سے جو مصائب وآلام پیش آتے ہیں ان پر صبر وتحمل سے کام لینے کے لیے امام ابوحنیفہ نے ایک حدیث پیش کی ہے۔

اذابات احدکم مغموماً مهموماً من سبب العيال كان افضل عندالله تعالىٰ من الف ضربة بالسيف في سبيل الله. (۱)

تم میں سے کسی کا اولاد کے غم وفکر میں کوئی رات گزارنا اللہ کے نزدیک اس کی راہ میں تلوار کے ایک ہزار وار چلانے سے افضل ہے۔

یہیں سے پبلکی امور میں صبر وتحمل کرنے کی ابتدا ہوتی ہے۔ حنفی فقہ نے امور خانہ داری سے متعلق جو قانون تیار کیا ہے اور جو ہدایات فرمائی ہیں ان کو ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

---

(۱) مسند امام اعظم

عقدِ نکاح

فقہاء حنفیہ نے اشتغال بالنکاح کو نفلی عبادت سے افضل قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ابن ہمام شارح ہدایہ تحریر فرماتے ہیں۔

نکاح کی وجہ سے تہذیب اخلاق اور باطنی وسعت حاصل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے انسان معاشرہ میں اپنے ابنائے نوع کے ساتھ تحمل اور بردباری سے پیش آتا ہے۔ اس کے علاوہ اولاد کی تربیت، غریبوں کی امداد، عزیز و اقارب کا نان ونفقہ اور نفس کی پیرہیز گاری اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے اہلیت عبادت بھی پیدا ہوتی ہے۔ غرضیکہ ایسے بہت سے فرائض ہیں جن کی ادائیگی صرف نکاح پر موقوف ہے اسی وجہ سے نکاح کو نفلی عبادت سے افضل قرار دیا ہے۔ (۱)

امام ابن ہمام نے نکاح کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام ابوحنفیہ کی ایک روایت کی شرح کی ہے اور بیان کیا ہے کہ ''نکاح سے مقصود تکثیر مسلمین بھی ہے'' یہ ایک ایسی حکمت ہے' جس کی وجہ سے ملکی سیاست میں انقلاب لایا جا سکتا ہے کیونکہ آج کل سارا جھگڑا اور سیاست کا رُخ صرف اکثریت و اقلیت کے دائرے میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

انتخاب زوجہ

اتنا بڑا مقصد جس کی طرف مذکورہ سطور میں اشارہ کیا گیا ہے۔ صرف انتخاب زوجہ پر موقوف ہے۔ یہ مسئلہ اگر طرفین کی مرضی کے مطابق طے پا جائے تو پھر تمام مقاصد کی تکمیل سہل ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فقہ حنفی نے زوجین کو پورا پورا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے رشتہ زوجیت میں منسلک ہوں۔

لاتجبر البالغة العاقلة

بالغہ، عاقلہ لڑکی پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔

---

(۱) فتح القدیر ص۳، ج۲

یعنی اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے رشتہ زوجیت میں منسلک ہو بخلاف دوسرے فقہوں کے کہ ان میں اولیاء کی اجازت کو شرط قرار دیا ہے جس کی وجہ سے لڑکی مجبور محض ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن حنفی فقہ نے اس سے آگے بڑھ کر یہاں تک اجازت دیدی ہے کہ غض بصر کی قیودات کے باوجود انتخاب زوجین (خطبہ) میں ایک دوسرے کو دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ اس کے لیے حنفی فقہ ایک حدیث پیش کرتا ہے۔

النظر الیها احری [1]

عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا زیادہ مناسب ہے۔

یعنی جس عورت کو بیوی بنانے کا ارادہ ہو اس کو دیکھ لینا زیادہ اچھا ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں فقہا حنیفہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر ہونے والے شوہر کو شہوت کا اندیشہ بھی ہو تب بھی اپنی منگیتر کے چہرے کو دیکھ سکتا ہے۔ [2]

امام ابوحنیفہ نے ایک حدیث بیان فرمائی ہے جس میں مندرجہ ذیل اقسام کی عورتوں سے نکاح کرنے کو منع کیا گیا ہے۔

۱۔ شہبرہ: موٹی فربہ عورت جس کی آنکھیں بلی کی طرح ہوں۔
۲۔ نہبرہ: دبلی پتلی اور لمبی عورت گویا چھپڑ کی بلی ہے۔
۳۔ لہبرہ: آزاد شدہ بڑھیا عورت۔
۴۔ ہبدرہ: پستہ قد عورت گویا کہ کپڑے کی گٹھری ہے۔
۵۔ لغوت: جس کی گود میں دوسرے شوہر کا بچہ ہو۔

اس روایت کو امام صاحب نقل فرمانے کے بعد دیر تک ہنستے رہتے تھے۔ [3]

اسی حدیث اور اس قسم کی دوسری احادیث کی روشنی میں امام ابوحنیفہ نے زمام اختیار زوجین کے ہاتھوں میں دیدی ہے۔

کفوٗ

انتخاب زوجین کے باب میں حنفی دستور نے کفو کو بھی ضروری قرار دیا ہے چنانچہ امام محمد فرماتے ہیں اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہ کی بھی ہے۔

(۱) ترمذی (۲) ردالمحتار ص۲۴۶، ج۵ (۳) مسند امام اعظم ص۱۳۰

Marfat.com

ویفتی فی غیر الکفؤ لعدم الجوائز اصلاً

غیر کفو میں نکاح بالکل ناجائز ہے۔

یعنی ایسا نکاح صحیح نہیں ہے کہ زوجین نے اپنی مرضی سے غیر کفو میں کرلیا ہو ممکن ہے حنفی فقہ کا یہ قانون بظاہر غلط معلوم ہو لیکن اگر اس کو معاشرے کی اصلاح اور آپس کے تال میل کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس قانون کا ضروری ہونا ثابت ہو جائے گا۔ فقہ حنفی اس کی وجہ بیان کرتا ہے۔

الوجه فيه ان انتظام المصالح انمايكون بين الزوج والزوجة عند التوافق والا لفة وهما يكونان بين المتكافين.[1]

وجہ اس میں یہ ہے کہ انتظام مصالح زوج اور زوجہ کے درمیان آپس میں موافقت اور محبت ہونے کی حالت میں ہوتے ہیں یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ دونوں میں مساوات ہو۔

بہر حال فقہ حنفی میں کفو کا اعتبار کیا گیا ہے۔ ہاں اگر عورت اور اس کا ولی غیر کفو میں شادی کرنے پر راضی ہو جائیں تو بات دیگر ہے لیکن اگر عورت نے اپنی ہی مرضی کو مقدم رکھا اور غیر کفو میں شادی کر لی تو اس کے متعلق اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ مزید برآں یہ کہ غیر کفو میں شادی کرنے میں اذلال نفس بھی لازم آتا ہے جس کو فقہاء حنفیہ نے حرام قرار دیا ہے۔

ولی

جہاں تک عورت کے ذاتی حقوق و اختیار کا تعلق ہے وہ اس میں آزاد ہے لیکن جہاں دوسرے کے حقوق سے وابستگی پائی جائے گی وہاں عورت کو تابع رہنا پڑے گا وجہ اس کی غالباً اس کا ناقص العقل ہونا ہے۔ یہ بات اگرچہ عورت پرستوں اور عریاں تہذیب کے عشاق پر گراں ہو گی لیکن کیا کیا جائے کہ جب ان ہی کے ہم مشرب ماہر جنسیات نے یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے۔

مرد کے سب سے بھاری دماغ کا وزن ۶۹ یا ۷۰ اونس اور سب سے ہلکے وزن ۳۴ اونس ہے اور متوسط درجہ کے دماغ کا وزن ۴۹ $\frac{1}{2}$ اونس

---

(۱) نہایہ ص ۱۰۳، ج

Marfat.com

ہے بخلاف عورت کے کہ اس کا سب سے بھاری دماغ ۶۱ ½ اونس اور سب سے ہلکا ۳۱ اونس اور متوسط دماغ ۴۴ اونس ہے۔

اس کے ساتھ ایک حنفی محقق امام اکمل الدین شارح ہدایہ کی تحقیق بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

نفس انسانی کی قوتوں کو چار درجہ میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا درجہ یہ کہ مطلقاً سوچنے سمجھنے کی استعداد موجود ہو۔ یہ استعداد فطرۃً انسان میں پائی جاتی ہے۔ دوسرا درجہ یہ کہ جزئیات میں حواس کے استعمال سے بدیہی باتیں حاصل ہونے لگیں (مثلاً دیکھ کر رنگ کا اور چکھ کا ذائقہ کا یقین وغیرہ اور عقل اس قابل ہو کہ اس میں غور و فکر کے ذریعہ خالص فکری حقائق کا اکتساب کرنے لگے اس کو اصطلاح میں عقل بالملکہ کہتے ہیں۔ اس صلاحیت کے بعد ہی آدمی پر شریعت کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ تیسرا درجہ یہ کہ بدیہی حقیقتوں سے جو نظریات ستبط ہو رہے ہیں ان کے ادرک میں کسی قسم کی دقت اور محنت پیش نہ آئے اس کے نام العقل بالعفل ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ نظریات ہمیشہ ذہن میں اس طرح متحضر ہوں کہ گویا آنکھوں کے سامنے ہیں اس کو عقل مستفاد کہا جاتا ہے اور شریعت کی ذمہ داریوں کا مدار جس صلاحیت عقل پر ہوتا ہے وہ دوسرا درجہ ہے۔ عورتوں میں اس کی کمی نہیں ہے کیونکہ جو جزئیات میں حواس کو استعمال کر کے بدیہات کو پالیتی ہیں اور اگر کسی بات کو فراموش کر جاتی ہیں استعمال کر کے بدیہات کو پالیتی ہیں اگر اس صلاحیت میں کسی قسم کا نقص ہو تو دین کے جن ارکان کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی گئی ہے عورتوں کو اس سے مختلف ارکان کی تکلیف دی جاتی ہے اور ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلعم نے ان کے حق میں ناقصات العقل جو فرمایا ہے۔ اس سے عقل بالفعل عقل کا تیسرا درجہ مراد ہے۔ (۱)

اس تشریح سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ عورت کو امور ذاتیہ میں خود مختار قرار دیا

(۱) عنایہ شرح ہدایہ ص ۸ ج ۶ مطبوعہ مصر۔

Marfat.com

جائے گا اور اس کے فعل اور قول کا اعتبار ہوگا لیکن جہاں دوسروں کے حقوق سے ادنی درجہ کی بھی وابستگی ہوگی وہاں اس کے حدود اختیار پر پابندیاں لگ جائیں گی۔ ان ہی دونوں چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حنفی دستور نے قرآن و حدیث کے عین مطابق حکم لگا دیا ہے کہ نابالغ، مجنون عورت کو اختیار نہیں کہ وہ بلا ولی کی اجازت کے نکاح کر سکے۔ اس باب میں مجنونانہ ماں کو اپنے بالغ لڑکے کی اجازت کا محتاج رہنا پڑے گا۔ ایسے ہی باعقل و شعور عورت کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ خاندانی شرافت کو بٹہ لگا کر غیر کفو میں نکاح کرے۔

مہر

مہر کے تقریباً آٹھ یا نو نام ہیں۔ مثلاً المہر، النخلہ، الصداق، العقر، العطیہ، الغریضہ، الاجرۃ، الصدقہ، العلاق۔[1]

مہر اگرچہ شرائط نکاح سے نہیں ہے لیکن احکام نکاح اور واجبات نکاح میں سے ضرور ہے۔ ائمہ اسلام نے اس کی مقدار میں اختلاف کیا ہے اسی طرح جنس مہر میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہ نکاح میں مہر بن سکتی ہیں خواہ لوہے کا ایک چھلا ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح وہ محض تعلیم القرآن پر بھی مہر کے قائل ہیں۔ امام مالک کے نزدیک کم از کم $\frac{1}{4}$ دینار یا تین درہم ہیں۔ ابن شبرمہ کے نزدیک کم از کم پانچ درہم، ابراہیم نخعی کے نزدیک کم از کم ۴۰ درہم۔ سعید بن جبیر کے نزدیک کم از کم پچاس درہم ہیں کیونکہ ان حضرات کے نزدیک نصاب سرقہ یہی ہے۔[2] امام ابوحنفیہ کے نزدیک اکثر مہر کی حد نہیں لیکن قلت میں کم از کم دس درہم ہونا ضروری ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک یہ حدیث حجت ہے۔

لامھر اقل من عشرۃ دراھم

دس درہم سے کم مہر نہیں۔

امام صاحب کے نزدیک کم سے کم نصاب سرقہ بھی یہی ہے۔ امام صاحب کرفرماتا ہے کہ قطع ید چونکہ دس درہم کے عیوض میں آ جاتا ہے اس لیے دس درہم سے کم مہر مقرر کرنا عضو

---

(۱) عینی شرح ہدایہ ص ۱۳۷، ج ۱۔ (۲) ایضاً ص ۱۱۸، ج ۲

Marfat.com

انسانی کی شرافت کے خلاف ہے۔

فقہا کی تشریحات کے مطابق مہر مثل بھی خاص حالتوں میں مقرر کیا جا سکتا ہے۔مہر مثل میں عورت کے آبائی قبیلہ کی قریبی رشتہ دار عورتوں کے مہر کا لحاظ رکھا جائے گا جس کی شرائط اور قیودات فقہ کی کتابوں میں تلاش فرمائیں۔

شاہدین

اسلامی احکامات میں سے کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہے جو بعض کے لیے قابل قبول ہو اور بعض کے لیے نہ ہو۔یہی حال شادی و نکاح کے احکامات کا ہے۔اس میں صرف ایجاب و قبول (جس کے لیے نصاب شہادت بھی شرط ہے) اسلامی شادی بیاہ کی سادہ شکل ہے اور اسلامی مساوات کا عمدہ مظاہرہ ہے کم از کم دو گواہوں کا ہونا اس وجہ سے شرط قرار دیا گیا ہے۔تاکہ شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائے کیونکہ نکاح سے پہلے وہی عورت جس کی طرف دیکھنا بھی ناجائز تھا لیکن ایجاب وقبول کے بعد زوج زوجہ کے پورے جسم سے متمتع ہونے کا حقدار ہو جاتا ہے۔اگر اسلام شہادت کی شرط نہ مقرر کرتا تو زنا اور خواہشات کا دروازہ کھل جاتا اسی لیے فقہاء حنفیہ نے حدیث شریف کی رو سے نصاب شہادت کو شرط قرار دیدیا ہے۔

لانکاح الابالشهود

بلا شہادت کے نکاح ہی نہیں ہوتا۔

اسی وجہ سے امام صاحب نے خفیہ نکاح کو نکاح ہی تسلیم نہیں کیا۔امام مالک تو اس سے بھی زیادہ اعلان نکاح کو بھی شرط قرار دیتے ہیں لیکن امام ابوحنیفہ اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

> انعقاد نکاح جبکہ گواہوں کی موجودگی میں ہو گیا اگرچہ پورے طور پر اعلان نہیں ہوا وہ نکاح جائز ہے اور اہل مدینہ کہتے ہیں کہ جب تک اعلان نہ ہو تو یہ نکاح سرّ ہے اور نکاح سرّ کے لیے ممانعت موجود ہے۔امام محمد فرماتے ہیں کہ جب کہ نکاح پر گواہ ہو گئے تو اس کو کس طرح باطل قرار دیا جا سکتا ہے؟ (مالکیہ سے خطاب کرتے ہوئے) ایک آدمی بادشاہ سے خائف ہے اس نے اپنی لڑکی کا نکاح عادل گواہوں کی موجودگی میں کر دیا اور کوئی

Marfat.com

اعلان نہیں کیا تو کیا یہ نکاح باطل ہے؟ اور باطل نہیں ہے تو کیوں؟ اس کے بارے میں آپ کہیں گے کہ ایک اثر موجود ہے جس کی وجہ سے امام مالک نے ایسے نکاح کو جائز قرار دیا ہے پھر یہ کہ ایک آدمی نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک مرد گواہ اور دوسری گواہ عورت کی موجودگی میں کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس نکاح کو ناجائز قرار دے دیا۔ آپ کا فرمانا ہے کہ اعلان نہیں تھا ہم کہتے ہیں نصاب شہادت پورا نہیں تھا۔ (۱)

بہر حال اسی قسم کے بہت سے دلائل ہیں جن کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

اس باب میں امام صاحب نے جو اصول مقرر فرما دیا ہے وہ عین قرآن وحدیث کے مطابق ہے کیونکہ قرآن پاک میں آیت مدائینت کی روشنی میں بیوعات جیسے معاملات کی طرح نہیں ہے اس لیے حدیث مشہورہ کے ماتحت نصاب شہادت کو شرط قرار دیا ہے۔ اور یہی اعلانِ نکاح کا بھی قائمقام ہے۔

اذا احضراه شاهدين فقدا علناه (۲)

جب دو گواہ موجود ہو گئے تو اعلان ہو گیا۔

عربی لغت کے اعتبار سے بھی تین آدمیوں کا وجود (دو گواہ اور ایک شوہر) بھی اعلان ہے۔

وسرک ماکان عندامر.

وسر الثلاثة غير الخفي

نکاح میں اگر دو مرد گواہ نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے رجلٌ وامرأتان بہر حال حنفی دستور نے اس معاملہ میں جس قدر سہولت اور انسانی مزاج اور اس کے نشیب وفراز کو پیش نظر رکھا ہے وہ ناقابلِ انکار ایک حقیقت ہے۔

غرضیکہ سیاست ومعاشرت وغیرہ تمام عنوانات میں حنفیہ کا ایک مکمل دستور مرتب اور مدوّن ہے اور چونکہ پورے مسائل کو لانا ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لیے بطور نمونہ چند چیزوں کو ذکر کر دیا گیا ہے۔ تفصیلات فقہ کی کتابوں مین ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) کتاب الحج ص ۳۰۶، (۲) البدائع ص ۲۵۳، ج ۱

Marfat.com

قواعد کلیہ کا بیان

کسی دستور کی حسن و خوبی معلوم کرنے کے لیے اس کے قواعد کلیہ کا معلوم کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ یہی کلیات فروعات کی بنیاد ہوتے ہیں۔ اگر ان میں تضاد اور تزلزل پیدا ہو جائے تو پھر اس دستور کی پوری عمارت مسمار ہو جاتی ہے۔ اور اگر ان کلیات میں ربط و استحکام موجود ہے تو پھر فروعات کی کتنی ہی ان گنت منزلیں ان پر قائم کر دی جائیں تو کوئی ضرر نہیں ہوتا ہے۔ سطور ذیل میں ان قواعد کلیہ میں سے چند کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری حنفی نے اپنی مایہ ناز کتاب الاشباہ والنظائر میں بیان فرمایا ہے کہ اس فن میں سبقت لے جانے والے ہمارے ہی علماء ہیں کہ انہوں نے فقہ حنفی کے قواعد کلیہ کو مرتب کیا۔ اس سبقت کا فخر تنہا ان ہی کی ذات کو حاصل ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے امام ابو طاہر دباس نے مذہب حنفی کے متعلق ۱۷ قاعدے ترتیب دیئے۔ (۱)

علامہ ابن نجیم مصری نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں سات فنون کو بیان فرمایا ہے ان میں سے ایک فن کے ماتحت ان قواعد کلیہ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ علامہ موصوف کا فرمانا ہے کہ یہ قواعد وہ ہیں کہ جن کے ذریعہ ایک فقیہ عالم درجہ اجتہاد پر فائز ہو جاتا ہے اور ان ہی کے ذریعہ فتاویٰ کی راہیں کھلتی ہیں۔ (۲)

آج کل لوگوں کو اجتہاد اور تدوین و تجدید فقہ کا بہت شوق ہے لیکن ان میں سے بہت کم افراد ایسے ہوں گے کہ جن کو کسی دستور کے کلیات معلوم ہوں اور ان کلیات سے اخذ و استنباط کا معاملہ تو بہر حال ایک کام ہے جو خال خال ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے بہر حال یہ قواعد

(۱) الاشباہ ص ۶۔ (۲) ایضاً

Marfat.com

بہت اہم ہیں۔ [1] علامہ ابن نجیم بیان فرماتے ہیں۔

وانی لا استطیع کنہ صفاتہ ولو ان اعضائی جمیعاً تکلم

میں ان کی صفات کی کہنہ بیان کرنے پر قادر نہیں ہوں اگرچہ میرے تمام اعضا کلام کرنے لگیں۔

ان کے بہت سے فائدے ہیں۔ جب کسی عالم کو کسی فرعی مسئلہ میں کوئی دلیل نہ ملے تو یہ قواعد کلیہ اس کے لیے خضر راہ کا کام کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے علمائے احناف نے اس فن میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ اور ان کی توضیح تشریح کا بھی پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ اس طرح ان حضرات نے امت کے لیے ایک ایسا عظیم ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے شریعت اسلامیہ کا جاہ و جلال خوب نمایاں ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ میرا ہر ایک عالم کو مشورہ ہے کہ وہ ان قواعد کلیہ کو ایک مرتبہ ضرور مطالعہ کریں۔ یہاں پر نمونہ صرف چند قاعدوں کو ذکر کیا جا رہا ہے۔

قاعدہ (۱)

الضرر یزال

ضرر کو دور کیا جائے گا۔

یہ قاعدہ اس حدیث کے ماتحت آتا ہے۔

لاضرر ولا ضرار

نہ تو نقصان پہنچانے میں ابتدا کی جائے اور نہ اس کے بدلے میں نقصان پہنچایا جائے۔

علامہ ابن نجیم بیان فرماتے ہیں کہ یہ وہ قاعدہ ہے کہ جس پر ابواب فقہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ [2] چنانچہ اس قاعدہ کے تحت جن فروعات کا استنباط کیا گیا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت معاشرے میں انصاف قائم کرنا چاہتی ہے اور اس انصاف کی راہ میں اس

(۱) احقر نے موجودہ نصاب تعلیم پر دسمبر ۶۳ء کے مدینہ میں ایک طویل مقالہ سپرد قلم کیا تھا اس میں میں نے مشورہ دیا تھا کہ کتاب الاشباہ والنظائر داخل درس ہونا چاہیے۔

(۲) الاشباہ ص ۳۴۔

Marfat.com

کے یہاں کسی کی رعایت نہیں ہے بلکہ ضرر و نقصان، ظلم و ستم جس طرف ہے اس کو دور کرنا اس کے مقاصد میں داخل ہے علامہ ابن نجیم نے اس قاعدے کے تحت جن چیزوں کو بیان کیا ہے ان میں سے بعض کو اس جگہ بیان کیا جارہا ہے۔

۱۔ مبیع کو عیب کی وجہ سے لوٹا دینا۔ کیونکہ معیوب مبیع کو بن دیکھے خریدنے کی وجہ سے مشتری کا نقصان ہے اس لیے کہ وہ قیمت سالم اور بے عیب مبیع کی دے چکا ہے اور ناقص اس کو حاصل ہوئی۔

۲۔ حق شفعہ اولاً شریک کا ہے اس وجہ سے کہ یہ شریک تقسیم کے نقصان سے بچ جائے گا اس کے بعد پڑوسی کو حق ہے کیونکہ وہ جار سو کی مضرتوں سے محفوظ رہے گا۔

۳۔ اگر کوئی شخص اپنے مکان وغیرہ کی چھت پر چڑھے تو اس کو بلا آواز دیئے چڑھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عدم اطلاع کی صورت میں پڑوسی کی عورتوں پر نظر پڑے گی دوسروں کی اندرون خانہ اشیاء پر اس کی نظر جائے گی۔ اگر یہ نہیں مانتا تو اس کا مرافعہ حاکم وقت کی عدالت میں کیا جائے گا اور ایسے شخص کو جبراً روکا جائے گا۔ اس لیے کہ اس کو اگرچہ اپنے ملک میں پورے تصرف کا اختیار ہے لیکن یہاں دوسروں کا ضرر مقدم رہے گا۔

۴۔ اسی طرح قصاص۔ شرعی حدود، کفارے وغیرہ چیزوں کا .... ضامن بننا اسی قاعدے کے تحت آتا ہے۔

قاعدہ (۲)

الضرورات تبیح المحظورات، ضرورت حرام شے کو مباح قرار دے دیتی ہے۔ یہ قاعدہ بھی نہایت عظیم قاعدہ ہے اس کے تحت بھی بے شمار فروعات موجود ہیں۔ مثلاً:

۱۔ بھوک کی حالت میں مضطر کے لیے اپنی جان بچانے کے لیے بقدر سد رمق میتہ اور مردار کھانا۔ اسی طرح اگر کھانے کا لقمہ حلق میں اٹک جائے تو شراب کے گھونٹ سے اس کو اُتارنا جبکہ کوئی دوسری چیز موجود نہ ہو جائز ہے۔

۲۔ اکراہ کی حالت میں کلمۂ کفر کہہ دینا یا مال غیر کو تلف کر دینا جائز ہے۔ مثلاً کشتی میں بہت ساز و سامان لدا ہے جس کی وجہ سے کشتی ڈوبنا چاہتی ہے تو جان کی حفاظت کے لیے

Marfat.com

سامان کو دریا میں برد کردینا جائز ہے۔

۳۔ اسی قاعدہ کے تحت آج کل علماء کرام نے پاسپورٹ برائے حج اور شرکت امتحانات وغیرہ کے لیے فوٹو کھنچوانے کو مباح قرار دیا ہے۔ غرضیکہ بے شمار فروعات اس قاعدے کے تحت آتے ہیں۔ علمائے کرام نے اس قاعدہ کی اصل اس آیۃ مبارکہ کو قرار دیا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور جس
پر بوقت ذبح اللہ کے نام کے کسی دوسرے کا نام لیا جائے حرام قرار دیا ہے۔
مگر جو مجبور ہو جائے اور اس کا ارادہ سرکشی اور زیادتی کا نہ ہو (سورۂ مائدہ)

حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک عورت لائی گئی۔ جس نے زنا کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ تو حضرت علیؓ نے روکا اور فرمایا۔ اس عورت سے دریافت کرلیا جائے ممکن ہے یہ کوئی عذر پیش کر سکے۔ اس عورت سے دریافت کیا گیا تو اس نے کہا۔ میرا ایک پڑوسی تھا جس کے یہاں پانی اور دودھ بکثرت تھا میرے اونٹوں پر نہ پانی تھا اور نہ دودھ تھا، میں پیاسی رہتی تھی۔ اس نے پانی اس شرط پر دینا منظور کیا کہ میں اس کے ساتھ ہمبستر ہو جاؤں۔ اس پر میں نے تین دفعہ انکار کیا مگر جب میری پیاس بہت بڑھ گئی تو میں نے پانی کے لالچ میں اس کی خواہش کو پورا کر دیا۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا جو فعل مجبوری کی وجہ سے کیا جائے اور اس کا ارادہ زیادتی کا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ غرضکہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخ اور تذکروں سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔

قاعدہ (۳)

وما ابیح للضرورۃ یقدر بقدرھا

جو چیز مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے مباح ہوئی ہے وہ بقدر ضرورت ہی جائز رہے گی۔

۱۔ لہٰذا اسی قاعدے کے تحت ایک بھوکے کو اسی قدر مردار کھانا جائز ہے جس سے اس کی جان بچ جائے۔

۲۔ اسی طرح طبیب کا نامحرم عورت کے ستر عورت کو اسی قدر دیکھنا جائز ہے جس قدر سے

Marfat.com

مرض کا تعلق ہے۔

۳۔ جنگل یا شہر کے کنوؤں میں بکری یا اونٹ کی مینگنیوں کے پڑے رہنے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ جب کہ مینگنیاں کثیر نہ ہوں۔

۴۔ ماء مستعمل خود متوضی کے کپڑوں پر اگر پڑے تو معاف لیکن اگر دوسروں کے کپڑے پر پڑے تو معاف نہیں۔

۵۔ شہید کا خون اس کے حق میں پاک ہے لیکن دوسروں کے حق میں پاک نہیں ہے۔ اسی قاعدہ کے قریب قریب ایک دوسرا قاعدہ اور ہے وہ یہ کہ

وما جاز لعذر بطل بزواله

جو چیز عذر کی وجہ سے جائز ہوئی ہے وہ عذر کے زائل ہوتے ہی باطل ہوجائے گی۔

مثلاً تیمم جو مرض یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے جائز ہوا تھا وہ خود بخود مرض کے ختم ہوتے اور پانی کے ملتے ہی باطل ہوجائے گا۔

قاعدہ (۴)

الضرر لا یزال بالضرر

کوئی ضرر دوسرے نقصان سے دور نہیں ہوتا

یہ قاعدہ بھی پہلے قاعدے سے مستنبط ہے اس کی مثال یہ ہے کہ بھوکے اور مضطر آدمی کو دوسرے بھوکے اور مضطر آدمی کے کھانے کو کھانا جائز نہیں ہے۔ ایسے ہی کسی مولا کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنی باندی یا غلام کا نکاح ضرور کرے اگر چہ یہ باندی اور غلام مولا کو نقصان پہنچاتے ہوں کیونکہ نکاح پر مجبور کرنے کی صورت میں بھی مولیٰ کا نقصان ہے۔

قاعدہ (۵)

یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام

عام لوگوں کے ضرر کو دور کرنے کے لیے کسی خاص آدمی کے ضرر کو برداشت

Marfat.com

کیا جاسکتا ہے۔

یہ قاعدہ بھی بہت اہم قاعدہ ہے اس سے بھی بکثرت فروعات مستنبط ہیں مثلاً اگر کافر اپنے بچاؤ اور لشکر اسلام سے محفوظ رہنے کے لیے مسلمان قیدیوں یا بچوں کو آڑ بنالیں تو لشکر اسلام کے لیے فائرنگ کرنا جائز ہے لیکن اس فائرنگ میں مسلمانوں کو نشانہ بنانے کی نیت نہ ہو۔ ایسے ہی اگر کوئی جاہل طبیب ہو یا نااہل مفتی ہو تو ان کو علاج کرنے اور فتوے دینے سے جبراً روکا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان کے نہ روکنے میں ضرر عام ہے۔

اسی قاعدہ سے یہ قاعدہ بھی نکالا گیا ہے کہ اگر دو طرح کے نقصانات جمع ہو جائیں اور ان میں سے ایک نقصان دوسرے سے شدید تر ہو تو شدید تر نقصان کے مقابلے میں کم نقصان کو اختیار کیا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر مرنیوالے شخص پر یا اس کی اولاد صغار پر قرضہ ہو تو خود مختار وصی یا وارث کو اختیار ہے کہ وہ قرض خواہ سے قرض کے مقابلے میں مصالحت کرے جبکہ قرض خواہ منکر ہو اور کوئی گواہ موجود نہ ہو اس صورت میں کم از کم نقصان کو برداشت کیا جائے گا۔

ایسے ہی کسی آدمی نے کسی کا لوہا یا لکڑی غصب کر لی اور اپنے مکان میں لگا کر اس پر تعمیر بنالی تو اس صورت میں اگر لکڑی یا لوہے کی قیمت عمارت کی لاگت سے کم ہے تو غاصب اس شے کی قیمت دے کر مالک بن جائے گا، اور اگر لوہے یا لکڑی کی قیمت زیادہ ہے اور عمارت کی کم تو اس صورت میں یہ سامان مالک کو دلوایا جائے گا اور عمارت کو منہدم کرا دیا جائے گا۔

ایسے ہی اس عظیم الشان اصول سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ اسلامی شریعت جماعتی مفاد کو انفرادی مفاد پر اس وقت ترجیح دیتی ہے جبکہ دونوں متصادم ہوں۔ اور اس کی مثال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

قاعدہ (٦)

جب دو خرابیاں جمع ہو جائیں تو ان میں سے کمتر خرابی کا ارتکاب کرنا جائز ہے۔ اس قاعدہ عظیمہ کی اصل یہ ہے۔

ان من ابتلی ببلیتین وھما متساویان یا خذ ھما بایتھما شاء وان

Marfat.com

اختلفا یختارا ھونھما۔

جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے اور دونوں برابر ہوں تو کسی بھی ایک کو اختیار کرلیا جائے لیکن اگر مساوی نہ ہوں تو پھر ہلکی مصیبت کو اختیار کرنا چاہیے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی زخمی ہے اور نماز پڑھنا چاہتا ہے لیکن حالت اس کی یہ ہے کہ سجدہ کرنے کی صورت میں اس کا زخم کھل جائے گا اور خون بہنے لگے گا۔ اور اگر سجدہ نہ کرے تو زخم نہ کھلے گا تو اس صورت میں اس آدمی کو چاہیے کہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور اشارہ سے رکوع وسجدہ کرے کیونکہ اشارہ سے نماز پڑھنا بے وضو نماز پڑھنے سے کم مضر ہے۔

ایسے ہی اگر سچ بولنے کی وجہ سے کسی بڑی خرابی اور مفسدہ کے پھوٹنے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں جھوٹ بول دینا جائز ہے۔ علامہ حموی نے اس قول کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

> جھوٹ تین مقام پر جائز ہے لوگوں کی اصلاح، جنگ میں بیوی کی اصلاح میں، یہ بھی منقول ہے کہ احیائے حق اور ظلم کے ازالہ کے لیے بھی جھوٹ بولنا جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو توریہ سے کام لے لیکن اگر کسی شخص کو یہ علم ہو جائے کہ بغیر صریح جھوٹ کے چھٹکارہ ممکن نہیں ہے تو ایسی حالت میں شریعت نے رخصت دی ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں جھوٹ بولنا ضروری بھی ہے۔ مثلاً مسلمان کسی کے پنجہ ظلم سے نجات پا سکتے ہوں یا کوئی ظالم شخص کسی کی امانت زبردستی چھیننا چاہتا ہو۔ (۱)

قاعدہ (۷)

درالمفاسد اولی من جلب المصالح

خرابیوں کو دور کرنا جلب منفعت پر مقدم ہے

لہٰذا جب برائی اور بھلائی دونوں جمع ہو جائیں تو برائی کے دفعیہ کو بھلائی کے حصول پر مقدم کیا جائے گا چنانچہ جوا اور شراب حرام ہیں کیونکہ ان میں منفعت کے مقابلہ میں مفسدے

---

(۱) حاشیہ الاشباہ از حموی۔

Marfat.com

بہت ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اثمهما اكبر من نفعهما (الاية)

ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

اسی قاعدے کے پیش نظر جنبی کو جنابت کی حالت میں غسل کرتے ہوئے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں بحالت صوم مبالغہ نہ کرنا چاہیے کیونکہ روزے کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

قاعدہ (۸)

الاجتهاد لاينقض بالاجتهاد

ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا۔

اسی پر اجماع ہے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک حکم دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف حکم دیا۔ باوجود اس کے حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم میں تبدیلی نہیں آئی۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ نفس اجتہاد میں دونوں اجتہاد مشترک ہیں۔ اور کسی دلیل کو ختم کرنے کے لیے اس سے قوی دلیل ہونا چاہیے۔ پھر جبکہ اجتہاد اوّل کو قضا کی قوت بھی حاصل ہو چکی ہو تب تو وہ بطریق اولی اجتہاد ثانی سے ختم نہیں ہوگا۔

قاعدہ (۹)

جب حلال اور حرام مجتمع ہو جائیں تو حرام کو غلبہ رہے گا۔ اس قاعدہ کے تحت بھی بے شمار فروعات ہیں مثلاً ایک دلیل سے کسی چیز کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور دوسری دلیل سے اس کی اباحت تو اس موقع پر حرمت کو ترجیح حاصل رہے گی جیسا کہ اگر کسی بکری سے کتے نے وطی کر لی اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

قاعدہ (۱۰)

آسانی فراہم کی جائے اور سختی کو دور کیا جائے۔

اس قاعدے پر بہت سے احکام مبنی ہیں جن میں انسان کی فطرت اور اس کی قوت برداشت کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اسی قاعدے کے مطابق زکوٰۃ اس وقت واجب ہو گی جب مال حد نصاب کو پہنچ جائے اور وہ بھی مال کا قلیل حصہ یعنی ۱/۴۰۔ اسی طرح عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا مکروہ ہے کیونکہ حیض میں طلاق دینے کی صورت میں عدت دراز ہو جائے گی بہرحال یہ چند قاعدے بطور نمونہ ہم نے علامہ ابن نجیم کی کتاب الاشباہ و النظائر سے اخذ کئے ہیں۔ ان قواعد کے متعلق علامہ قرافی نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے۔

دوسری قسم قواعد کلیہ فقہیہ ہیں جن کی تعداد بہت ہے اور وہ شریعت کے اسرار و رموز کے سمجھنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ ہر قاعدے کے تحت بے شمار فروعی مسائل ہیں۔ یہ قواعد فقہ میں بہت اہم اور مفید ہیں۔ فقیہ جس قدر ان قواعد کا احاطہ کر سکے گا اسی قدر اس کی قدر و منزلت بڑھے گی اور فقہ کی رونق نمایاں ہو گی۔ انہی قواعد کے ذریعہ فتاویٰ کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں اور انہی کی بدولت اہل علم کی ایک دوسرے پر فوقیت ظاہر ہوتی ہے۔ (۱)

(۱) قصہ الاسلام ص ۳۳۴، ج ۱

Marfat.com

بابُ الاستحسان (۱)

عوام وخواص کی سہولت اور راحت کی وجہ قیاس جلی کو ترک کر دینا اور امر مستحسن کو اختیار کر لینے کا نام استحسان ہے۔(۲) کتب اصول میں قیاس خفی کا دوسرا نام استحسان ہے۔(۳) ابوالحسن الکرخی کہتے ہیں ''کہ کسی وجہ قوی یا ضرورت شدیدہ کی بنا پر مجتہد کسی مسئلہ میں اس کے نظائر کے مثل حکم کرنے سے باز رہے۔(۴)'' یعنی قیاس چاہتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں حکم یہ ہونا چاہیے لیکن کسی اثر (آیت یا حدیث، اثر صحابی) یا اجماع یا ضرورت (کہ جس کو نظر انداز کرنے کی صورت میں انسان حرج شدید میں مبتلا ہو جائیں گے) معارض ہونے کی وجہ سے مجتہد وہ حکم نہ دے(۵) مثلاً

۱۔ جناب رسول اللہ صلعم نے چاندی سونے کے ظروف کا استعمال ممنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا(۶)

(۱) فقہ کی کتابوں میں اس باب کو مختلف ناموں سے ذکر کیا ہے۔ مثلاً جامع صغیر، شرح، طحاوی، ہدایہ میں کتاب الکراہیۃ اور قدوری، ایضاع تحفہ، فتاویٰ، قاضی خان میں ''الحظر والاباحت اور محیط، ذخیرہ، مغنی، کافی وغیرہ میں کتاب الاستحسان کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ الخ البنایہ ص ۱۹۵، ج ۴، فتح القدیر ص ۸۱، ج ۴

(۲) الجواہر ص ۱۱۳، ج ۲۔ (۳) قمر الاقمار ص ۲۴۳،

(۴) ابوزہرہ ص ۳۴۴۔ (۵) ایضاً ص ۳۴۶ ابن رشد کہتے ہیں کہ وہ دلیل کہ جس کا کا استعمال بکثرت ہو ابن عربی کہتے ہیں کہ استثنا یا رخصت کے طور پر دلیل کو ترک کر دینے کے نام استحسان ہے۔ شمس الائمہ کہتے ہیں کہ ضعیف الاثر کو قیاس اور قوی الاثر کو استحسان یا قیاس مستحسن کہتے ہیں۔ ابوزہرہ

(۶) مسند امام اعظم ص ۲۰۰۔

Marfat.com

هی لهم فی الدنیا و لکم فی الآخرة (۱)

یہ برتن کافروں کے لیے صرف دنیا ہی میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔

اسی طرح دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔

نهی عن الاکل والشرب فی انیة الذهب و الفضة (۲)

آپ نے چاندی سونے کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا۔

ان آثار اور احادیث سے ظاہر ہے کہ چاندی سونے کے برتن میں کھانا پینا اور ان کا استعمال مرد کیلیے جائز نہیں ہے۔ لیکن فقہائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ (مفضض) برتن میں پینا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ پینے والے کا منہ چاندی کی جگہ نہ لگے اور اس حصہ کو ہاتھ سے بھی نہ پکڑے جس جگہ چاندی کا کام ہو رہا ہے۔ امام ابو یوسف اس کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں امام محمد صاحب ایک روایت میں امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں اور دوسری روایت میں وہ امام صاحب کے ساتھ ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس طرح بچ کر استعمال کرنا حقیقۃً چاندی کا استعمال نہیں کہلاتا بلکہ اس وقت تو چاندی والا حصہ تابع ہے اور دوسرا حصہ استعمال میں اصل ہے اور اصل کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ تابع کا۔

۲۔ یہ کہ بائع اور مشتری میں مقدار ثمن کے متعلق اختلاف ہے لیکن ابھی تک مشتری نے بیع پر اور بائع نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا۔ بائع زیادتی ثمن کا مدعی ہے لہٰذا بموجب حدیث شریف۔

البینة للمدعی و الیمن لمن انکر

گواہ مدعی پر اور قسم منکر پر ہے۔

چنانچہ مشتری سے قسم لی جائے گی کیونکہ وہی زیادتی کا منکر ہے لیکن دلیل استحسان سے یہاں بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جائے گی کیونکہ ہر ایک ان میں سے مدعی اور مدعی علیہ ہے اس لیے قیاس جلی کو بدلیل استحسان بوجہ حدیث ذیل ترک کرنا پڑے گا۔

اذا اختلف المتبایعان و السلعة قائمة تحالفا

جبکہ سامان موجود ہو اور بائع و مشتری میں اختلاف پیدا ہو جائے تو دونوں کو

---

(۱) کتاب الآثار محمد ص ۱۴۴۔ (۲) الجواہر ص ۱۱۲، ج ۲

Marfat.com

قسم دی جائے گی۔

۳۔ یہ کہ نسیاناً روزہ کی حالت میں کچھ کھا پی لیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا قیاس مقتضی ہے کہ روزہ ٹوٹ جانا چاہیئے لیکن مندرجہ ذیل حدیث کی وجہ سے استحساناً عدم فساد وصوم کا حکم دے دیا۔

من نسئی وھو صائم فاکل اوشرب فلیتم صومهٔ فانما اطعمه الله وسقاه

جس نے روزہ میں بھول کر کھا پی لیا وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔

۴۔ یہ کہ کوئی چیز کاریگروں سے بنوائی اور قیمت پیشگی طے کر لی جیسا کہ آجکل بکثرت ہوتا ہے اس میں قیاس تو یہ کہتا ہے کہ یہ معاملہ ناجائز ہونا چاہیے کیونکہ مبیع معدوم ہے لیکن استحساناً اجماع کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ یہ کہ ناپاک کنویں یا حوض کی دیواریں اور پانی نکالنے والوں کی رسّی، ڈول، ہاتھ، کنویں میں سے ناپاک پانی کے آخری ڈول نکال دینے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جس کنویں کو سینچا جا رہا ہے اور کنواں معین ہونے کی وجہ سے ڈولوں کی تعداد ۳۰۰ مقرر ہے تو جب تک ۲۹۹ ڈول نکلیں گے اس وقت تک سب چیزیں ناپاک۔ لیکن جب آخری ڈول نکال کر باہر ڈال دیا تو اب کنویں کی دیواریں بھی پاک ہو گئیں حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ دیواروں کو پاک نہ ہونا چاہیئے لیکن استحساناً ضرورت شدیدہ اور حرج کی وجہ سے پاک قرار دیا جاتا ہے۔

یہ اور اسی طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جن میں امام ابوحنیفہ نے قیاس استحسانی سے کام لیا ہے۔ اور قیاس جلی کو ترک کر دیا ہے۔ وجہ اور اہمیت قارئین کے سامنے ہے۔ امام صاحب کے استحسان کو یہ اہمیت حاصل تھی۔ ''امام محمد فرماتے ہیں کہ آپ کے اصحاب قیاسات میں برابر بحث کرتے رہتے تھے لیکن جب امام صاحب فرماتے ''استحسن'' تو سب خاموش ہو جاتے۔[۱]

الاستحسان تسعة اعشار العلم[۲]

---

(۱) ابوزہرہ، ص ۳۴۲۔ (۲) ابوزہرہ ص ۳۴۲۔

Marfat.com

استحسان $\frac{9}{10}$ علم ہے۔

امام شافعی صاحب فرماتے ہیں۔

من استحسن فقد شرع [1]

جس نے استحسان کو اختیار کیا اس نے شرع کو اختیار کیا

لیکن اس کے باوجود آج کل کے بعض نام نہاد محدث امام صاحب کا تمسخر اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

دلائل شرع کتاب، سنت، اجماع، قیاس ہیں۔ یہ پانچوں حجت استحسان کہاں سے آ گئی بلکہ یہ تو امام صاحب کی ہوائے نفس (نعوذ باللہ) کا نتیجہ ہے۔[1]

اس اعتراض کی حقیقت مذکورہ چند مثالوں سے بخوبی واضح ہے لہٰذا اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جب کوئی سوئے فہمی کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ایسے ہی کہا کرتا ہے۔

---

(۱) ایضاً (۲) ایضاً

Marfat.com

العرف

جیسا کہ استحسان کے اقسام میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ ''استحسانی صورت کبھی ضرورت کی وجہ سے بھی اختیار کی جاتی ہے۔'' اس سے اگر چہ ایک حد تک حنفی دستور کی انسانی ضروریات اور معاملات میں دور اندیشی اور خیر اندیشی کی طرف اشارہ ہو گیا ہے مگر اس جگہ مزید وضاحت کے لیے ہم یہ بات اور صاف کر دینا چاہتے ہیں کہ حنفی دستور انسانیت کی بہت بڑی خدمت کرتا ہے اس کا دامن انسانی کمزوریوں کو دیکھ کر تنگ نہیں ہوتا بلکہ وہ مجبوریوں اور ضرورتوں کے پیشِ نظر دراز تر ہو جاتا ہے اور رب العالمین کی ربوبیت اور رحمت اللعالمین کی رحمت کا جس قدر اس سے مظاہرہ ہو سکتا ہے کرتا ہے۔

عرف: (شہری یا ملکی رسم و رواج) یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے یکلخت علیحدہ بھی نہیں ہوا جا سکتا۔ اس لئے اسلام نے اس کی مناسب اصلاح کر کے (اگر ضرورت ہوتی ہے) تو لوگوں کو اس سے نہیں روکتا۔ اسلام تو ان ہی معاملات اور رسم و رواج سے روکتا ہے جس کے ڈانڈے کفر یا شرک یا بدعت سے جا ملتے ہوں یا جا ملنے کا امکان ہو یا جس سے آئندہ کے لیے انسانیت کی کوئی تخریب نظر آتی ہو لیکن جہاں ایسا نہیں ہے وہاں شارع علیہ السلام نے صاف کہہ دیا ہے۔

انتم اعلم بامور دنیا کم

تم اپنے دنیاوی معاملات میں زیادہ واقف ہو۔

لہٰذا ایک سیرت اور فقہ کا مطالعہ کرنے والا طالب علم ''بیع السلم'' (بدھنی) کو دیکھے کہ

Marfat.com

حضرت شارع علیہ السلام نے باوجود زمانہ جاہلیت کی بیع ہونے کے اس کو جائز ہی رکھا جبکہ اس کے مقابل بیع منابذہ۔ مخابرہ ملامستہ کو ناجائز قرار دے دیا کیونکہ اس میں انسانی سوسائٹی کی عیاناً تخریب نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں ایسا نہیں ہے وہاں ارشاد ربانی ہے۔

وما جعل علیکم فی الدین من حرج (الآیة)

تمہارے اوپر دین نے تنگی نہیں کی۔

حدیث شریف میں وارد ہے۔

وما رأه المسلمون[1] حسناً فهو عند الله حسن

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اسی وجہ سے حضرت امام اعظم نے شہروں اور ملکوں کے رسم رواج کو بھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ یہ کہہ دیا۔

الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعی [۲]

جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ گویا کہ دلیل شرعی ہی سے ثابت ہے۔

مبسوط سرخی میں ہے۔

الثابت بالعرف کا لثابت بالنص

جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ مثل نص کے ہے۔

لیکن حضرت امام صاحب نے اس کے مراتب مقرر فرما دیئے ہیں۔ سہیل بن مزاحم کہتے ہیں۔

كلام ابی حنیفه اخذ بالثقة و فرار من القبح والنظر فی معاملات الناس وما استقامو اعليه وصلحت عَلَيه. امورهم يمضى امور علے القياس فاذاقبح القياس يمضيها علے استحسان مادام يمضى له فاذالم يمض رجع الى مايتعامل المسلمون. [۳]

امام صاحب کا کلام "ثقہ کو اختیار، قبیح کو ترک، لوگوں کے معاملات میں غور

---

(۱) لفظ مسلم کے معنی پیش نظر رہنا ضروری ہیں۔

(۲) ابوزہرہ ص ۳۵۱۔ (۳) ایضاً ص ۳۵۰۔

Marfat.com

کرنا ہے۔ جب تک امور کی اصلاح اور استقامت رہے گی تو امور کو قیاس پر پیش کیا جائے گا اس کے بعد استحسان پر اور جب کوئی بھی چارہ کار نہ رہے گا تو تعامل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اس تشریح سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب معاملات میں کوئی دلیل نصوص شرعیہ کتاب، سنت، اجماع، قیاس، استحسان سے نہ مل سکے تو عرف کو دلیل مان لیا جائے گا گویا کہ منجملہ طرق استنباط کے عرف بھی مصدر استنباط اور استدلال ہے۔ چنانچہ علماء کا ارشاد ہے۔

انہ دلیل حیث لایوجد دلیل شرعی۔ (۱)

جہاں کوئی دلیل شرعی نہ ہو وہاں عرف دلیل ہے۔

عرف کیا ہے؟

ان تمہیدی کلمات کے بعد عرف کا مختصر تعارف پیش کرتا ہوں عرف کی دو اقسام ہیں۔ عرف عام اور عرف خاص۔ عرف عام تو وہ ہے جو تمام شہروں یا پورے ملک میں رائج ہو اور عرف خاص وہ ہے جو بعض شہروں میں ہو بعض میں نہ ہو۔ چنانچہ اس تقسیم کے ماتحت عرف کے احکام میں فرق ہے۔ فقہا نے عرف عام کا اعتبار کیا ہے۔ لیکن عرف خاص کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں۔

فان العرف العام یصلح مخصصاً ویترک بہ القیاس (۲)

عرف عام مخصص بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔

چنانچہ فقہ کی کتابوں میں استصناع (کوئی چیز بنوانا) کے جواز کا مدار اسی عرف پر ہے ورنہ قیاس تو اس کے ناجائز ہونے کو کہتا ہے۔

اور عرف خاص وہ ہے جو کسی خاص طبقہ یا شہر کا ہو عمومیت اس میں موجود نہ ہو۔ اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

والخاص یترک بہ القیاس الظنی (۳)

---

(۱) ابوزہرہ ص ۵۱۔ (۲) ردالمحتار۔ (۳) ابوزہرہ ص ۳۵۳۔

Marfat.com

عرف خاص کے مقابلے میں قیاس ظنی کو ترک کر دیا جائے گا۔

اس مختصر تعارف کے بعد عرف کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ اگر کسی شہر میں مختلف قسم کے سکے رائج ہوں مثلاً روپیہ کو ہی لے لیجئے کہ ہمارے یہاں اس وقت روپیہ کی صورت میں مخصوص دھات کا سکہ بھی رائج ہے اور روپیہ کا نوٹ بھی جاری ہے یا نئے پیسے اور پرانے پیسے دونوں جاری ہیں اگر کوئی آدمی پیسوں کے عوض کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور یہ متعین نہیں کرتا کہ کون سے پیسے مراد ہوں گے تو اغلب کو دیکھا جائے گا اور اغلب میں نئے پیسے رائج ہیں لہٰذا نئے پیسے مقرر ہو جائیں گے۔

صاحب ہدایہ نے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

لانه هو المتعارف

اس لیے کہ یہی متعارف ہیں۔

۲۔ اگر کسی شہر میں اشیاء زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ کے ادھار پر فروخت ہوتی ہوں اور کوئی آدمی کوئی چیز ادھار خرید لے اور تشریح نہ کرے تو یہی ایک ہفتہ مراد ہوگا اس لیے کہ

المعروف کالمشروط (۱)

معروف مشروط کے برابر ہے۔

۳۔ ہمارے یہاں اسلامیہ مدارس میں مدرسین کو ملازم رکھا جاتا ہے۔ لیکن بعض دفعہ ایام تعطیل کی وضاحت نہیں کی جاتی لیکن عرف یہ ہے کہ جمعہ، عیدین، عاشورہ، اور رمضان کی چھٹی ہوتی ہے تو مدرس کی یہ چھٹیاں بلا ذکر کئے اسی عرف کی بنا پر متعین ہو جائیں گی۔ (۲)

۴۔ اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا لیکن اس نے مچھلی کا گوشت کھالیا تو وہ حانث نہیں ہوگا اگرچہ قرآن پاک میں مچھلی کے گوشت کو لحماً طریاً فرمایا گیا ہے۔ لیکن عرفاً اس کو گوشت نہیں کہا جاتا۔ (۳)

۵۔ ہمارا عرف یہ ہے کہ شادی میں لڑکی کو جو جہیز دیا جاتا ہے وہ عاریۃً نہیں دیا جاتا بلکہ لڑکی کو مالک بنا دیا جاتا ہے لہٰذا لڑکی کے انتقال کے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی۔ (۴)

---

(۱) الاشباہ ص ۳۷۔ (۲) ایضاً ص ۳۸۔

(۳) ایضاً ص ۳۰۔ (۴) ایضاً ص ۴۰۔

Marfat.com

۶۔ اسی طرح علامہ ابن عابدین نے وقف پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ!

لانه يتكم في عرفه

واقف کلام عرفی میں بات کرتا ہے۔

اس لیے وہ جو کچھ کہہ دے اس کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی درجہ میں اعتبار ہو گا جس درجہ میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کا ہوتا ہے۔[1]

غرضکہ ان چند مثالوں سے عرف کی حیثیت بخوبی واضح ہو گئی مزید مثالوں کے لیے الاشباہ اور دوسری کتابوں کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

عرف کی اسی اہمیت کے پیش نظر ایک مفتی کے لیے لازم قرار دے دیا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے عرف سے پورے طور پر واقف ہو اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو فتویٰ دینے کا حق نہیں ہے۔[2] کیونکہ فقہا کے اقوال اختلاف زمان وعرف کیوجہ سے بدلتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاملات میں حضرت امام اعظم اور ان کے شاگردوں کا بہت اختلاف موجود ہے کیونکہ امام صاحب کے زمانے میں جو عرف تھا۔ صاحبین کے زمانے میں وہ باقی نہیں رہا بلکہ دوسرا ہو گیا فقہا نے بیان فرمایا ہے۔

لابد من معرفة عادات الناس فكثير من الاحكام تختلف باختلاف الزمان لتغير عرف اهله[3]

مجتہد کے لیے لوگوں کی عادات سے واقف ہونا ضروری ہے کیونکہ بہت سے احکام اختلاف زمان کی وجہ سے مختلف ہو جاتے ہیں کیونکہ عرف بدل جاتا ہے۔

اسی وجہ سے فقہا کے اقوال کو بھی نص شارع کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

اقوال الفقهاء نصوص كنص الشارع يعني في الفهم والدلالة ولا في وجوب العمل[4]

فہم ودلالت میں اقوال فقہاء شارع علیہ السلام کی نص کی طرح ہوتے ہیں نہ

(۱) ردالمختار ص۴۲۹، ج۲ (۲) ابوزہرہ ص۲۵۴

(۳) ایضاً (۴) ردالمختار ص۴۲۹، ج۳

Marfat.com

کہ وجوب عمل میں۔

کیونکہ ان کے اقوال میں شریعت کے ساتھ اپنے زمانے کا عرف بھی موجود ہوتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ ایک فقیہہ جب تاریخ اور سیرت کو مدوّن کرے گا یا احادیث نبویہ کی شرح لکھے گا تو وہ زیادہ باوقعت ہوگی بہ نسبت غیر کہ کیونکہ فقیہہ کی اخذ و ترتیب اور تدوین شریعت کے مالہ وماعلیہ پر تو مشتمل ہوگی ساتھ ہی اپنے دامن میں اس زمانہ کی معاشرت اور عادات الناس کو بھی سمیٹے ہوگی۔

بہر حال فقہاء احناف نے عرف کو دلیل شرعی مان کر اپنی اعلیٰ ترین بالغ النظری کا ثبوت دیا ہے اور عالم انسانیت کی عظیم ترین خدمت انجام دی ہے۔

گر مدعی داد حسد سے نہ دے۔ نہ دے

Marfat.com

ضمیمہ

مرجوعاتِ ابی حنیفہ

یہ امر مسلم ہے کہ انسان کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ سائنس دانوں نے زمین و آسمان اور خلا، عدم خلا و نیز اجرام فلکیہ کے متعلق جو رائے اب سے چند سال پہلے ظاہر کی تھی وہ اب نہیں ہے۔ اسی طرح مسند افتا پر کام کرنے والوں کے متعلق عوارضات پیش آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے انہیں اپنے آراء اور فتاویٰ کو بدلنا پڑتا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اب سے چند سال پیشتر فرنگیوں کے ابتدائے دور حکومت میں ان کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انگریزی تعلیم حاصل کرنا حرام تھا لیکن بعد میں جائز قرار دیدیا گیا ایسے ہی تحریک آزادی اور ترک موالات کے ایام میں سرکاری ملازمتوں کو حرام قرار دیدیا گیا تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا گیا۔ ایسے ہی شاہی دورِ حکومت میں اردو میں قرآن پاک کا ترجمہ کرنا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا گیا۔ ایسے ہی پہلے لاوڈ اسپیکر پر اذان، نماز، وغیرہ پڑھنا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا۔ پہلے ریڈیو کی خبر پر رویت ہلال تسلیم نہیں کی جاتی تھی مگر اب تسلیم کرنے لگے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آئندہ کیا کیا تبدیلیاں ہوں۔

ان تمام چیزوں کا پس منظر اگر ملاحظہ فرمایا جائے گا تو چند چیزیں سامنے آئیں گی (۱) بدلے ہوئے حالات (۲) بدلے ہوئے عادات (عرف) (۳) علوم نبوت کی معلومات میں اضافہ (۴) ضروریات انسانیہ وحوائج اور عموم بلویٰ وغیرہ ذلک۔

ان ہی چیزوں سے امام صاحب کو بھی واسطہ پڑا۔ پھر تدوین فقہ کا کام ایک دن کا تو تھا نہیں کہ جس کا نزول یکبارگی ہو جاتا بلکہ برسوں جاری رہا اور اسی کام کے ساتھ ساتھ متتبع و

Marfat.com

تلاش جدو جہد کی وجہ سے معلوماتِ روایات واصول شرعیہ میں بھی اضافہ ہوااور اسی کے ساتھ ساتھ حالات اور عادات انسانیہ میں بھی تبدیلی ہوئی جس کی وجہ سے امام صاحب سے مختلف مسائل میں متعدد اقوال مروی ہیں اور امام شافعی صاحب کا تو یہ عالم ہے کہ ان کا پورا فقہ دو قول (قول جدید اور قول قدیم) سے بھرا پڑا ہے۔ اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

سطور ذیل میں ایک نقشہ کے ذریعہ حضرت امام اعظم کے مرجوعات کے جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اگر چہ تمام مرجوعات کا احصا میرے حد امکان سے باہر رہا ہے تاہم جو کچھ بھی ہے حاضر ہے۔ ان مرجوعات سے جہاں امام صاحب کے ارتقائے حیات، زہد وتقویٰ اور محتاط روی کا اندازہ ہوگا وہاں میرے معاصرین اور آنے والے اہل افتا کے لیے بھی راہ کھلے گی اور وہ اس سے روشنی پائیں گے اور روایت مرجوع پر فتویٰ دینے سے محفوظ رہیں گے ان شاء اللہ و ماتوفیقی الا باللہ والیہ انیب۔

Marfat.com

فہرست مرجوعات ابی حنیفہ

نمبر شمار	عنوان	اقوال قدیم	مارجع الیہ	کس کا قول کی طرف رجوع کیا	ماخذ
۱	طہارت	ربع داڑھی کا مسح واجب	کل داڑھی کا غسل واجب	امام محمد صاحب	البدائع وفتح القدیر
۲	؍	جراب پر مسح جائز نہیں	جائز ہے	صاحبین چنانچہ مرض وفات میں خود بھی مسح کیا	؍ ؍
۳	؍	جبیرہ پر مسح مستحب	واجب	صاحبین امام محمد صاحب	الدار المختار وخلاصہ، فتح القدیر، البدائع و فتح القدیر۔
۴	؍	نبیذ تمر سے وضو جائز ہے	جائز نہیں تیمم کرنا چاہیے		
۵	صلوٰۃ	فارسی میں قرأۃ جائز ہے	جائز نہیں ہے	صاحبین	ہدایہ
۶	؍	میت کی ام ولد اسکو غسل دے سکتی	نہیں دے سکتی	امام زفر	البدائع
۷	زکوٰۃ	مضارب سے عاشر زکوٰۃ لے سکتا ہے	نہیں لے سکتا	صاحبین	ہدایہ
۸	؍	عبد ماذون سے عاشر زکوٰۃ لے سکتا ہے	؍	؍	فتح القدیر
۹	صوم	مکرہ علی الجماع پر قضا اور کفارہ ہے	صرف قضا ہے	صاحبین	فتح القدیر
۱۰	؍	صوم یوم نحر کی نذر منعقد ہو جائے گی لیکن کفارہ نہیں ہوگا	کفارہ ہوگا	وفات سے ۳ دن پیشتر رجوع کیا	؍
۱۱	طلاق	انکار حمل سے لعان نہیں	لعان ہے بشرطیکہ مدت وضع حمل ۶ مہینہ سے کم ہو	امام محمد صاحب	فتح القدیر
۱۲	یمین	کسی نے قسم کھائی کہ سری کھائے گا تو اس کا اطلاق گائے اور بکری کی سری پر ہوگا	صرف بکری کے سر پر ہوگا یہ اختلاف زمان کی وجہ سے ہوا۔ اب بھی عرف کو دیکھا جائیگا	صاحبین	فتح القدیر

Marfat.com

اخذ	کس کے قول کی طرف رجوع کیا	مارجع الیہ	اقوال قدیم	عنوان	نمبر شمار
ہدایہ	صاحبین	کفارہ ادا ہو جائیگا	اگر ماں باپ نے (غلام) کو خریدا اور خریدتے وقت کفارہ کی نیت کی تو کفارہ ادا نہ ہوگا۔	عتق	۱۳
البدائع	صاحبین	جاری نہ ہوگی	مکرہ پر حد زنا جاری ہوگی	حد	۱۴
فتح القدیر	؍؍	؍؍	اگر کسی پر چار گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے فلاں غائبہ سے زنا کیا ہے تو حد زنا جاری نہ ہوگی۔	؍؍	۱۵
ہدایہ	؍؍	؍؍	حربی جو امن لیکر دارالاسلام میں آیا اور اس نے کسی مسلمان پر قذف کیا تو اس پر حد قذف جاری نہ ہوگی	؍؍	۱۶
فتح القدیر	؍؍	؍؍	دو آدمیوں نے چوری کی اور اس پر شہادت قائم ہوگئی لیکن ایک غائب تھا تو دوسرے آدمی پر حد سرقہ جاری نہ ہوگی۔	؍؍	۱۷
الاشباہ	؍؍	حج افضل ہے	صدقہ نفلی حج سے افضل ہے	حج	۱۸
ہدایہ	؍؍	مضارب کا معتبر ہے	اگر راس المال میں اختلاف ہوا تو قول رب المال کا معتبر ہے	مضاربت	۱۹
؍؍	؍؍	ہر منزل پر ہوگا	اجرت کا مستحق منزل مقصود پر پہنچانے کے بعد ہوگا	اجارۃ	۲۰
؍؍	؍؍	ختم ہو جاتا ہے	بیع مالم یر میں بائع کا اختیار باقی رہتا ہے	بیع	۲۱

تلاش بسیار کے بعد یہ چند مرجوعات پیش ہیں کل کا احصا میری قدرت سے باہر ہے اگر اور بھی ہوں تو اس سے انکار نہیں۔

Marfat.com

باب نہم

افکار اور آراء

خراج عقیدت کے باب کے تحت ہم نے چند آراء کو بیان کیا ہے اس جگہ صرف مستشرقین اور جدید علماء کے افکار اور آراء کو پیش کیا جا رہا ہے۔ ان حضرات نے شریعت اسلامیہ اور دستور اسلامی کے مطالعہ کے بعد کیا تاثر لیا ہے اور اس کا اظہار کس طرح کیا ہے اس کو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

ان افکار و آراء کے دریافت کرنے کے لیے مجھے بہت زیادہ مشقت اُٹھانی پڑی ہے اور بڑی تلاش اور جستجو کو کام میں لانا پڑا ہے۔ تاہم میرا یہ کام ایک مصری عالم کی جدید تالیف نے بہت زیادہ سہل کر دیا جس کے لیے میں مصنف اور اس کتاب کے ناشر کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آج کل مغربی علما اور مستشرقین مشرقی علوم و فنون خصوصاً اسلامیات کے بارے میں بہت توجہ دے رہے ہیں خصوصاً میکگل یونیورسٹی کے پرنسپل ڈاکٹر اسمتھ کو اس سے بہت زیادہ دل چسپی ہے۔ حال ہی میں ۱۹ر فروری ۶۴ء کو نئی دلّی میں مستشرقین کی کانفرنس بھی ہوئی تھی۔ جن میں سے بیشتر حضرات نے اسلامیات کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا۔ اس جگہ ہم انصاف پسند مغربی اور مشرقی اہل قانون کے تاثرات کو ذکر کرتے ہیں۔

پروفیسر لامبیر

مشہور فرانسیسی محقق پروفیسر لامبیر کہتا ہے۔

۱۔ جو کتابیں اسلامی شریعت کے بارے میں لکھی گئی ہیں وہ غیر فانی خزانہ اور لازوال

سرچشمہ ہیں۔

۲۔ قرون وسطی میں اسلامی شریعت سے مسیحی تمدن نے مدد حاصل کی ہے اور اس کے عام اصولوں کو اخذ کیا ہے۔ لہٰذا موجودہ تہذیب وتمدن کی نشو ونما میں یونانی اور رومی تمدن کے ساتھ ساتھ اسلامی شریعت اور اس کے تمدن نے بھی بہت حصہ لیا ہے۔ (۱)

ڈاکٹر اتر یکوانسابا

اسلامی شریعت کو اپنے بہت سے مسائل میں مغربی قوانین پر فوقیت حاصل ہے بلکہ وہ دنیا کو سب سے زیادہ مستحکم اور پائیدار اصول عطا کرتی ہے۔ (۲)

پروفیسر بیوارکاز

آپ نے مشورہ دیا ہے کہ اسلامی شریعت کے اصول اور مبادیات کو اختیار کیا جائے۔ (۳)

ان کے علاوہ جرمنی کے ایک مشہور پروفیسر نے ہدایہ کا ترجمہ دیکھ کر فرمایا تھا کہ جس کا ترجمہ اتنا اعلیٰ ہے وہ اصل کتاب اور اس کا مصنف کتنے بلند پائے کے ہوں گے۔ (۴)

ڈاکٹر سانتیلانا

ایک مشہور مستشرق ہیں فرماتے ہیں کہ اگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلامی فقہ تمام انسانیت کے لیے کافی ہے تو کم از کم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ فقہ اسلامی مسلمانوں کے لیے دیوانی قانون کے لیے بہت کافی ہے۔

ڈاکٹر سلیم بازجو

آپ لبنان کے عیسائی عالم ہیں اور احکام الشرعیہ کے شارح بھی ہیں۔ فرماتے ہیں

---

(۱) فقہ الاسلام ماخوذ مجلۃ الازہر ص۵٦۵۔ (۲) ایضاً

(۳) ایضاً (۴) صدق جدید

Marfat.com

کہ میرا عقیدہ ہے کہ اسلامی فقہ کے ذریعہ انسان کی تمام ضروریات پوری ہوجاتی ہیں خواہ وہ کاروباری......... معاملات ہوں یا دوسرے مقدمات ہوں۔ سب کا حل اسی میں موجود ہے۔ فقہ اسلامی کی کتب کا ذخیرہ نہ صرف مصر اور دیگر اسلامی ممالک کے کتب خانوں میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ ہالینڈ کے شہر لیڈن، روم، برلن، پیرس، برٹش میوزیم نیز وینیسکن محل میں بھی پایائے اعظم کے کتب خانہ میں فقہ اسلامی کی کتابوں کا یہ وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ ان کتب خانوں میں جو کتابیں ہیں وہ ہزاروں علمائے اسلام کی محنت وکاوش کا ثمرہ ہیں۔ کتابوں کا یہ وسیع ذخیرہ اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ اسلامی شریعت میں انسان کی تمام ضروریات اور مسائل واحکام کا حل موجود ہے اور ہر معاملہ میں کسی نہ کسی فقیہہ اور عالم کا قول ان کتابوں میں مل جاتا ہے۔ (۱)

پروفیسر دمبری

ایک ترک ادیب کو مخاطب کرتے ہوئے پروفیسر دمبری نے کہا کہ تمہارا فقہ اسلامی اس قدر وسیع ہے کہ مجھے تعجب ہوتا ہے جب میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے کیوں نہیں اپنے ملک اور زمانے کے موافق احکام اور قانونی نظام، فقہ اسلامی سے اخذ کیا۔ (۲)

پروفیسر ہوکنگ

آپ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر ہیں فرماتے ہیں میں اپنے آپ کو حق وصداقت پر محسوس کرتا ہوں جب میں یہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اسلامی شریعت میں وہ تمام اصول اور مبادیات موجود ہیں جو ترقی کے لیے ضروری ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرزاق

آپ سابق پرنسپل قانونی کالج مصر ہیں۔ آپ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم جدید انداز کے مطابق اسلامی شریعت کے بارے میں تحقیقات کریں اور اس کا مغربی قوانین سے موازنہ کریں۔ میں آپ سے یہ بات دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کو

---

(۱) فقہ الاسلام ص ۵۶۷۔ (۲) ایضاً

اسلامی شریعت میں ایسے اصول مل جائیں گے جو اپنی وضع و ترتیب میں مغربی قوانین کے جدید ترین اصول اور نظریات سے کسی طرح کم نہیں ہیں

ڈاکٹر عبدالسلام ذہنی

مصر کے مشہور قانون دان اور مصر کی مخلوط اپیل کورٹ کے سابق مشیر فرماتے ہیں کہ اسلامی شریعت میں معاملات کے بارے میں نہایت مہذب اور دقیق اصول موجود ہیں۔ معاملات پر اس کے احکامات اس قدر زوردار ہیں اور اعلیٰ درجے کے ہیں کہ وہ علم قانون کے سنگ بنیاد کی حیثیت سے جدید قوانین کے معیار پر پورے اُترتے ہیں۔ (۱)

یہ چند آراء اپنے اور پرائے جدید مفکرین کی پیش ہیں۔ ان کے پڑھنے کے بعد آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں وہ حضرات (مثلاً ڈاکٹر محمد علی کریم چھاگلہ) جو اسلامی پرسنل لا میں ترمیم کے قائل ہیں اور اس کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔ کہاں تک حق بجانب ہیں۔ (۲)

وان کریم

ایک جرمنی قانون دان کہتا ہے، امام ابوحنیفہ ہر آنے والے زمانے کے عظیم ترین قانون سازوں میں سے ایک ہیں۔ (۳)

---

(۱) ایضاً (۲) فقہ الاسلام ص ۵۶۷

(۳) چٹان دسمبر ۱۹۷۲ء

Marfat.com

چند اپنے حضرات

جدید مسلمان مفکرین اور غیر مسلم مستشرقین کے افکار و آراء پیش کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اپنے حضرات کے افکار و خیالات سے آگاہ کر دیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں اپنے حضرات کے افکار و تاثرات کی قیمت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور بات عقیدت کے دائرے سے نکل کر حقیقت بن جاتی ہے۔

علامہ کرمانی

آپ بخاری شریف کے شارح ہیں۔ آپ نے بخاری شریف کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس کے مقلد نہ ہوئے ہوتے۔ ہمارے زمانے تک جس کو امام صاحب سے تقریباً چار سو سال ہوئے ہیں ان کے فقہ کے مطابق اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے اس میں اس کی صحت کی دلیل ہے۔ (۱)

دنیائے اسلام کے مسلمانوں کی تعداد ظاہر کرتے ہوئے ملا علی قاری نے بیان فرمایا ہے۔

کل مسلمانوں میں حنیفہ کی تعداد دو ثلث ہے۔ (۲)

مذہب حنفی کی اس مقبولیت اور اشاعت کے متعلق مضمون کی مناسبت سے اس جگہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کی ایک تحریر پیش کی جاتی ہے۔

کتاب مسالک الممالک میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ واثق باللہ عباسی نے چاہا کہ سد سکندری کا حال معلوم کرے۔ چنانچہ اس نے اس کے

---

(۱) اوشحہ (۲) مرقاۃ ص۲۴، ج۲

لیے ۲۲۸ھ میں سلام نامی کو جو چند زبانوں کا ماہر تھا پچاس آدمیوں کے ساتھ سامان رسد دے کر روانہ کیا۔ یہ لوگ بلاد، آرینیہ، سامرہ، ترحنان سے گزر کر ایسی سرزمین میں پہنچے جہاں سخت بدبو نکلتی تھی۔ پھر دو روز چل کر ایسی سرزمین میں پہنچے جہاں ان کو ایک پہاڑ نظر آیا۔ وہاں ایک قلعہ بھی تھا۔ اور کچھ لوگ اس میں تھے مگر آس پاس آبادکاری کے نشانات نہ تھے۔ ۲۷ منزل وہاں سے آگے اور طے کیں اور ایک قلعہ پر پہنچے جہاں سے ایک پہاڑ قریب تھا۔ اور اس کی گھاٹیوں میں سدّ یاجوج ماجوج تھی۔ اگرچہ اس کے قریب بستیاں کم تھیں مگر صحرا اور متفرق مکانات بہت تھے۔ سد مذکور کے محافظ جو اس جگہ تھے وہ سب مسلمان تھے۔ ان کا مذہب حنفی تھا زبان عربی اور فارسی بولتے تھے۔ (۱)

حضرت مجدد الف ثانی

حضرت مجدد صاحب حنفی المسلک ہیں۔ آپ جابجا اپنے مکتوبات میں حنفی مسلک کی توصیف کرتے ہیں۔ آپ کا ایک مکتوب ہم گزشتہ ابواب میں نقل کر چکے ہیں۔ یہاں ایک دوسرے مکتوب کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ توحید میں سراج الامۃ رئیس الموحدین امام ابوحنیفہ کا نظریہ نہایت بلند اور روشن اور سلجھا ہوا ہے۔ ان کا ہر مسئلہ شرک کی رگ جان پر ایک کاری ضرب کا کام دیتا ہے الخ حنفی مذہب نے شرک کے تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے۔ امام صاحب نے توحید کے مسائل جن کا ذکر کتب فقہ میں موجود ہے نہایت وضاحت اور صفائی سے بیان کیا ہے بلکہ شرک کے تمام چور دروازے بند کر دیئے ہیں۔ (۲)

حضرت شاہ ولی اللہؒ

شاہ صاحب فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں۔ مجھے رسول اللہ صلعم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے۔ اس طریقہ مسنونہ کے جو کہ مدوّن اور منقح کیا گیا بخاری اور اس کے اصحاب کے زمانہ میں۔ (۳)

(۱) انوار الباری، ص ۱۵۷، ج ۱۔ (۲) چٹان جنوری ۶۴ء۔ (۳) فیوض الحرمین، ص ۱۳۶

Marfat.com

باب دہم

امام ابو حنیفہ اور علم الکلام

علم کلام کو علم عقائد، اصول دین، فقہ اکبر، علم التوحید والصفات، علم الاستدلال وغیرہ ناموں سے دیا کیا گیا ہے۔[1] اسماء کے اعتبار سے تعریف لفظی میں اگر چہ کچھ تغیر ہو تو ہو لیکن تعریف معنوی میں سب کا اتفاق ہے۔

وھو علم یقتدر معه، علی اثبات العقائد الدینیه علی الغیر بایراد الحجج و دفع الشبه [2]

یعنی وہ ایک علم ہے کہ جس کے ذریعہ سے دوسروں پر عقائد دینیہ کو مدلل طور پر ثابت کیا جاتا ہے اور شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے۔

جہاں تک اصول دین وایمان کے اثبات اور کفر وشرک کے رد کا تعلق ہے قرآن پاک اور احادیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں وہ موجود ہے اس میں ہر چیز کو مدلل ثابت کیا ہے کیونکہ کوئی دعوت دلیل سے خالی نہیں ہوتی۔ داعی جب کسی چیز کی طرف بلاتا ہے تو اپنی دعوت اور پیغام کے محاسن کو پیش کرتا ہے اور اعتراضات اور شبہات کا ازالہ کرتا ہے۔

حضرات صحابہؓ کا زمانہ وہ مقدس زمانہ ہے کہ جس میں جزوی چیزوں میں اختلاف اقوال کے باوجود[3] اصول دین اور عقائد دین میں فنی باریکیاں پیدا نہیں ہوئیں تھی لیکن جب حضرات تابعینؒ کا زمانہ شروع ہوا اور...... بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی اس وقت اس علم کو ایک فن کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اور حضرت امام اعظمؒ کے انتقال کے بعد تو یہ فن معراج کمال پر پہنچ

---

(۱) معجم المصنفین ص ۱۱۰، ج ۱ (۲) ایضاً ص ۱۱۱، ج ۱

(۳) مثلاً سماع موتی، معراج منامی وجہدی وغیرہ۔

گیا اور فلسفیانہ نکتہ سنجیوں کا مجموعہ بن گیا۔ کیونکہ خلیفہ منصور کے زمانہ میں فلسفہ یونان کو عربی زبان میں منتقل کر دیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ تبع تابعین کے زمانہ کے مولفات علم کلام میں فلسفہ یونان کے اصطلاحات بالذات بالعرض وغیرہ بکثرت ملتے ہیں۔

الحاصل علم کلام عہد تابعین میں ایک فن کی حیثیت اختیار کر گیا تھا چنانچہ اس زمانے میں اس علم شریف کے ماہرین موجود تھے۔ جنہوں نے اس علم کی بڑی خدمت کی اور کتابیں تصنیف کیں۔ چانچہ مورخین کی تحقیق کے مطابق شیخ ابوالحسن اشعری اس کے مولف اور مدون اوّل ہیں۔ ویسے اس فن کا وجود مذہبی گروہ بندی کی وجہ سے عمل میں آیا ہے۔ (۱)

اس جگہ ایک شبہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ فروعات دین میں تو اختلاف کچھ بعید از قیاس نہیں ہے۔ لیکن اصول دین خصوصاً ایمان اور لوازمات ایمان میں اسلام میں بہت زیادہ فرقہ پیدا ہو گئے۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب علماء نے دیا ہے کہ گروہ بندی اور فرقہ سازی کی بنیادیں .... خواہشات اور اتباع نفس پر قائم ہوتی ہیں ورنہ اختلاف آراء مذموم نہیں لیکن اگر اختلاف رائے کو، بغض وحسد اور شقاق ونفاق اور ضد وعناد کا سہارا مل .... جائے گا تو یہیں سے تفریق کی راہیں پیدا ہو جائیں گی اور فرقوں اور جتھوں کا وجود عمل میں آنے لگے لگا اسی سے قرآن پاک نے روکا ہے۔

اقیموا الدین ولا تفرقوا

دین کو قائم کرو اور تفریق پیدا نہ کرو۔

تاریخ اسلام میں حضرات شیخین کے زمانہ خلافت کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ ایسا سانحہ تھا جہاں سے اختلافات شروع ہو گئے اور مسلمان دو گروہ میں تقسیم ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جنگ صفین اور جنگ جمل جیسے سنگین واقعات نے جنم لے لیا اسی سیاسی اختلاف نے بڑھتے بڑھتے فرقہ بندی کا روپ اختیار کر لیا چنانچہ فرقہ شیعہ وہ سب سے پہلا فرقہ ہے جس نے اہل حق سے کٹ کر اپنا جدا دین بنا لیا اور اس کے اصول اپنی مرضی سے گھڑے۔ سطور ذیل میں ہم ان فرق باطلہ کا مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں جو حضرت امام اعظم کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے اور جن کے متبعین سے امام صاحب کا واسطہ پڑتا رہا اور بسا اوقات مناظرہ تک کی بھی نوبت آ گئی۔

(۱) مثلاً سماع موتی، معراج منامی وجسدی وغیرہ ص ۱۱۱، ج ۱

Marfat.com

فرق باطلہ

(۱) شیعہ

ان کی بائیس شاخیں ہیں۔ ابتدا میں ان کو سیاسی اختلاف تھا۔ [۱] جس نے بعد میں مذہبی صورت اختیار کر لی تھی۔ حضرت علیؓ کی امامت کو نصاً اور وصیۃ کہتے ہیں۔ عام ازیں کہ جلی ہو یا خفی۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ امامت حضرت علیؓ کی اولاد میں رہے گی اور اگر ان سے نکلی تو کسی کے ظلم سے یا ان کے تقیہ سے نکلے گی۔ یہ لوگ امامت کو قضیہ اصولیہ جانتے ہیں جو رکن دین ہے اور رسول اللہ صلعم کو بھی (نعوذ باللہ) اس کا ترک جائز نہیں ہے۔ [۲] یہ اپنے امام کو صغیرہ و کبیرہ سے معصوم مانتے ہیں۔ [۳] ان میں ایک فرقہ غالیہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ حقیقتہً نبوۃ حضرت علیؓ کے لیے تھی غلطی سے حضرت جبرئیل نے جناب رسول اللہ صلعم پر وحی اُتار دی۔ ان میں سے بعض حضرت علیؓ کو الٰہ یعنی خدا مانتے ہیں۔ [۴]

شیعوں کے چند فرقے یہ ہیں۔ (۱) سبیہ عبداللہ بن سبا کے متبعین (۲) کیسانیہ۔ مختار بن عبید ثقفی کے مقلد یہ شخص پہلے خارجی تھا بعد میں شیعہ بن گیا (۳) زیدیہ اس فرقہ کے امام زید بن علی بن حسینؓ ہیں۔ اس فرقہ میں نسبتہً دوسرے فرقوں کے اعتدال ہے یہ فرقہ ائمہ کو اللہ تعالیٰ اور انبیاء کے مرتبہ تک نہیں پہنچاتا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگر خالص توبہ نہ کرے تو مخلد فی النار ہوتا ہے۔ (۴) امامیہ۔ یہ فرقہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ کی امامت بالنص ثابت ہے۔

---

(۱) ابوزہرہ ص ۱۰۸۔ (۲) مہر انور، ص ۲۹۔ (۳) ابوزہرہ، ص ۱۰۸۔ (۴) ایضاً ص ۱۱۰

بعض حضرات نے ان کے ستر فرقے بتلائے ہیں ان میں سب سے بڑے فرقے دو ہیں۔ اثنا عشریہ اور اسماعلیہ

(۲) خوارج

اس کی سات شاخیں ہیں یہ مرتکب کبیرہ کو کافر کہتے ہیں۔ اور حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور اکثر صحابہؓ کی تکفیر کرتے ہیں۔ یہ فرقہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہ، حضرت ابن زبیرؓ پر طعن کرتا ہے اور جو بھی ان حضرات پر طعن کرتا ہے اس کو یہ اپنی جماعت میں داخل کر لیتے ہیں۔ انہوں ہی نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں یہ کلمہ بند کیا تھا لا حکم الا اللہ چنانچہ جب کبھی بھی حضرت علیؓ کو دیکھتے تھے یہی فقرہ کہہ کر طعن کرتے تھے۔ حضرت علیؓ ہی نے یہ فقرہ سن کر فرمایا تھا۔

کلمة الحق یرید بها الباطل [۱]

بات سچ ہے مگر منشا باطل ہے۔

ان کا عقیدہ ہے کہ جب امام سنت کے خلاف کرے تو اس پر خروج واجب ہے ان کے مقتداوہ لوگ ہیں جنہوں نے حکمیں کے وقت خروج کیا تھا۔ یہ لوگ کوفہ میں محلہ حرورہ میں آباد تھے۔ حضرت علیؓ کے ہاتھوں انہوں نے مقام نہروان پر شکست کھائی تھی۔ بارہ ہزار خوارج میں صرف پانچ دس آدمی بچ رہے تھے۔ ان کا سردار عبداللہ بن کوا تھا۔[۲] ان کے چند فرقے یہ ہیں۔[۳]

۱۔	ازارقہ	متبعین	نافع بن ازراق
۲۔	بخدات	"	بخدہ بن عویمر
۳۔	صفریہ	"	زیاد بن اصفر
۴۔	عجاردہ	"	عبدالکریم بن عجرد
۵۔	اباضیہ	"	عبداللہ بن اباض
۶۔	یزیدیہ	"	یزید بن انیسہ
۷۔	میمونیہ	"	میمون عجردی

(۱) ابوزہرہ ص۱۲۰۔ (۲) مہرانور ص۲۹۔ (۳) ابوزہرہ ص۱۳۳

Marfat.com

(۳) مرجیہ

ان میں پانچ فرقے ہیں یہ فرقہ حضرت عثمان کے آخری دورِ خلافت میں پیدا ہوا۔ اور ابتدا اس کی اس طرح ہوئی کہ جب شیعہ نے اہل بیت کی فضیلت میں غلو کی راہ اختیار کی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ تک کی تکفیر کر دی اور خوارج نے تمام مسلمانوں کو کافر کہنا شروع کر دیا کیونکہ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر ہوتا ہے تو اس فرقہ نے اس زمانے میں تمام پیدا شدہ مسائل میں نفی کی راہ اختیار کی یعنی تمام فرقوں کے مقابلے میں منفی صورت اختیار کر لی چنانچہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان، اقرار و تصدیق اور معرفت و اعتقاد کا نام ہے۔ ان کے نزدیک ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت مضر نہیں ہے۔ جیسا کہ کفر کے ساتھ طاعت مفید نہیں ہے ان میں سے بعض کا کہنا یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کو نہ دوزخی کہا جا سکتا ہے اور نہ جنتی۔

چونکہ یہ لوگ ایمان سے عمل کو جدا مانتے ہیں اس لیے ان کا کہنا ہے کہ اگر کسی کے دل میں ایمان ہے یعنی تصدیق و اعتقاد ہے تو اس کے لیے بتوں کی پوجا عملاً یہودی ہو جانا یا نصرانی، مضر نہیں ہے۔

یہ فرقہ چونکہ خوارج اور معتزلہ و شیعہ کے مدمقابل پیدا ہوا تھا اس لیے یہ فرقہ ہر اس شخص کو مرجیہ قرار دے دیتا تھا جو ان کے مسلک کے خلاف ہوتا تھا۔ اسی بنا پر ان فرق باطلہ نے حضرت امام اعظم اور ان کے شاگردوں کو مرجیہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ امام صاحب کا مسلک ہے کہ نفس ایمان میں کمی، زیادتی نہیں ہوتی اور مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں ہے بلکہ بقدر معصیت عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اسی پروپیگنڈہ کے ماتحت امام صاحب کے ساتھ ان حضرات کو بھی مرجیہ مشہور کر دیا گیا تھا۔ حسن بن محمد علی بن ابی طالبؓ، سعید بن جبیر، طلق بن حبیب، عمرو بن ابی مرۃ، محارب بن دثار، مقاتل بن سلیمان، قدید بن جعفر، یہ سب حضرات ائمہ حدیث اور فقہ ہیں اور مرتکب کبیر کو نہ کافر کہتے ہیں اور نہ مخلد فی النار قرار دیتے ہیں۔

افسوس کہ امام بخاری جیسے امام الحدیث اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی جیسے بزرگ انسان نے غالباً اسی پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر امام ابوحنیفہ کو اپنی اپنی کتابوں میں مرجیہ کے نام

Marfat.com

سے یاد کیا ہے۔امام بخاری نے تو اتنی شدت اختیار کی کہ اپنی پوری کتاب صحیح بخاری شریف میں قال بعض الناس کہہ کر امام صاحب کو ہدف بنایا ہے رحم اللہ تعالیٰ۔

(۴) جبریہ

اس کی چار شاخیں ہیں ان کا مسلک ہے کہ بندہ مجبور محض ہے۔

انماھو مجبورٌ فی افعاله لاقدرة له ولا ارادة ولا اختیار وانمایخلق الله تعالیٰ الافعال فیه علیٰ حسب مایخلق فی سائر الجمادات (۱)

انسان مجبور محض ہے نہ اس کو کوئی قدرت ہے اور نہ ارادہ نہ اختیار اللہ تعالیٰ اس میں افعال اسی طرح پیدا کرتا ہے جس طرح جمادات کے افعال ہوتے ہیں۔

یعنی جس طرح جمادات ہوتے ہیں اگر کسی نے حرکت دیدی تو متحرک ہو گئے ورنہ نہیں۔مورخین کا بیان ہے کہ اولاً یہ عقیدہ یہود میں پیدا ہوا انہیں سے ان لوگوں نے اس عقیدہ کو حاصل کیا ہے۔ (۲)

(۵) جہمیّہ

۔ یہ فرقہ جبریہ خالصہ کی ایک شاخ ہے جو جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے۔ یہ شخص خراسان کا رہنے والا تھا اور بنی راسب کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا۔عقیدہ کے اعتبار سے یہ فرقہ معتزلہ کے بہت قریب ہے۔اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی نہیں ہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ کو حی، عالم کہنا جائز نہیں۔یہ لوگ خلق قرآن کے بھی قائل ہیں ان کا کہنا ہے۔ (۳)

۱۔ دوزخ اور جنت، دوزخیوں اور جنتیوں کے داخلہ کے بعد فنا ہو جائیں گی۔
۲۔ خلود فی النار یا خلود فی الجنۃ سے مراد طول مکث ہے۔
۳۔ ایمان معرفت کا نام ہے اور کفر جہل کو کہتے ہیں۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کا علم اور کلام حادث ہے۔
۵۔ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے۔

---

(۱) ابوزہرہ ص۱۳۹۔ (۲) ایضاً ص۱۴۱۔ (۳) ایضاً ۱۴۲۔

Marfat.com

(۶) کرامیہ

یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی ہی صفات ثابت کرتے ہیں جیسی کہ انسانوں کے لیے ثابت کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ان کا معبود عرش پر مستقر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم مانتے ہیں جو تحول اور نزول سے متصف ہوتا ہے۔ (۱)

(۷) معتزلہ

یہ فرقہ زمانہ خلافت بنی امیہ میں پیدا ہوا اور خلافت عباسیہ میں پروان چڑھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت حسنؓ نے خلافت سے کنارہ کشی اختیار کی اور امور خلافت امیر معاویہؓ کے سپرد کئے تو یہ لوگ ان دونوں حضرات سے یہ کہہ کر کہ

نشتغل بالعلم و العبادة

اب ہم تحصیل علم اور عبادت میں مشغول ہونگے۔

علیحدہ ہو گئے اسی (اعتزال) کی وجہ سے ان کو معتزلہ کہتے ہیں لیکن ان لوگوں نے اپنے لیے اہل توحید اور قدریہ کا لقب منتخب کیا۔ یہ لوگ مرتکب کبیرہ کو ایمان سے خارج مانتے ہیں اور قرآن پاک کو مخلوق کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رویت کا انکار کرتے ہیں۔ آیات متشابہات کی تاویل کرنا واجب سمجھتے ہیں اور انسان کو اپنے تمام افعال کا خالق مانتے ہیں۔ وغیرہ ذلک۔ امام محمد نے ان کے اقتداء میں نماز واجب الاعادہ ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا، امام ابو یوسف نے ان کو زندیق کہا اور امام مالک نے ان کی شہادت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ (۲)

امام صاحب پر اعتراضات

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی ہے کہ امام صاحب نے جو زمانہ پایا وہ اتفاق سے وہ زمانہ تھا کہ بہت سے فرقے جنم لے چکے تھے چنانچہ تاریخ کے طالب علم پر یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ دولت عباسیہ کا زمانہ مناظروں کا زمانہ ہے۔

كان عصر العباسي عصر المناظرات (۳)

---

(۱) مہر انور ص ۲۹۔ (۲) ابوزہرہ ص ۱۵۳۔ (۳) ایضاً ص ۱۵۸۔

Marfat.com

دولت عباسیہ کا زمانہ مناظروں کا زمانہ ہے

بازاروں کے چوک سے لے کر امراء اور روسا کی مجالس تک اور درسگاہوں سے لے کر محراب و ممبر تک مناظروں ہی کا بازار گرم رہتا تھا۔ کوئی مجلس ان تذکروں سے خالی نہیں تھی ایسے ماحول اور زمانہ میں جہاں بعض شخصیتیں اپنی فہم و فراست کی بنا پر اوپر اُبھر کر آتی ہیں تو دوسری طرف اہل ہوا کی غنڈا گردی سے غبار آلود بھی ہو جاتی ہے ایسے وقت میں قابل اور لائق شخصیتوں کو فراموش نہ کرنا یہ اہل حق اور اہل انصاف ہی کا کام ہوتا ہے۔

میری یہ گذارش اس وقت بہت اچھے طریقہ پر سمجھ میں آجائے گی جب آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنی توجہات کو ہندوستان میں ۱۸۵۷ء لغایۃ ۱۹۳۰ء کے بعد کے ماحول کی طرف مرکوز کر دیں گے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جس میں مناظروں کا بہت شیوع رہا ہے۔ عیسائی، آریہ، قادیانی، غیر مقلد، بریلوی، دیوبندی غرض کہ بہت سے فرقے مناظرہ کا بازار گرم کیے ہوئے تھے چنانچہ ہندوستان کی تاریخ کا طالبعلم اچھی طرح جانتا ہے کہ اہل ہوا نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہم اللہ کے خلاف کیسے کیسے فتوے صادر فرمائے اور کس کس طرح ان کو بدنام کیا۔ بایں ہمہ اہل خرد برابر ان حضرات کی قابلیت اور کاملیت کے معترف رہے۔

بالکل اسی طرح سے امام صاحب کے ساتھ حادثہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فہم رسا اور دماغ اکمل درجہ کا عطا فرمایا تھا۔ اپنے مخالفوں کو ان ہی کے الفاظ میں خاموش کر دینا امام صاحب کے نزدیک ایک معمولی کام تھا لہٰذا طرح طرح کے اتہام لگا کر ان کو بدنام کرنا شروع کیا۔ کسی نے مرجی کہا تو کسی نے قیاس اور اہل الرائے ان کا نام رکھ دیا۔ دوسری طرف بعض معاصرین کو بھی ان کی اُبھرتی ہوئی شخصیت سے حسد اور تعصب پیدا ہوا، غرضکہ اسی طرح رطب ویابس باتیں ایک دور سے لے کر دوسرے دور کی طرف منقول ہوتی رہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ اس گروہ میں بہت سے اہل عدل اور اہل انصاف بھی ہوئے جنہوں نے حالات اور واقعات کا تنقیہ و تجزیہ کیا اور دودھ پانی کو علیحدہ علیحدہ کر کے دکھا دیا جس کی وجہ سے وہ علما جو گروہی تعصب میں گرفتار نہیں ہوئے تھے روشنی میں ضرور آ گئے لیکن کچھ حضرات ایسے بھی ضرور رہے جو امام صاحب کی طرف سے اپنے دل و دماغ کو صاف

Marfat.com

نہ کر سکے اور یک طرفہ فیصلہ کرتے رہے۔

اس کے علاوہ عراق، شام، بخارہ، سمرقند، مصر اور دوسرے ممالک وہ تھے جہاں اسلامی قانون میں فقہ حنفی ریاستی دستور قرار دیا جا چکا تھا۔ عدالتی نظام اسی فقہ کے علما کے ہاتھ میں تھا جنہوں نے اپنے ہی فقہ کی روشنی میں مقدمات فیصل کئے۔ لہٰذا وہ لوگ جو کسی دوسرے فقہ کے مقلد تھے یا صرف حدیث ہی پر اکتفا کئے ہوئے تھے۔ ان کے نزدیک یہ عدالتی فیصلے سراسر ظلم اور قرآن و حدیث کے خلاف ٹھہرے جس کی بنا پر حنفیہ پر سخت اور کافی تنقیدیں ہوئیں اور زبان سے قلم اور سینہ سے سفینہ کی طرف منتقل ہو گئیں جس کی وجہ سے متاخرین علما اور محدثین نے حنفیہ پر ضرورت سے زیادہ ہاتھ صاف کیا۔

امام بخاری اور امام ذہلی

اسی کے ساتھ ساتھ امام صاحب پر بعض اعتراضات غلط فہمیوں اور قلب تحقیق کی بنا پر بھی ہوئے۔ چنانچہ امام بخاری اور ان کے اساتذہ امام ذہلی کے درمیان شکر رنجی محض غلط فہمی کیوجہ سے پیدا ہوئی جس کو ہم اس جگہ نقل کرتے ہیں جو ہمارے گزارشات کے لیے موید ثابت ہو گی۔

> امام بخاری ۲۵۰ھ میں نیشاپور تشریف لائے اور یہاں مدت تک قیام کیا۔ اس اثنا میں وہ روزانہ درس دیتے تھے۔ امام محمد بن یحییٰ الذہلی کو جب امام بخاری کے نیشاپور تشریف لانے کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے شاگردوں اور دوستوں سے کہا کہ تم لوگ اس عالم مرد صالح کے پاس جاؤ اور ان سے احادیث کا سماع کرو۔ لوگ ان کے ارشاد کے مطابق امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے امام کے درس حدیث میں شرکت شروع کر دی لیکن بعد میں ان کی مجلس میں خلل پیدا ہو گیا۔ حاتم بن احمد بن محمود نے امام مسلم کے حوالہ سے جو روایت کی ہے وہ اس سے زیادہ تفصیلی ہے۔ فرماتے ہیں امام بخاری نیشاپور آئے تو ان کا استقبال اس قدر شاندار ہوا کہ ایسا استقبال نہ میں نے کسی گورنر کا دیکھا اور نہ کسی اور حاکم کا"

Marfat.com

اہل نیشا پور شہر سے نکل کر دو تین منزل تک گئے۔ امام ذہلی نے اپنے مجلس میں فرمایا جو شخص امام بخاری کے استقبال کا ارادہ رکھتا ہو اسے ضرور جانا چاہیئے۔ اور میں خود بھی ان کے استقبال کے لیے جاؤنگا چنانچہ نیشا پور میں چھوٹا بڑا کوئی ایسا عالم نہ تھا جو امام بخاری کے استقبال میں شریک نہ ہوا ہو۔ ان لوگوں کے علاوہ امام بخاری کے مشتاقان زیارت کا اتنا ہجوم تھا کہ مکانوں کی دیواریں اور چھتیں آدمیوں سے پٹی پڑی تھیں۔ آپ نے یہاں آ کر دار البخاریں میں قیام فرمایا۔ امام ذہلی نے لوگوں کو امام بخاری کے استقبال میں شرکت کی دعوت دینے اور اس میں خود شریک ہونے کے باوجود اپنے تلامذہ کو اس بات کی تاکید کر دی کہ وہ امام ہمام سے کسی مسئلہ میں استفسار نہ کریں کیونکہ اگر انہوں نے اس کا جواب ان کے مسلک کے خلاف دیدیا تو فرق باطلہ کو شماتت کا بہانہ ہاتھ آجائے گا۔ لیکن لوگ کب بعض آنے والے تھے۔ امام بخاری نے دوسرے دن درس شروع کیا تو وہیں ایک شخص نے کھڑے ہو کر دریافت کیا حضرت! الفاظ قرآن کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہمارے تمام افعال مخلوق اور حادیث ہیں۔ اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال ہی ہیں۔ امام کا یہ فرمانا تھا کہ مجلس میں سخت اضطراب اور شور وغل پیدا ہوا کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ نوبت بایںجا رسید کہ گھر والوں کو مجبور ہو کر ان غل مچانے والوں کو گھر سے باہر نکالنا پڑا الخ۔ (۱)

یہ ہے وہ اختلاف امام بخاری اور امام ذہلی کے درمیان جس کو یار لوگوں نے خوب خوب اُچھالا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نہ امام ذہلی کو حسد پیدا ہوا اور نہ ہی امام بخاری قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں۔ بہر حال ایک غلط فہمی چلی اور اس نے خلیج پیدا کر دی۔

لہٰذا اسی طرح سے امام صاحب کی طرف سے بعض علماء مثلاً امام بخاری کو غلط فہمی ہوئی یا ان کو...... یکطرفہ معلومات پہنچی ورنہ ہم امام بخاری کو (باوجود یکطرفہ ان کی تنقیدات نہایت

(۱) مقدمہ فتح الباری ص ۴۰۴، ج ۲

Marfat.com

سخت ہیں) پاک باطن ہی خیال کرتے ہیں اور اسی میں ہماری فلاح ہے۔ انہوں نے اگر امام صاحب پر تنقید کی وہ جانیں اور ان کا خدا۔ میرا اور میرے قلم کا ہرگز یہ مقام نہیں ہے کہ امام صاحب پر تنقید کروں یا ان کی تغلیط و تکذیب، بہرحال انہوں نے امام صاحب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں وہ پاک باطن ہیں ہاں یہ بات دیگر ہے کہ میں ان کی تنقید یا دیگر حضرات کی تنقید کو پسند نہ کروں اور تحقیقات کے معیار پر صحیح قرار نہ دوں۔ اسی کے ساتھ میں یہ بات بھی صفائی کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ جن حضرات نے امام صاحب پر جو اعتراضات کئے ہیں ان سے امام صاحب کا مقام اور بلند ہو گیا کیونکہ

رنگ لکھتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا جائے

امام صاحب پر اس اعتراف کے بعد ''کہ وہ ائمہ مجتہدین میں صاحب مسلک واجتہاد اور تابعی ہیں۔'' اعتراضات خواہ وہ کسی بھی قسم کے ہیں تارعنکبوت ہو جاتے ہیں اس لیے مجھے کیا ضرورت کہ میں گڑے ہوئے مردے اُکھاڑوں۔ حق یہ ہے کہ امام صاحب پر اعتراضات ہی ان کے امام اعظم ہونے کی دلیل ہیں۔

امام صاحب نے علم کلام میں کونسی راہ اختیار کی عقائد میں ان کا کیا مسلک ہے اور اس پر بعض نے کیا اعتراضات کئے ہیں اس تفصیل میں جانے کے بجائے امام صاحب کا ایک خط جو انہوں نے اپنے زمانے کے مشہور محدث عثمان بتی کے نام تحریر فرمایا تھا پیش کرتا ہوں۔ اس خط سے جہاں امام صاحب کا مسلک خود ان کے قلم سے واضح ہو گا وہاں اس زمانے کے بعض علماء کی غلط فہمیوں کی طرف اشارہ ہوتے ہوئے امام صاحب پر اعتراضات کی تاریخ نوعیت بھی واضح ہو جائے گی۔

عثمان بتی امام صاحب کے زمانے کے ایک مشہور محدث تھے۔ ان کے پاس جب امام صاحب کے متعلق غلط خبریں پہنچیں تو انہوں نے حضرت امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ مرجیہ ہیں اور آپ کے نزدیک مومن کا ضال (گمراہ) ہونا جائز ہے اس کی کیا حقیقت ہے۔ امام صاحب نے جو تفصیلی جواب دیا وہ سطور ذیل میں درج کیا رہا ہے۔

Marfat.com

مکتوب امام صاحب

ابو حنیفہ کی طرف سے عثمان بتی کو سلام علیک! میں آپ کی طرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی حمد بھیجتا ہوں۔ بعدازیں میں آپ کو تقویٰ واطاعت خداوند تعالیٰ کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ حساب لینے والا اور جزا دینے والا کافی ہے۔ میری طرف جناب کا گرامی نامہ آیا۔ جو کچھ نصیحت آپ نے اس میں تحریر فرمائی تھی میں نے اس کو سمجھا۔ جناب نے اپنے والا نامہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ میری خیر اور بھلائی کی وجہ سے ہے لیکن میرا خیال ہے کہ غالباً آپ کو میرے متعلق کہیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ''میں مرجیہ ہوں'' اور میں مومن کو گمراہ کہنے کا قائل ہوں۔'' اور یہ بات آپ کو بار خاطر ہے۔ لہٰذا میں قسمیہ عرض کرتا ہوں کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ حالانکہ میرا عقیدہ قرآن کریم اور دعوت رسول اللہ صلعم اور آپ کے اصحاب پر ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ میرے نزدیک بدعت ہے لہٰذا میرے اس عریضہ پر غور فرمایئے۔

اگر مجھے آپ کے متعلق یہ اُمید نہ ہوتی کہ آپ کو میرے اس عریضہ سے اللہ تعالیٰ کچھ نفع نہیں پہنچائے گا تو میں یہ عریضہ ہرگز نہ تحریر کرتا۔ لہٰذا آپ نے جو رائے قائم کر لی ہے اس کو ترک کیجئے۔ اور شیطانی وساوس سے بچیے۔ (اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی حفاظت فرمائے۔ اور میں اسی سے اپنے لیے حسن توفیق اور رحمت خداوندی کو مانگتا ہوں)

میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ ''حضور صلعم کے مبعوث ہونے سے پیشتر انسان مشرک تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلعم کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ اس کا اقرار کرنے والے اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور مومن ہو گئے اور شرک سے بَری ہو گئے۔ اور ان کا مال، جان، عزت دوسروں پر حرام ہو گیا۔ اور مسلمانوں پر ان کا حق قرار دیدیا گیا حالانکہ اس اقرار سے قبل اس معاہدے (اقرار) کے تارک کے لیے یہ حکم نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کو اس کا اسلام میں داخل ہونا مقبول تھا یا قتل یا جزیہ (یعنی اسلام کی طرف بلوانے کے لیے یہ تین شرائط تھیں)

اس کے بعد یعنی اسلام لانے کے بعد مومنین پر فرائض نازل ہوئے جن پر ایمان کی حالت میں عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

Marfat.com

الذین امنو اوعملو الصلحت من یومن باللّٰہ ویعمل صالحاً

جوایمان لائے اور عمل صالح کئے۔ جو اللہ پر ایمان لائے اور عمل صالح کرے۔

اوراس کے علاوہ مثل اس کے دوسری آیات قرآنیہ موجود ہیں۔ جن سے ظاہر ہے کہ عمل کا ضائع کرنے والا ایمان ضائع کرنے والا (غیر مومن یا بالفاظ دیگر کافر) نہیں ہے۔ اور اگر ایسا قرار دیا جائے گا تو ایمان کی بجائے اس کا کوئی دوسرا نام تجویز کرنا ہوگا اور ایسے لوگ حرمت وحقوق ایمان سے خارج ہوکر اپنی حالت قدیم (شرک) کی طرف لوٹ جائیں گے اور آپ اس کے فرق سے بخوبی واقف ہیں کہ لوگ ایمان میں تو مختلف المراتب نہیں ہیں ہاں عمل میں مختلف المراتب ہیں۔

معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

شرع لکم من الدین ماوصی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ

تمہارے لیے اسی دین کو مقرر کیا ہے جس کی وصیت حضرت نوح کو کی تھی۔ اور جو کچھ آپ کی طرف ہم نے وحی کیا اور جس کی حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفریق پیدا نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ ایمان باللہ و رسول کی ہدایت مثل فرائض اعمال کے نہیں ہے یعنی یہ دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں معلوم نہیں آپ کو یہ اشکال کہاں سے پیدا ہوگیا۔ آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں۔ بس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے اعتبار سے مومن ہے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ اطلاقات کئے ہیں۔ کیا آپ اسی شخص کو جو خدا اور اس کے رسول کے پہچاننے میں گمراہ ہو اس شخص کے برابر قرار دیں گے جو مومن ہو لیکن اعمال سے ناواقف ہو اللہ تعالیٰ نے فرائض کی تعلیم کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ الایۃ

ایک گمراہ ہو (بھول گئی ہو) تو دوسری یاد دلا دے۔

فعلتھا اذًا وانا من الضالین الایۃ

Marfat.com

جب میں نے یہ کام کیا تھا تو میں گمراہ (ناواقف تھا)

اس کے علاوہ اور بہت سی آئتیں ہیں جو اس دعوے کے لیے دلیل قاطعہ ہیں اور احادیث تو اور بھی زیادہ واضح ہیں۔ کیا آپ گفتگو کرتے ہوئے کہتے نہیں ہیں؟ ''مومن ظالم'' مومن مخطی'' ''مومن عاصی'' ''مومن جاہل'' ''مومن مذنب'' یہ ہوتا ہے کہ مومن ناواقف ہے لیکن گنہگار ہے (یعنی ناواقفیت کی وجہ سے لیکن بایں ہمہ عاصی ہے) اور خطا کار ہو لیکن ایمان کی وجہ سے باہدایت ہو، خطا کار بھی اور گمراہ بھی ہو جب ہی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے (اپنے زعم باطل میں فرض کر کے) اپنے والد محترم کو کہہ دیا تھا۔

انّا ابانالفی ضلال مبین

ہمارا باپ کھلی گمراہی میں ہے

یعنی اس معاملہ میں بھی وہ گمراہی میں مبتلا ہیں۔ نعوذ باللہ۔ یہ آپ پر اعتراض نہیں ہے۔ حاشا اللہ۔ آپ خود قرآن کے بڑے عالم ہیں۔ یعنی اس تقریر سے مقصود آپ پر اعتراض نہیں ہے بلکہ الفاظ اور معنی اور حقائق کے فرق کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

(اور ملاحظہ فرمایئے) حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو کیا اس کے یہ معنی تھے کہ وہ صرف ان لوگوں کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے۔ حضرت علیؓ نے اہل شام کو (جو ان سے لڑے تھے) مومن کہا۔ کیا قتل سے بڑھ کر کوئی گناہ ہے پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے۔ کیا آپ قاتلین، مقتولین دونوں کو برسر حق قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ صرف ایک کو (یعنی حضرت علیؓ) اور طرفداران علیؓ کو) برسر حق تسلیم کریں گے تو دوسرے فریق کو کیا کہیں گے۔ اس کو خوب سمجھ لیجئے۔ اور غور کر لیجئے کہ میرا یہ قول ہے (اھل القبلة مومنون) اہل قبلہ مومن ہیں۔ میں کسی فرض کے ترک کی وجہ سے کسی کو ایمان سے خارج نہیں کرتا ہوں۔ میں کہتا ہوں جس نے تمام فرائض کو ادا کیا وہ اہل جنت ہے۔ اور جس نے ایمان و عمل دونوں کو ترک کر دیا وہ کافر اور دوزخی ہوا اور اگر کسی مومن نے کوئی فرض ترک کر دیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے چاہے اس کی مغفرت کر دے اور چاہے اس کو عذاب دے۔

میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلعم کا آپس کا اختلاف اللہ تعالیٰ اس

سے بہتر واقف ہے۔ اس بارے میں مجھے آپ کی رائے نہیں معلوم کہ کیا ہے اور آپ اہل قبلہ کو ترک فرائض کی وجہ سے کیا کہتے ہیں۔ میں نے جو کچھ عرض کیا وہی اصحاب رسول اللہ صلعم کا مسلک ہے اور وہی سنت ہے اور وہی فقہ ہے۔ حضرت نافع نے بھی فرمایا ہے کہ یہی قول حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہے اور عبدالکریم نے طاؤس سے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہی حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔ اور انہوں نے اپنی کتاب القضا میں دونوں جماعتوں کو مومن کہا ہے اور یہی عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ہے۔ اسی قول کو میں نے اہل عدل سے اخذ کیا ہے۔

اگر مجھے کلام کے طویل ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں آپ کی تسلی خاطر کے لیے اور زیادہ بسط سے تحریر کرتا۔ پھر اگر آپ کو شک رہے اور اہل بدع میری طرف سے آپ کو اور کوئی چیز منسوب کر کے بتلائیں تو آپ اس کی اطلاع مجھے ضرور دیں میں انشاء اللہ اس کا جواب دوں گا۔ واللہ المستعان رزقنا الله منقلبا كريما وحياة طيبة والسلام عليک ورحمة الله وبركاة والحمدلله رب العلمين والصلوٰة والسلام علے سيدنا محمد واٰله واصحابه اجمعين۔ (1)

---

(۱) معجم المصنفین ص۱۹۲تا۱۹۶، ج۲

فقہ اکبر اور امام ابوحنیفہ

امام اعظم کا عقائد میں کیا مسلک تھا؟ اس کا مختصراً جواب تو مذکورہ مکتوب گرامی سے مل گیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے فقہ اکبر مرویہ از ابو مطیع بلخی ملاحظہ فرمانی چاہیئے۔

فقہ اکبر امام ابوحنیفہ ہی کی کتاب ہے لیکن افسوس کہ اس کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب نہیں ہے۔ مولانا شبلی نے سیرت النعمان میں اسی راہ کو اختیار کیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وجہ انکار کیا ہے ہاں راقم الحروف کے نزدیک فقہ اکبر امام صاحب ہی کی تصنیف ہے جس سے انکار مشکل ہے چنانچہ میں نے ۵ر جولائی ۶۱ء کو ایک مضمون مدینہ اخبار بجنور میں محض اسی مسئلہ پر شائع کیا تھا جو بعینہٖ یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

فقہ اکبر حضرت امام ابوحنیفہ کی کتاب ہے یا نہیں یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر ہر دو فریق (منکرین اور مثبتین) نے اپنے اپنے دلائل پیش کئے ہیں مولانا شبلی نعمانی نے اپنی تالیف سیرت نعمان میں فرمایا ہے کہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب نہیں ہے اور آخر میں فرمایا ہے۔

ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے۔ لیکن تمام واقعات بھی لکھ دیئے ہیں۔[1] ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ الخ

ظاہر ہے کہ یہ کوئی تسلی بخش جواب نہیں بلکہ اہل تحقیق کے لیے دعوت ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی تحقیق کا سلسلہ جاری رکھیں۔

یہ رائے غلط ہے یا صحیح اس کا تجزیہ تو ہم ذیل میں کریں گے لیکن قبل اس کے اسی رائے کے مقابلہ میں دو رائیں اور پیش کر دیں۔

---

(۱) سیرت نعمان ص ۶۶۔

۱۔ مولانا فقیر محمد صاحب لاہوری نے صاحب اتحاف النبلا کا رد کرتے ہوئے اپنی کتاب حدائق الحنفیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

متعصب صاحب کا یہ قول کہ (امام ابو حنیفہ سے کوئی تالیف بھی بسند صحیح ماثور نہیں اور ایک جماعت علماء نے اس سے انکار کیا ہے) پایہ اعتبار سے بالکل عاری ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت میں سے کوئی ان کی تالیف سے منکر نہیں ہوا، صرف بعض معتزلہ لوگوں نے انکار کیا ہے سو ان کا اعتبار قابل اعتبار نہیں۔ امام ابو حنیفہ کی تالیف میں سے کتاب فقہ اکبر، کتاب العالم والمتعلم و کتاب الاوسط، کتاب الوصیۃ، کتاب المقصود ایسی مشہور و معروف ہیں کہ محتاج سند نہیں۔ اگر ان کی سند ہی دیکھنی ہو تو قاضی ابو زید کی کتاب الزکوۃ کے باب زکوۃ الخارج اور ابوسہل الغزالی کی کتاب الطہارت کے باب الحیض اور ابو علی الدقاق کی کتاب النکاح کے باب العدۃ اور ابوالمنصور ماتریدی کی کتاب الزکوٰۃ کے باب زکوۃ السوائم اور کتاب الوکالت کے باب الوکالت بالبیع والشراء اور ابواللیث سمرقندی کی کتاب النکاح کے باب المہر کو دیکھو۔ (۱)

۲۔ علامہ کردری نے مناقب کے ص ۱۰۸ پر تحریر فرمایا ہے۔

فَان قلت ليس لابی حنيفة كتاب مصنف قلت هذا الكلام المعتزلة و دعواهم انَّهٗ ليس له فی علم الكلام تصنيف غرضهم بذلک نفی ان يكون الفقه الا اكبر و كتاب العالم والمتعلم له لانه صرح فيه باكثر قواعد اهل السنة والجماعة و دعوٰهم انه كان من المتذلة و ذلک الكتاب لابی حنيفة البخاری وهذا غلط صريح فانی رايت بخط العلامة مولانا شمس الملة والدين الكردری البرانيقی العمادی هذين الكتابين و كتب فيهما انهما لابی حنيفه وقد تواطاء علىٰ ذلک جماعة كثيرة من المشائخ.

اگر تو یہ کہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے تو میں کہتا ہوں یہ بات معتزلہ کی ہے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب کی علم کلام میں کوئی

---

(۱) حدائق الحنفیہ۔

Marfat.com

کتاب نہیں۔اس سے ان کی غرض فقہ اکبراور العالم والمتعلم کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکار کرنا ہے۔اس لیے کہ امام صاحب نے اس کتاب میں اہل سنت والجماعت کے بہت سے قواعد ذکر کئے ہیں اور معتزلہ کا دعویٰ کہ امام صاحب معتزلی تھے اور یہ کتاب ابوحنیفہ بخاری کی ہے۔غلط ہے کیونکہ میں نے علامہ کردری برانقی العمادی کے ہاتھ سے ان دونوں کتابوں پر لکھا دیکھا ہے کہ یہ کتاب ابوحنیفہ کی ہے اور اسی پر مشائخ کی ایک جماعت کثیرہ نے اتفاق کیا ہے۔

علامہ کردری صاحب مناقب کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ اکبراز ابوحنیفہ بخاری، اور فقہ اکبراز امام ابوحنیفہ) کو علامہ برانقی عمادی کے پاس دیکھا ہے کہ ان کتابوں پر موصوف کے قلم سے لکھا تھا الفقہ الاکبر لابی حنیفہ علامہ برانقی عمادی صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں۔سن وفات ۵۵۹ھ ہے ایک معتبر فقیہہ اور محدث ہیں۔ان کی غرض ان دونوں کتابوں پر الفقہ الاکبر لابی حنیفہ لکھنے سے ہرگز نہیں ہوسکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہ کی ہیں یا یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ بخاری کی ہیں بلکہ غرض ان کی ظاہر ہے کہ ایک فقہ اکبر کے مصنف اور ابوحنیفہ بن یوسف بخاری ہیں اور ایک فقہ اکبر کے مصنف امام ابوحنیفہ الکوفی ہیں۔اور اسی بات پر کہ فقہ اکبر دو ہیں جس کے مصنف علیحدہ علیحدہ مذکورہ دونوں صاحب ہیں۔مشائخ کی ایک جماعت کثیر نے اتفاق کیا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں اور فقہ اکبر کے متعلق اختلاف آراء کو دیکھنے کے بعد ایک خلجان پیدا ہوتا ہے۔کہ حقیقت کیا ہے اور رائیں کیا ہیں۔کوئی فقہ اکبر کو امام صاحب کی کتاب بتاتا ہے کوئی فقہ اکبر کو ابوحنیفہ بخاری کی کتاب بتاتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ دونوں کتابیں علیحدہ علیحدہ مصنفوں کی ہیں۔کوئی کہتا ہے کہ ایک فقہ اکبر ابوحنیفہ بن یوسف کی ہے اور ایک ابومطیع بلخی کی ہے اور ہر ایک کے پاس کچھ دلائل وقرائن ہیں۔ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ذرا تفصیل سے کلام کریں اور اصل حقیقت کو ظاہر کرنے کی کوشش کریں۔(اس سے مقصود تحقیق ہے تنقید و تبصرہ نہیں ہے)

Marfat.com

فقہ اکبر کا تاریخی پس منظر

فقہ اکبر دو ہیں اور اتفاق سے دونوں کے مصنف کا نام بھی ابو حنیفہ ہے فرق اتنا ہے کہ ایک ابو حنیفہ بن نعمان بن ثابت الکوفی المعروف بالامام الاعظم صاحب مسلک حنفیہ اور دوسرے ابوحنیفہ محمد بن یوسف البخاری المعروف بابی حنیفہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کی کتاب کا نام بھی فقہ اکبر ہے۔ اور دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ امام صاحب کی فقہ اکبر کا طرز عبارت قدیم ہے یعنی تمام مسائل اس کے حدثنا کہہ کر بیان کئے گئے ہیں جس کے راوی ابو مطیع البلخی ہیں۔ جنہوں نے ہر مسئلہ کو امام صاحب سے روایت کیا ہے چنانچہ علما نے اس کی تصدیق کی ہے۔

ابو مطیع، بلخ کے رہنے والے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں اور احادیث ابن عون، ہشام بن حسان، ابراہیم بن طہمان سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے بھی ایک جماعت کثیر نے روایت کی ہے۔ مثلاً احمد بن ملیح وقلاد بن اسلم الصقار ابن مبارک ان کے علم اور فقہ کی قدر کرتے ہیں اور ان کے بہت زیادہ مداح ہیں۔ ۱۶ سال تک بلخ کے قاضی رہے ۱۹۷ء میں ۸۴ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ یہی فقہ اکبر کو امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ آئندہ سطور میں ہم ان کے فقہ اکبر کو فقہ اکبر مرویہ کے نام سے یاد کرینگے الحمدللہ کہ اصل نسخہ ہمارے پاس موجود ہے جس کی ابتدائی سندیہ ہے۔ اخبرنا الشیخ الامام الذاهد الاستاذ سیف الحق والدین قامع البدعة والضلالة ابو المعین میمون بن محمد بن المعتمد المکحولی النسفی انار الله برهانه و ....
انه قال الشیخ الامام ابو عبدالله الحسین بن ابی الحسین الکاشغری الملقب بالفضل قال ابو مالک نعران بن حم الختلی قال حد ثنا ابو الحسن علے بن الحسین بن محمد الغزالی قال حدثنا نصیر ابن یحیی الفقیه قال سمعت ابامطیع الحکم بن عبد الله البلخی قال سالت ابا حنیفة النعمان بن ثابت اور فقہ اکبر ابوحنیفہ بن یوسف بخاری کا طرز عبارت یہ نہیں ہے بلکہ اس کا طرز عبارت مابعد کے زمانہ کا ہے اس کے مصنف نے بہت سے مسائل اپنی طرف سے اضافہ کر دیئے اور جن مسائل کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ وہ اس کتاب میں اقتباس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مرور ایام کی وجہ اور کاتبین و ناسخین کی غلطی سے بہت کچھ

Marfat.com

ردوبدل ہوگیا ہے۔الحمدللہ کہ اس کا صحیح نسخہ ہمارے پاس ہے جس کو ہم امام صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔واللہ اعلم بالصواب۔

فقہ اکبر اور علماء

صاحب کشف الظنون نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ابو مطیع بلخی نے فقہ اکبر کو خاص امام ابو حنیفہ سے روایت کیا اور اس کے بہت شراح ہیں۔مثلاً محی الدین بن محمد ۹۵۶ھ، مولی الیاس بن ابراہیم سینوبی۔مولی احمد بن محمد ۹۳۹ھ، ابراہیم بن حسام الکرمانی ۱۰۱۶ھ، ملاعلی قاری۔صاحب کشف الظنون نے جن شروحاتِ فقہ اکبر کا انتساب امام سے کیا ہے وہ اگر غور سے دیکھا جائے تو فقہ اکبر مشہور کی شروحات ہیں نہ کہ فقہ اکبر مرویہ کی۔لوگ امام صاحب کی تصانیف کو پیاسوں کی طرح تلاش کر رہے تھے۔اسی کو نعمت باردہ سمجھا اور بخاری کی کتاب کو..............امام صاحب کی تصنیف سمجھ لیا۔

علامہ عبدالرسول برزنجی نے تحریر فرمایا ہے کہ مجھے امام ابو حنیفہ کا صحیح نسخہ ملا ہے۔جس کی روایت ابو مطیع تک پہنچتی ہے۔اور یہ فقہ اکبر ۱۰۶۵ھ کا کتابت کیا ہوا ہے علامہ برزنجی فرماتے ہیں کہ علامہ قاری نے جس فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے وہ ابو حنیفہ بخاری کا فقہ اکبر ہے۔ابو حنیفہ بخاری کے فقہ اکبر کی عبارت اس طرح ہے قال الامام قدوۃ الا نام الکوفی. لہٰذا اس کتاب میں وہ مسائل بھی اضافہ ہیں جو امام صاحب سے مروی نہیں ہے۔صاحب کشف الظنون نے یہ خیال نہ فرمایا کہ فقہ اکبر کی جن شروحات کا حوالہ انہوں نے دیا ہے وہ سب کی سب ۹۰۰ھ کے بعد کی پیداوار ہیں۔اگر یہ شروحات اصل فقہ اکبر کی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ متقدمین مثلاً ابو اللیث سمرقندی امام طحاوی وغیرہ حضرات متقدین نے کیوں نہ اس کی شروحات لکھیں لہٰذا فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے۔

فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے

۲۔ علامہ کردری برانیقی عمادی نے ہردو فقہ اکبر کے اوپر اپنے قلم سے لکھا تھا کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے۔علامہ برانیقی صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں ۵۵۹ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

ایک ثقہ محدث وفقیہ ہیں۔ ان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے غلط لکھ دیا ہے۔

۳۔ فقہ اکبر مرویہ ابومطیع کی روایت سے مروی ہے نہ کہ فقہ اکبر مشہور۔

۴۔ فقہ اکبر مشہور میں جہاں کہیں قال ابوحنیفہ قدوۃ الانام لکھا ہے وہ اقتباس ہے فقہ اکبر مرویہ کا اور بعض جگہ ناسخین کا تصرف ہے۔

۵۔ جو جرح اور تنقید فقہ اکبر پر کی جاتی ہے۔ وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق ہوتی ہے نہ کہ فقہ اکبر مرویہ پر۔

۶۔ ابن تیمیہ نے حمویہ میں فقہ اکبر مرویہ کے جو خصوصیات لکھے ہیں وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق نہیں ہوتے۔

۷۔ فقہ اکبر مرویہ کو چند اصحاب ابی حنیفہ نے بھی ابومطیع سے روایت کیا ہے جو مجروح نہیں ہیں۔ (۱)

۸۔ شیخ الاسلام ابواسماعیل انصاری ہروی نے فقہ اکبر مرویہ سے روایت کی ہے۔ (۲)

۹۔ حافظ ذہبی نے کتاب مسئلہ علو میں لکھا ہے۔ دوی ابو المطیع الحکم بن عبداللہ فی الفقۃ الاکبر معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ (۳)

۱۰۔ ابن قدامہ مقدسی اور ابن قیم نے بھی فقہ اکبر مرویہ کو تسلیم کیا ہے۔ (۴)

۱۱۔ علامہ قونوی کی روایات بھی اسی قسم کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے۔

۱۲۔ علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ فقہ اکبر مشہور ابوحنیفہ بخاری کی تصنیف ہے اور فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے۔

۱۳۔ جو مسائل فقہ اکبر مشہور میں ہیں مثلاً کفر والدین رسول اللہ صلعم وہ مرویہ میں نہیں ہیں۔ امام صاحب کی طرف اس مسئلہ کو منسوب کرنا ان پر افترا ہے یہی حافظ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں اور علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں لکھا ہے۔

---

(۱) مہر انور۔ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) ایضاً

Marfat.com

شبہات کا ازالہ

۱۔ فقہ اکبر پر کچھ شکوک اور شبہات قائم کئے جاتے ہیں۔ مثلاً علامہ شبلی اور ابوزہرہ مصری کو اشکال ہے کہ فقہ اکبر میں جن اصطلاحات مثلاً بالکیف، بالغرض، بالذات کا ذکر ہے اور جن مسائل مثلاً کرامات اولیاء اللہ کا تذکرہ ہے یہ سب بعد کی چیزیں ہیں۔ امام صاحب کے زمانے میں ان کا وجود نہیں تھا۔ بیشک لیکن یہ شک فقہ اکبر مشہور پر کیا جاسکتا ہے۔ نہ کہ فقہ اکبر مرویہ پر۔ فقہ اکبر مرویہ میں نہ یہ اصطلاحیں ہیں اور نہ ان مسائل کا ذکر ہے۔

۲۔ مولانا شبلی کو یہ شک ہے کہ اگر فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب ہے تو صاحبین نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ جواب اس کا ظاہر ہے کہ عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔ علاوہ ازیں ہم ایسے مسائل بھی دکھلا سکتے ہیں کہ امام ابو یوسف نے ان کو ذکر کیا ہے لیکن امام محمد اس کی روایت قال بعض سے کرتے ہیں اور امام ابو یوسف کا نام نہیں لیتے کیوں؟ اس کی وجہ اگر دریافت کرنی ہو تو حاشیہ طحطاوی علی المراقی اور کبیری میں زیر مسئلہ زہ صلوٰۃ فسدت الخ دریافت کرنی چاہیئے۔

غرضکہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے اور یہی حق بھی ہے کیونکہ فقہ اکبر مرویہ کو اگر دیکھا جائے تو ابومطیع کی حیثیت محض ایک سائل کی ہے۔ انہوں نے امام صاحب سے سوال کیا ہے اور امام صاحب نے اس کا جواب مدلل قرآن و حدیث سے دیا۔ نہایت سیدھی اور صاف عبارت ہے نہ کوئی اصطلاحی لفظ ہے اور نہ کوئی ایسا مسئلہ ہے جو مابعد کی پیداوار ہے (اگر مضمون کے طویل ہونے کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس کے اقتباسات بھی پیش کر دیتے) فقہ اکبر مرویہ کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ کوئی مستفتی سوال کرے اور مفتی اس کا جواب عنایت فرمائے۔ بعد میں یہ مستفتی ان سب فتاویٰ کو ایک جگہ جمع کر کے شائع کر دے۔ تو اس سے وہ مستفتی کی کتاب نہیں ہوتی۔ مثلاً فتاویٰ امدادیہ کو حضرت تھانوی اور فتاویٰ رشیدیہ کو حضرت گنگوہی کی کتاب کہا جاتا ہے نہ کہ مستفتی صاحبان کی۔ اسی طرح مثال کے طور پر مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مدنی کی کتاب ہے نہ کہ نجم الاصلاحی اور دیگر مکتوب الیہم کی بس بالکل یہی حال فقہ اکبر مرویہ کا ہے ابومطیع کا لفظ بھی اس میں موجود نہیں ہے۔ تو پھر کیا معنی ہیں کہ اس کتاب کو

Marfat.com

ابو مطیع کی کتاب قرار دیا جائے۔ حق اور انصاف یہی ہے کہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے۔ ان دلائل اور شواہد کی وجہ سے میری رائے بھی یہی ہے کہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے۔ لیکن مجھے اس رائے کے اوپر اصرار نہیں ہے اور نہ اس کے قبول کرنے پر کوئی مجبوری ہے۔ میں اپنی رائے کو کسی کے سر نہیں تھوپنا چاہتا شاید کہ تحقیق کا سلسلہ آگے بڑھے اور میری رائے غلط ثابت ہو جائے۔

نوٹ

یہ چند سطور فقہ اکبر مرویہ، فقہ اکبر مشہور، سیرت النعمان، حدائق الحنفیہ، الجواہر المضیہ، مناقب امام صاحب از کردری، ابوزہرہ، مہر انور، الدر الازہر، کبیری حاشیہ طحطاوی علی الدر مختار، حاشیہ طحطاوی علی المراقی ردالمختار، فتاوی ابن حجر مکی، کشف الظنون وغیرہ کتب کی امداد سے لکھی گئی ہیں۔ جن میں سے بیشتر کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ بعض میں صرف یادداشت سے کام لیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

یہاں تک امام اعظم ابو حنیفہ کے
علمی کمالات کا
تذکرہ تھا
آئندہ سطور میں عملی کمالات کا تذکرہ
کیا جا رہا ہے

باب یازدہم

امام ابوحنیفہ کی عملی زندگی

تصوّف، عبادات، اخلاقیات، معاملات

حلیہ شریف

یوں تو سب ہی انسان اپنی تخلیق وتقویم میں تمام مخلوقات سے اشرف ہیں کوئی دوسری مخلوق دلربائی اور دل آویزی میں اس کی ہمسر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (الآیة)

ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

صوّر کم واحسن صور کم

تمہاری صورتیں بنائیں تو خوب اچھی بنائیں۔

اس احسنیت مشترکہ میں بھی انسانوں کے مراتب ہیں۔ کوئی ان میں سے یوسف ہے تو کوئی نہایت کریہہ المنظر اور زشت رو ہے۔ بایں تفاوت اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ ظاہری زیب وزینت قبولیت کا مدار نہیں ہے۔ بہت سے خوب رو نہایت بدخو ہوتے ہیں اور بہت سے بدرو، خوش خو ہوتے ہیں اور اسی پر قبولیت اور شرافت کا مدار ہے۔ حضرت بلال حبشیؓ، حضرت سعد الاسودؓ اور حضرت عطار بن رباح (مشہور تابعی) ظاہراً کیسے تھے لکن باطناً ان کو وہ مقام حاصل ہے جس سے شرمندہ آفتاب وقمر ماہتاب ہے۔

خاک کے پردے میں ہیرے کی کنی ہوتی ہے

حضرت امام ابوحنیفہ انھیں خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جن کو ظاہری و باطنی ہر

Marfat.com

قسم کی دل ربائی حاصل ہے۔آپ کا حلیہ بیان کرنے والے حضرات بیان کرتے ہیں۔

۱۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام صاحب میانہ قد تھے یعنی نہ بہت پست قد اور نہ بہت زیادہ دراز، حسین صورت اور شیریں کلام تھے۔

۲۔ حماد بن ابی حنیفہ کہتے ہیں۔امام صاحب نہایت خوش لباس تھے اور اس قدر خوشبو استعمال کرتے تھے کہ ہم لوگ محض خوشبو سے ہی پتہ لگا لیتے تھے۔ (۱)

کوئی اس راہ سے ہو کر گیا ہے

۳۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ امام صاحب نہایت خوبصورت اور نہایت خوش لباس تھے۔آپ کی ریش مبارک نہایت خوبصورت تھی۔آپ جوتا اور کپڑا بہت عمدہ پہنتے تھے۔ (۲)

۴۔ ابو مطیع بلخی کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب کو نہایت قیمتی چادر پہنے دیکھا جس کی قیمت کم از کم چار سو درہم ہوگی۔ (۳)

۵۔ ایک دن نصر بن محمد امام صاحب سے ملاقات کے لئے گئے۔امام صاحب کہیں باہر جانے کی تیاری فرمارہے تھے۔ان سے کہا ذرا دیر کے لئے مجھے اپنی چادر دیدیجئے! جب امام صاحب واپس آئے تو شکایت کی کہ ناحق تمہاری چادر لیکر مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔نصر کہتے ہیں کہ وہ چادر میں نے پانچ دینار کی خریدی تھی اور مجھ کو اس پر ناز تھا۔اس لئے امام صاحب کو شکایت پر تعجب ہوا۔دوسرے موقعہ پر جب میں نے امام صاحب کو دیکھا تو آپ تیس دینار کی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔تو میرا تعجب جاتا رہا۔ (۴)

۶۔ امام صاحب گو درباریوں سے کوسوں دور رہتے تھے لیکن خلیفہ منصور نے درباریوں کے لئے جو ٹوپی مقرر کی تھی (جس کا رنگ سیاہ تھا) یہ بھی آپ کے پاس بیک وقت سات سات ہوتی تھیں۔ (۵)

امام صاحب کی یہ ظاہری نظافت اور طہارت ان کی نظافت طبع پر دلالت کررہی ہے۔جس سے انسانی اخلاق وعادات کو معلوم کرنے میں کافی امداد ملتی ہے امام صاحب کے اخلاق وعادات، معاملات وغیرہ تمام چیزوں کا تذکرہ کرنے کے لئے ایک جامع لفظ

---

(۱) موفق ص۸۰، (۲) ایضاً ص۲۱

(۳) سیرت النعمان ص۴۰۔ (۴) ایضاً۔ (۵) النبا ص۴۰۔

Marfat.com

''تصوف'' کو اختیار کیا ہے اسی کے ضمن میں ہم تمام چیزوں کو بیان کریں گے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک تصوف تمام چیزوں پر حاوی ہے ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جیسا کہ بعض جہلا نے خیال کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علمائے دین وفقہائے شرح متین میں وہ تمام خصوصیات ہوتی ہیں جو ایک ولی میں ہونا ضروری ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں۔

ان لم تکن فی الدنیا و الاٰخرۃ العلماء و الفقھا اولیاء اللّٰہ تعالٰی اللّٰہ ولی الذین اٰمنو و العلماء و الفقھا اشد معرفۃ باللّٰہ تعالٰی (۱)

اگر دنیا و آخرت میں علما و فقہا اولیاء اللہ نہیں ہیں تو اللہ کا کوئی ولی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ ولی الذین اٰمنو اور علما و فقہا کو اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ معرفت حاصل ہوتی ہے۔

اس نقطہ نظر کے تحت امام صاحب کا مقام ظاہر ہے۔

---

(۱) کردری ص ۷۱۔

امام ابوحنیفہ اور تصوف

تصوف متعارف اور اس کا نام قرن اول اور ثانی میں نہیں ملتا۔ اور حدیث وآثار صحابہؓ میں بھی اس کا ذکر نہیں پایا جاتا زیادہ سے زیادہ یہ دوسری صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

ان هذا التعبير من الزهد بالصو في حدث في اثناء المائة الثانيه لان لباس الصوف كان يكثر في الزهاد ومن قال انه نسبة الى الصفه التى نسب اليها كثير من الصحابة ويقال فيهم اهل الصفة اونسبة الصفا او الصف الاول او صوفة بن مروان بن اوبن بن طانجه او صوفة القفا فهى اقوال ضعيفة (1)

زاہد کو صوفی کہنا۔ یہ دوسری صدی کے درمیان سے ہے اس لئے کہ موٹے کپڑے زاہدوں میں زیادہ مستعمل ہوتے تھے اور جس نے یہ کہا کہ یہ صفہ کی طرف منسوب ہے جس کی طرف بہت سے صحابہ منسوب ہیں اور ان کو اہل صفہ کہا جاتا ہے یا یہ صفہ یا صف اول یا صوفہ بن مروان بن اوبن۔ بن طانجہ یا صوفۃ القفا کی طرف منسوب ہے تو یہ سب کے سب اقوال ضعیف ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی تحریر فرماتے ہیں۔

اول کسے کہ ویرا صوفی خواندند ابو ہاشم بور پیش از وے کسے رابایں نام نخواندہ بودند (۲)

---

(۱) جلاء العینین ص۶۲ از ہفتہ وار چٹان لاہور۔ (۲) نفحات الانس ص۳۱۔

وہ سب سے پہلا شخص جس کو صوفی کہا گیا ہے ابو ہاشم ہیں۔ان سے پہلے کسی
کو اس نام سے نہیں پکارا گیا۔

حضرت ابو ہاشم صوفی کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا ہے۔ان ہی کو امام سفیان ثوری نے صوفی کے نام سے یاد کیا ہے۔فرمایا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو ہم ریا کی دقائق سے واقف نہ ہوتے۔اسی طرح حسن بصری نے بھی پہلے پہل اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔

رایت صوفیافی الطراف
میں نے ایک صوفی کو طواف میں دیکھا۔

بہر حال یہ لفظ دوسری صدی ہجری کی پیدوار ہے۔اس سے قبل اس کی حقیقت ضرور تھی اگر چہ اس وقت اس کا یہ نام نہ تھا۔شیخ ہجویری نے کشف المحجوب میں شیخ ابوالحسن قوشنجہ کا قول تحریر فرمایا ہے۔

التصوف الیوم اسم ولا حقیقة وقد کان حقیقة ولا اسم [1]
تصوف آج کل ایک بے حقیقت شے ہے۔اس سے قبل حقیقت تھا جس کا
نام نہ تھا۔

شیخ ہجویری نے اس مقولہ کی شرح میں لکھا ہے ''صحابہ وسلف کے زمانے میں یہ نام (تصوف) نہ تھا لیکن اس کی روح اور حقیقت سب میں موجود تھی'' کیوں کہ تصوف مومن کی عملی زندگی کا نام ہے یعنی شریعت حقہ پر کامل طور سے محض رضائے باری کے لئے عمل کرنے کو تصوف کہتے ہیں۔لیکن اس لفظ کو اختیار کرنے کے دواعی کیا تھے؟

جب بدعات کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے تو ہر فریق نے
یہ دعویٰ کیا کہ ان ہی میں زہاد پائے جاتے ہیں اس لئے خواص اہل سنت
تصوف کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری صدی ہجری میں ان بزرگوں
نے اس نام سے شہرت پائی۔ [2]

اس سے عبارت میں تقریباً وہی چیز موجود ہے جو علامہ ابن تیمیہ وغیرہ حضرات نے اس کی ابتدا کے بارے میں فرمائی ہے۔مزید برآں یہ کہ سبب ایجاد بھی معلوم ہو گیا و نیز یہ کہ

(۱) کشف المحجوب ۳۱۔ (۲) نفحات الانس ص ۳۱۔

اہل سنت ہی حقیقی معنی میں صوفی ہوتے ہیں نہ کہ اہل بدع۔ بہر حال اس کی ابتدا ۱۵۰ھ یا ۱۶۰ھ ہے اس زمانے میں ابو ہاشم کو صوفی کہا جاتا تھا(۱) اور امام صاحب کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہو چکا تھا۔ میرے ایک مکتوب کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

متعارف سلوک تو صحابہ اور تابعین کے دور میں نہ تھا البتہ اصل ہر چیز کی وہاں ملتی ہے۔ اس لئے امام صاحب کا سلوک بھی اسی نوع کا تھا جو نوع اس زمانے میں متعارف تھی۔ سلوک کے اہم اجزاء۔ ورع۔ خشوع انابة الى الله .تجرد عن الخلق.تبتل الى الله. کثرت عبادت کثرت ریاضت یہ سب اجزا امام صاحب کے سوانح میں بکثرت ملیں گے۔(۲)

شریعت اور تصوف کے شہسوار اور ان دونوں چیزوں کے مسلم رہنما ہزارہ دوم کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی تحریر فرماتے ہیں۔

شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم وعمل، اخلاص جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی۔ اور جب شریعت حاصل ہوگئی تو رضائے باری تعالیٰ حاصل ہوگئی اور یہی دنیا وآخرت کی تمام سعادتوں سے افضل ہے۔(۳)

بہر حال تصوف کی اصل یہ ہے جس کو آج کل کی اصطلاحات نے کیا سے کیا بنا دیا ہے۔

بیعت یا صحبت

تصوف کے باب میں صحبت کو بڑا دخل ہے اگر یہ حاصل نہ ہو تو شاید کچھ بھی حاصل نہ ہو۔ اسی صحبت کی وجہ سے حضرات صحابہ اور حضرات تابعین اس اعزاز کے مستحق ہوئے ہیں۔

رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ

اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

یہی اعزاز حضرات تابعین کو ملا۔

والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضو عنہ

---

(۱) ایضاً۔ (۲) مکتوب حضرت شیخ الحدیث۔ (۳) مکتوب ۳۶ دفتر اول۔

Marfat.com

اور جنہوں نے صحابہ کی نیکیوں میں اتباع کی اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

اسی صحبت کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق مقام صدیقیت پر فائز ہوئے اور اسی کی وجہ سے حضرت ابوذرؓ کو مقام جذب وفنا حاصل ہوا۔ غرضکہ صحبت کو تبدیل احوال اور تربیت اخلاق میں بڑا دخل ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ اسی مبارک زمانہ (خیر القرون) ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور اسی میں پلے بڑھے اور اسی دور میں وفات پا گئے لہٰذا حضرات صحابہؓ کی صحبت ان سے ملاقات۔ اسی طرح جلیل القدر تابعین کی صحبتیں اور ان سے ملاقات جس قدر امام صاحب کو حاصل ہوئیں کسی دوسرے کو شاذ ہی حاصل ہوئی ہوں گی۔ اور جبکہ مروجہ سلوک وتصوف کے متعلق گذشتہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے تو اب امام صاحب کے بیعت ہونے یا ان نے خرقۂ خلافت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر جبکہ خود امام حسن بصری کے بارے میں بھی سخت اختلاف موجود ہے۔ موضوعات کبیر میں ملا علی قاری نے تحریر فرمایا ہے۔

خرقۂ خلافت کی اصل

صوفیاء کا خرقہ پہنو اور حسن بصری نے اس خرقہ کو حضرت علیؓ سے پہنا ہے۔ ابن دحیہ اور ابن صلاح فرماتے ہیں یہ باطل ہے۔ اسی طرح امام عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس کی سندات میں کوئی بھی مسند ایسی نہیں ہے جو ثابت ہو۔ اور اس مضمون پر کوئی حدیث صحیح، حسن یا ضعیف ہو موجود نہیں ہے کہ نبی کریم صلعم نے کسی صحابی کو خرقہ اس شکل میں پہنایا ہو جو صوفیا میں متعارف ہے اور نہ کسی صحابی کو اس فعل کا حکم دیا اور جو اس بارے میں روایتیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب باطل ہیں پھر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان تہمت لگانے والوں کے جھوٹ میں یہ بات بھی موجود ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ خرقہ حضرت حسن بصری کو پہنایا۔ حضرت حسن بصری ائمہ حدیث میں شمار ہوتے ہیں لیکن تمام محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت حسن بصری کو حضرت علیؓ سے سماع حاصل نہیں ہے۔ کجا کہ حضرت علیؓ کا ان کو خرقہ پہنانا۔

علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ اس میں ہمارے شیخ ہی منفرد نہیں بلکہ ایک جماعت نے اس پر

Marfat.com

عمل کیا ہے۔خود بھی پہنا ہے اور دوسروں کو پہنایا بھی ہے جیسے دمیاطی، ذہبی، ابن حبان، علائی، عراقی، ابن الملقن اور برہان وغیرہ۔ایک قوم کی مشابہت اوران کے طریقہ کو متبرک سمجھتے ہوئے۔کیونکہ انھیں جوصحبت متصلہ سے حصہ ملا ہے کمیل ابن زیاد کے واسطے سے اور وہ حضرت علیؓ کے ساتھ رہے۔

اور بعض سندات میں خرقہ کا تعلق اویس قرنی سے بتایا جاتا ہے کہ حضرت اویسؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ جمع ہوئے۔ملا علی قاری فرماتے ہیں ایسے ہی صوفیا میں جو تلقین کی نسبت پائی جاتی ہے اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

اسی طرح خرقہ کی نسبت حضرت اویسؓ کی طرف کہ نبی کریم صلعم نے اپنے خرقہ کی وصیت ان کے لئے کی اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے ان کے سپرد کیا۔اور وہ اویس کے ذریعہ ان صوفیا تک پہنچا اور اسی طرح چلتا رہا اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

ارباب طریقت کے نزدیک حضرت حسن بصری حضرت علیؓ کی جانب یقینی منسوب ہیں۔لیکن محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے۔ (۲)

یہ ہے متعارف تصوف کی اصل وحقیقت؟ اب ہم امام صاحب کے تصوف کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی ان اجز التصوف کو بیان کرتے ہیں جو تصوف کی روح ہیں۔

کثرت عبادت

امام صاحب کے تذکرے اور سوانح اس موضوع سے منور ہیں اور اپنے دامن میں بکثرت ایسے واقعات سمیٹے ہوئے ہیں کہ جن کی وجہ سے آج بھی قلوب کو نورانیت، طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ان میں سے چند روایتوں کو اس جگہ پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ امام صاحب رمضان میں ۶۰ قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے ایک دن میں اور ایک رات میں۔

۲۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے امام صاحب کو دیکھا کہ انھوں نے نماز میں صرف اسی ایک آیت پر پوری رات گزاردی۔آیت یہ ہے بل الساعة موعدھم والساعة ادھی وامر۔

(۱) موضوعات کبیر مطبوعہ کراچی ص ۳۰۲،۳۰۳۔ (۲) الانتباہ ص ۳۱۔

Marfat.com

۳۔ حضرت محارب بن دثار کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ اچھا شب بیدار نہیں دیکھا۔

۴۔ ابو عاصم نبیل کہتے ہیں کہ امام صاحب کو قیام صلوٰۃ اور کثرت عبادت کی وجہ سے میخ کہا جاتا تھا۔

۵۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ایام حج میں مکہ معظمہ میں امام ابوحنیفہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہیں آیا۔

۶۔ یحییٰ بن ایوب زاہد کہتے ہیں کہ امام صاحب رات کو نہیں سوتے تھے۔

۷۔ اسد بن عمر کہتے ہیں امام صاحب نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے آپ اکثر ایک ہی رکعت میں قرآن مجید ختم فرمایا کرتے تھے۔ ابن مبارک نے بھی اس روایت کی تائید کی ہے۔

۸۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے پورا قرآن شریف وتر میں ختم کیا ہے۔

۹۔ حسن بن عمارہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر رحم فرمائے کہ انھوں نے تیس سال تک نہ افطار کیا اور نہ چالیس سال تک رات کو بستر سے کمر لگائی۔

۱۰۔ ابو زایدہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے امام صاحب کے ساتھ ان کی مسجد میں عشاء کی نماز پڑھی جب سب لوگ چلے گئے تو میں ایک طرف کو ہو کر بیٹھ گیا تو امام صاحب نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے **فمن اللّٰہ علینا ووقٰنا عذاب السموم** تو اسی کی تکرار فرماتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

۱۱۔ یزید بن کمیت کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اور امام صاحب نے عشاء کی نماز علی بن حسن موذن کے پیچھے پڑھی اس نے سورۂ اذ زلزلت الارض کی قرأۃ کی۔ نماز کے بعد سب لوگ تو چلے گئے لیکن امام صاحب اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے ٹھنڈی سانسیں لیتے رہے۔ میں آپ کی توجہ بٹ جانے کے خیال سے اٹھ کر چلا گیا اور روشنی کا قندیل (لالٹین) وہیں چھوڑ آیا۔ لیکن چونکہ اس میں تیل کم تھا اس لئے اس کی روشنی دھیمی کر دی تھی جب میں صبح ہوتے ہی پہنچا تو آپ اپنی ریش مبارک پکڑے ہوئے رو رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

Marfat.com

اے وہ ذات ! جو لوگوں کو ذرہ ذرہ نیکیوں کا بدلہ دے گی۔ نعمان اپنے بندے کو آگ سے محفوظ رکھ اور اپنی رحمت میں چھپا لے۔

۱۲۔ امام صاحب تہجد کی نماز کے لئے بہترین کپڑا پہنا کرتے تھے اور اس کو خوشبو میں خوب بسا لیتے تھے۔

۱۳۔ آپ ہمیشہ باوضو رہا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں نماز کا کوئی وقت ایسا نہیں آیا جس میں میں باوضو نہ ہوں۔

۱۴۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک دن میں امام صاحب کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک آدمی نے آپ کو دیکھ کر فرمایا۔ یہ ابو حنیفہ ہیں! رات بھر بیدار رہتے ہیں۔ اس کے بعد امام صاحب پوری رات نماز اور دعا میں گزار دیتے تھے۔

۱۵۔ مسعر بن کدام کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے ایک قاری کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو مجھے بہت اچھا معلوم ہوا اور میں بیٹھ کر سننے لگا۔ میرا خیال تھا کہ قاری ایک منزل پڑھ کر ختم کر دے گا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیا۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ ابو حنیفہ تھے۔ (۱)

امام صاحب کے اوقات

آپ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھ جاتے تھے (اردگرد شاگردوں کا مجمع ہوتا تھا) اور درس کا سلسلہ شروع فرما دیتے تھے۔ درمیان میں اگر باہر سے آنے والا سوال کرتا تو آپ جواب دے دیتے۔ اس کے بعد مجلس تدوین فقہ منعقد ہوتی جس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے۔ ظہر کی نماز پڑھ کر آپ گھر تشریف لاتے۔ اور ظہر سے لیکر عصر کے قریب تک آرام فرماتے۔ تھوڑی دیر کے لئے آپ اپنی دکان پر بھی تشریف لے جاتے اسی وقت آپ مریضوں کی عیادت بھی کرتے اور دوستوں سے ملاقات بھی۔ مغرب کی نماز کے بعد پھر پڑھانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ جاڑوں میں عشاء کی نماز سے پہلے سو جاتے تھے اور پھر عشاء کی نماز پڑھتے۔ اس کے بعد پھر نہ سوتے تھے۔ (۲)

---

(۱) ماخوذ از موفق و علامہ ذہبی متفرقاً۔ (۲) اس ترتیب اوقات پر سوانح نگاروں کا اتفاق ہے۔

Marfat.com

محمد بن فرات کہتے ہیں۔ امام صاحب جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل ۳۰ رکعات نفل پڑھا کرتے تھے۔ ابو اسماعیل کہتے ہیں آپ جمعہ کی نماز کے بعد ۶ رکعات پڑھا کرتے تھے۔

زہد تقویٰ

لغت میں تقویٰ کے معنی نفس کو ہر اس چیز سے بچانا ہے جو مضر یا نقصان دہ ہو کبھی کبھی تقویٰ کو خوف اور خوف کو تقویٰ کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ لسان شریعت میں نفس کو ہر اس چیز سے بچانا جو گناہ کی طرف موصل ہو یعنی ممنوعات سے پرہیز کرنا لیکن اس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب مباحات سے بھی پرہیز کیا جائے۔ حضور صلعم ارشاد فرماتے ہیں۔

الحلال بیّن والحرام بین ومن رتع حول الحمی فحقیق ان یقع فیه الحدیث

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور چراگاہ کے گرد جو چرائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں مبتلا ہو جائے گا۔

دوسری حدیث میں اسی کو امور مشتبہات سے تعبیر کیا ہے۔

ان احادیث کی موجودگی میں علمائے اسلام نے تقویٰ کے تین مرتبے مقرر کئے ہیں ۱۔ ادنی ۲۔ اوسط ۳۔ اعلیٰ۔ ادنی درجہ کا تقویٰ ایمان لانا ہے کہ اس کی وجہ سے دوزخ کے عذاب سے رہائی ہوگی۔ اوسط درجہ یہ ہے کہ ہر اس چیز کو ترک کر دیا جائے جس کے ارتکاب سے آدمی گنہگار بن جائے اور اعلیٰ یہ ہے کہ باطن کو ہر اس چیز سے محفوظ رکھا جائے جو ماسوی اللہ میں مشغول کرے یہ تقویٰ کا حقیقی درجہ ہے۔ (۱)

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آں گاہ نباشی

حضرت مجدد الف ثانی بیان فرماتے ہیں۔

ممنوعات سے پرہیز کرنا اور باز رہنا ہی حقیقت تقویٰ ہے اور دین کی اصل بنیاد ہے۔ (۲)

---

(۱) لغات القرآن ص ۱۷۱، ج ۲۔ (۲) مکتوب ۹، دفتر سوم۔

Marfat.com

اس کے علاوہ بکثرت آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ تقوے کی فضیلت کے متعلق موجود ہیں۔قرآن پاک نے جگہ جگہ اسی کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب قرار دیا ہے۔

بہر حال یہ تمہیداً عرض کیا گیا ہے۔اب امام صاحب کے متعلق چند اقوال کو پیش کیا جا رہا ہے۔

اقوال اور آراء

۱۔ یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ ہم بہت سے حضرات کے پاس بیٹھے اور بہت سے حضرات کو دیکھا لیکن ہم نے امام ابوحنیفہ جیسا آدمی نہ دیکھا اور نہ سنا میں نے ان کو دیکھتے ہی جان لیا تھا کہ وہ متقی ہیں۔

۲۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں کوفہ میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں سب سے بڑا عالم سب سے بڑا زاہد سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ تو سب باتوں کے جواب میں سب نے امام ابوحنیفہ کا نام لیا۔

۳۔ قیس بن ربیع کہتے ہیں امام صاحب بہت بڑے متقی ہیں وہ لوگوں کے ساتھ بہت احسان کرتے تھے لیکن ان کے ہم عصر ان سے حسد رکھتے تھے۔

۴۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم سیکھا لیکن امام صاحب سے زیادہ متقی اور کم گو میں نے کسی کو نہیں پایا۔

۵۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ کسی کو متقی نہیں دیکھا۔

۶۔ ابراہیم بن عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ متقی اور فقیہ کسی کو نہیں دیکھا۔

۷۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اپنے علم ۔تقوی اور فقہ کی وجہ سے ہم سب پر غالب رہتے تھے۔

۸۔ عبدالرحمٰن بن عابس کہتے ہیں کہ ہم نے امام صاحب جیسا متقی نہیں دیکھا۔

۹۔ وکیع کہتے ہیں کہ حدیث میں جس قدر تقویٰ امام صاحب اختیار کرتے تھے ہمیں دوسروں سے میسر نہیں ہوا۔

Marfat.com

۱۰۔ احمد بن بدیل کہتے ہیں کہ میں نے عبشر کو کہتے سنا ہے کہ میں نے امام صاحب جیسا قائم اللیل اور صائم النہار نہیں دیکھا۔

۱۱۔ معروف بن بکیر کہتے ہیں کہ جو امام صاحب کو دیکھ لیتا تھا وہ یقین کر لیتا تھا کہ یہ خیر ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

۱۲۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ امام صاحب اتنے بڑے انسان تھے کہ ان سے علم، تقویٰ سخاوت وغیرہ کے پہاڑ بنائے جاسکتے ہیں۔

۱۳۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ دنیا کے دروازے ہمارے لئے بھی کھلے اور امام صاحب کے لئے بھی، لیکن امام صاحب نے آخرت کو اختیار کیا اور ہم نے دنیا کو۔ (۱)

جامع الصفات

ایک دن ہارون رشید نے امام ابو یوسف سے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق سوال کیا تو جواب دیا۔ میں جہاں تک جانتا ہوں امام صاحب کے اخلاق یہ تھے کہ وہ نہایت پرہیزگار تھے۔ ممنوعات سے بچتے تھے اکثر چپ رہتے تھے۔ کوئی شخص ان سے سوال کرتا تو جواب دیتے ورنہ اکثر سوچا کرتے تھے۔ نہایت فیاض تھے۔ کسی کے پاس حاجت لیکر نہیں جاتے تھے۔ اہل دنیا سے احتراز کرتے اور دنیوی عزت وجاہ کو حقیر سمجھتے تھے۔ غیبت سے پرہیز کرتے اور ہمیشہ دوسروں کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرتے تھے۔ بڑے عالم تھے۔ مال کی طرح علم خرچ کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ ہارون رشید نے یہ سن کر کہا۔ صلحاء کے یہی اوصاف ہوتے ہیں۔ (۲)

چند واقعات

یحییٰ بن زائد کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے امام صاحب کو ایک مکان کے قریب دھوپ میں کھڑے دیکھا۔ میں نے قسم دے کر دریافت کیا حضرت! آپ اس دیوار کے سایہ میں کیوں نہیں کھڑے ہو جاتے فرمایا اہل خانہ پر میرا کچھ قرض رہتا ہے۔ اس لئے میں اس کی دیوار کے سایہ سے منفعت حاصل کرنا مناسب نہیں سمجھتا اور فرمایا میں دوسروں کو اس عمل کا

---

(۱) موفق متفرقاً۔ (۲) ایضاً

مکلف قرار نہیں دیتا ہوں۔ ہاں عالم کو محتاط رہنا چاہیئے۔

ایک دفعہ امام صاحب نے اپنے شریک حفص بن غیاث کو تجارت کی غرض سے باہر بھیجا اور ایک چیز کے بارے میں فرمایا اس میں یہ عیب ہے؟ جب فروخت کرو تو اس کا عیب بتلا دینا۔ اتفاق سے حفص بن غیاث خریدار کو یہ بتلانا بھول گئے اور یہ بھی یاد نہ رکھا کہ وہ کس کے ہاتھ فروخت کی ہے۔ جب قیمت امام صاحب کو لا کر دی تو امام صاحب نے اسی چیز کے بارے میں دریافت فرمایا تو حفص بن غیاث نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ امام صاحب نے فوراً ہی ان کو شرکت سے علیحدہ کر دیا اور کل سامان کی قیمت جو مبلغ تیس ہزار دینار ہوتی تھی صدقہ کر دی۔

ایک دفعہ ایک بوڑھی عورت امام صاحب کی دکان پر ایک ریشمی کپڑا خریدنے آئی اور کہا یہ کپڑا آپ کو جتنے میں پڑا ہو اتنے کو دید یجئے! امام صاحب نے فرمایا اچھا تو آپ اس کے چار درہم دید یجئے! بوڑھیا نے کہا کہ آپ کیوں مذاق کرتے ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا مذاق نہیں کر رہا ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دو کپڑے تھے۔ دونوں کی قیمت اس قدر تھی ایک میں نے فروخت کر دیا اب اس کپڑے کی قیمت چار درہم باقی رہ گئی۔

ایک دفعہ امام صاحب کو کسی کپڑے کی ضرورت تھی۔ آپ ایک دکاندار کے پاس گئے۔ اس نے امام صاحب کو رعایۃً کپڑے کی قیمت ایک ہزار درہم بتلائی! امام صاحب نے فرمایا یہ کپڑا ایک ہزار درہم کا نہیں بلکہ زیادہ کا ہے۔ اس طرح آپ اس کپڑے کو آٹھ ہزار درہم میں خرید کر لائے۔[1]

وظیفہ خوری سے اجتناب

تاریخ شاہد ہے کہ حق گوئی انھیں علماء کے حصہ میں آئی جنھوں نے اپنے آپ کو وظیفوں اور نذرانوں سے محفوظ رکھا۔ امام صاحب اسی صفت کے انسان تھے۔

ایک دفعہ خلیفہ منصور نے امام صاحب کو تیس ہزار درہم نذر کرنا چاہے۔ امام صاحب نے انکار کر دیا اور فرمایا میرے گھر میں اتنی جگہ نہیں ہے جو اس کثیر رقم کو اپنے گھر رکھ سکوں جب

---

(۱) موفق۔

Marfat.com

امام صاحب کا انتقال ہوا تو تقریباً ۵۵ ہزار روپیہ امانتوں کے نکلے۔ تب خلیفہ منصور نے کہا کہ یہ شخص ہمیشہ ہم سے عذر ہی کرتا رہا۔ لیکن بات صحیح تھی اگر امام صاحب کا گھر امانتوں سے خالی ہوتا تب اس رقم کو رکھتے ؟

ایک دفعہ منصور اور اس کی بیوی میں شکر رنجی ہو گئی۔ بیوی کو شکایت تھی کہ آپ عدل سے کام نہیں لیتے۔ منصور نے کہا میں عدل سے کام لیتا ہوں۔ بالآخر اس قضیہ کا حکم امام صاحب کو مقرر کیا گیا۔ امام صاحب تشریف لائے۔ بیگم پس پردہ ہو بیٹھیں۔ منصور نے دریافت کیا ایک آزاد مرد کو کتنے نکاح کرنے جائز ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا بیک وقت چار۔ خلیفہ نے خاتون سے کہا آپ نے سنا! خاتون نے کہا جی ہاں۔ امام صاحب نے فرمایا یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب خاوند عدل سے کام لے ورنہ صرف ایک ہی پر اکتفا کرنا ہوگا۔ اس کے بعد امام صاحب گھر تشریف لائے تو پیچھے سے ایک غلام نے حاضر ہو کر چار ہزار درہم کی تھیلی بیگم کی طرف سے پیش کی اور بیگم کی طرف سے سلام بھی پیش کیا۔ امام صاحب نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا جاؤ بیگم سے کہہ دینا میں نے اپنا فرض منصبی انجام دیا ہے۔

ایک دفعہ کوفہ کے گورنر ابن ہبیرہ نے امام صاحب سے عرض کیا۔ حضرت! کبھی کبھی تشریف لایا کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا تم سے مل کر کیا کروں گا۔ آؤں گا تو احسان کرو گے تو میں تمہارے دام میں آجاؤں گا اور ناراض ہوئے تو اس میں میری ذلت ہے۔ جو تمہارے پاس ہے اس کی مجھے حاجت نہیں اور جو میرے پاس (علم) ہے اس کو کوئی چھین سکتا نہیں۔

مشتبہات سے اجتناب

امام صاحب اکل حلال کے نہایت سختی سے پابند تھے۔ اس پر اگرچہ مندرجہ واقعات سے کافی روشنی پڑ چکی ہے مگر یہاں بھی کچھ ذکر کئے دیتے ہیں۔

جن ایام میں امام صاحب نظر بند تھے۔ خلیفہ کے یہاں کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ اپنے مکان سے ستو منگا کر کھایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ شہر میں کسی کی بکری گم ہو گئی جب آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے تحقیق

فرمائی کہ بکری کتنے دن زندہ رہتی ہے معلوم ہوا سات سال۔ چنانچہ آپ نے سات سال بکری کا گوشت نہیں کھایا۔

مولانا شبلی نے اگرچہ اس کا انکار کیا ہے لیکن امام صاحب جیسے متقی آدمی کے بارے میں تو کسی کی تنقید کی گنجائش نہیں ہے جب کہ ایسے واقعات آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ابھی سو سال کی بات ہوگی کہ مولانا مظفر حسین کاندھلوی نے چار سال تک دلی میں رہتے ہوئے سالن سے روٹی نہیں کھائی کیونکہ اس وقت دلی کے سالنوں میں آم کی کھٹائی ڈالی جاتی تھی اور آم کی بیع فاسد طور پر ہوتی تھی اس لئے آپ نے اجتناب کیا۔ (۱)

امانتداری

امام صاحب نہایت امانت دار تھے۔ عبدالرحمٰن بن مسعودی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اچھا امین نہیں دیکھا۔ ان کا جس وقت انتقال ہوا تو ۵۵ ہزار کی امانتیں ان کے گھر میں موجود تھیں جن میں سے ایک درہم بھی ضائع نہیں ہوا تھا۔

ابوبکر زرنجری کہتے ہیں کہ ایک آدمی امام صاحب کے پاس ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم رکھ کر مر گیا۔ اس کی ایک لڑکی تھی جب وہ بالغ ہوئی تو امام صاحب نے وہ رقم اس لڑکی کے سپرد کردی۔ (۲)

حق ہمسائیگی

امام صاحب کا ایک پڑوسی تھا۔ دن بھر کی مزدوری سے جو حاصل ہوتا اس کی شراب اور کباب خرید لاتا تھا اور اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لاتا۔ اور رات بھر اُدھم مچاتا اور خوب گاتا۔ راوی کا بیان ہے ہم نے اس کے اشعار یاد کر لئے تھے اس اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے:۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا　　　لیوم کریهة وسند ثغر

یعنی لوگوں نے مجھے کھو دیا اور کتنے بڑے شخص کو کھویا۔ جو لڑائیوں اور رخنہ بندیوں میں کام آتا تھا۔ امام صاحب نے اس کو چند مرتبہ سمجھایا لیکن باز نہ آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن

(۱) تذکرۃ الخلیل۔　　(۲) موفق۔

Marfat.com

حکومت کی پولیس اس کو گرفتار کر کے لے گئی اور جیل خانہ میں ڈالدیا۔امام صاحب کو جب خلاف معمول اس کے اودھم کی آواز نہ سنائی دی تو دریافت کیا لوگوں نے واقعہ بیان کر دیا۔امام صاحب یہ سن کر بیچین ہو گئے۔اور امیر کے پاس گئے اور آپ کے ساتھ اہل مجلس بھی ہو لئے۔جب دارالامارت کے قریب پہنچے تو امیر کو معلوم ہوا۔وہ دوڑا ہوا استقبال کے لئے حاضر ہوا۔امام صاحب نے آنے کی غرض بیان کی۔امیر نے کہا حضرت! کسی خادم کو بھیجد یتے تب بھی تعمیل حکم ہوتی۔بہر حال امیر نے جوان اور اس کے سب ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔امام صاحب نے اس جوان سے فرمایا دیکھا ہم نے تجھے ضائع نہیں کیا۔اس شخص نے امام صاحب کے سر کو بوسہ دیا اور تائب ہو گیا۔پھر تو اس کی یہ حالت ہو گئی کہ اکثر حلقہ درس میں شریک رہتا۔راوی کا بیان ہے کہ یہ بھی علمائے کوفہ میں شمار ہونے لگا تھا۔اسی شخص کے بارے میں ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کی عدالت میں ایک شخص کے باغ کے متعلق شہادت دینے گیا۔قاضی صاحب نے دریافت کیا بتلاؤ اس میں کتنے درخت ہیں؟ جب یہ نہ بتلا سکے تو قاضی صاحب نے ان کی گواہی کو رد کر دیا۔جب انھوں نے امام صاحب سے واقعہ بیان کیا تو امام صاحب نے فرمایا یہ جا کر کہو کہ آپ ۲۰ سال سے کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرتے ہیں بتلایئے اس میں کتنے ستون ہیں؟ اس نے یوں ہی جا کر کہہ دیا تو ابن ابی لیلیٰ کو حیرت ہوئی اور اس کی شہادت قبول کر لی۔

ایک دفعہ امام صاحب کے ایک پڑوسی نے خواب دیکھا اور وہ اس کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے بصرہ امام ابن سیرین کے پاس گیا۔جب واپس آیا تو امام صاحب نے دریافت کیا بھائی! کہاں رہے ہمیں تو آپ کی طرف سے بہت فکر تھا۔اس نے واقعہ بیان کیا۔امام صاحب نے فرمایا۔سبحان اللہ بھائی اطلاع تو کرتے جاتے۔[۱]

سخاوت

امام صاحب بہت بڑے سخی تھے اور ہمیشہ ضرورت مندوں کا خیال رکھا کرتے تھے۔علماء،صوفیا،فقہا،طلبا،جلساء اور اہل جوار سب ہی آپ کی سخاوت سے فیضیاب ہوتے

(۱) موفق متفرقاً۔

Marfat.com

تھے۔آپ نے کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کیا۔جلیسوں کا خاص طور سے خیال رکھتے تھے۔اسی وجہ سے آپ کے متعلق آپ کے معاصرین کا قول ہے۔

کان اکرم الناس مجالسة

ہم نشینی میں وہ نہایت بہترین اور کریم انسان تھے۔

حسین بن سلیمان کہتے ہیں۔

ما رایت احداًاسخی من ابی حنیفة

میں نے کسی کو امام ابوحنیفہ سے زیادہ سخی نہیں دیکھا۔

آپ نے اپنے بیٹے حماد کو حکم دے رکھا تھا کہ روزانہ دس درہم کی روٹیاں خرید کر پڑوسیوں کے یہاں پہنچا دیا کرو۔امام ابو یوسف کو دس سال تک اپنے پاس سے خرچہ دے کر پڑھایا۔آپ کو علم اور اہل علم کی خدمت کرنے میں بڑی خوشی ہوتی تھی۔چنانچہ جس دن آپ کے صاحبزادے نے بسم اللہ شروع کی تو آپ نے پانچ ہزار درہم معلم کی نذر کئے۔اور جس دن سورۂ فاتحہ ختم کی اس دن بھی پانچ ہزار درہم نذر کئے اور معذرت پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

واللّٰہ لو کان عندی اکثر من ذالک لدفعناہ تعظیماًللقراٰن

قسم خدا کی اگر اس سے زیادہ میرے پاس ہوتا تو قرآن کے احترام میں وہ بھی پیش کر دیتا۔

ایک آدمی نے آپ سے آکر عرض کیا میرے ذمہ پانچ ہزار درہم قرض ہیں اور دائن تقاضہ کر رہا ہے۔آپ اس سے فرما دیجئے کہ وہ مجھے کچھ مہلت دیدے۔آپ نے دائن سے کہا۔اس نے جواب دیا حضرت! آپ کی وجہ سے اپنا مطالبہ معاف کرتا ہوں۔امام صاحب نے فرمایا نہیں لیجئے! یہ آپ کا مطالبہ ہے اسی وجہ سے امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

لایکاد لیسئل حاجة الاقضاھا

آپ سے جس ضرورت کے متعلق سوال کیا جاتا آپ اس کو پورا کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کے ایک دوست آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے مگر شکستہ حال معلوم ہوتے تھے جب جانے لگے تو آپ نے پانچ ہزار درہم پیش کئے۔اس نے کہا حضرت میرے یہاں بہت کچھ موجود ہے میں غریب نہیں ہوں۔تب آپ نے فرمایا۔

ان اللّٰہ یجب ان یری اثر نعمته علی عبدہٖ

اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھنا پسند کرتا ہے۔

ایک دفعہ آپ کے پاس بطور ہدیہ ایک ہزار جوڑے جوتے آئے۔آپ نے سب اپنے دستوں، پڑوسیوں اور طلبا میں تقسیم فرما دیئے۔اتفاق سے شام کو اپنے بیٹے حماد کے لئے ضرورت پیش آئی تو آپ نے اس کو بازار سے منگا دیا۔لوگوں نے دریافت کیا حضرت! یہ کیا؟ تب آپ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا

اذااھدیٰ الی الرجل فجلساہ شرکاہ

جب کسی آدمی کے پاس کوئی ہدیہ آئے تو اس کے ہم نشین اس کے شریک ہوتے ہیں۔

امام صاحب کی عادت شریفہ تھی کہ عیدین کے موقعہ پر اپنے دوستوں اور ملنے والوں کے یہاں تحائف بھیجا کرتے تھے۔اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے،غریب بچیوں کی شادیاں اپنے پاس سے کیا کرتے تھے۔جب اپنے بچوں کے لئے کوئی چیز لاتے تو علماء، مشائخ اور پڑوسیوں کے لئے بھی اسی قدر لاتے تھے بضاعت کے ذریعہ جو نفع آپ کو حاصل ہوا کرتا تھا وہ سب طلبا اور علماء پر صرف کر دیتے تھے۔اگر کوئی آپ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پڑھ کر سنا دیتے۔

انما انا خازن اضع حیث امرت

میں تو خازن ہوں جہاں کا حکم ہوتا ہے وہیں رکھ دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا میں چار ہزار درہم سے زیادہ کا کبھی مالک نہیں ہوا۔جو آیا خرچ کر دیا کیونکہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے۔

اربعة الألف وما دونها صدقة

چار ہزار اور اس سے زیادہ خرچ ہونا چاہیے۔

یعنی کسی آدمی کو چار ہزار سے زیادہ کی پونجی رکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔(۱)

---

(۱) موفق متفرقاً۔

Marfat.com

سخاوت ومروت

سخاوت کے ساتھ مروت بھی آپ کا خصوصی وصف ہے چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کہ ایک مرتبہ مجھے ایک ضرورت لاحق ہوئی۔ میں نے آپ کی طرف سے فلاں تاجر کے نام ایک رقعہ لکھا۔ کہ وہ مجھے تیس ہزار اشرفیاں دیدے۔ چنانچہ میں اس تدبیر میں کامیاب ہوگیا۔ امام صاحب نے یہ سنا اور مسکرا دیئے۔

ایک دفعہ ایک شخص کی بیوی نے اس کو بہت تنگ کیا اور کہا جاؤ لڑکی جوان ہے شادی کرنا ہے۔ فاقوں نے گھر بھر کو پریشان کر دیا ہے۔ امام صاحب سے جا کر کہو وہ ضرور آپ کی مدد کر دیں گے۔ یہ شخص امام صاحب کی مجلس میں گیا اور واپس آ گیا۔ امام صاحب نے قیافہ سے اس کو تاڑ لیا۔ جب یہ شخص چلا گیا تو اس کا گھر معلوم کر کے رات کو دروازہ میں سے پانچ ہزار درہم کی ایک تھیلی اس کے گھر میں ڈال آئے۔ آپ نے اس تھیلی میں ایک پرچہ بھی رکھ دیا تھا کہ اس کو بلا دریغ خرچ کریں جب ختم ہو جائے پھر خبر کر دیں۔ (۱)

وقار اور حلم

ان تمام خصوصیات کے ساتھ آپ عالمانہ وقار وحلم کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ امام مالک فرماتے ہیں ''ابوحنیفہ حلیم الطبع انسان تھے'' آپ کے بعض معاصرین آپ کے ساتھ نہایت سخت برتاؤ کرتے تھے لیکن آپ حلم ووقار کی تصویر بن جاتے تھے۔ ابو معاذ کہتے ہیں کہ میرا آنا جانا امام سفیان ثوری کی خدمت میں بھی ہوتا تھا اور میں امام صاحب کے حلقہ میں بھی شرکت کرتا تھا۔ سفیان ثوری کو یہ بات ناگوار تھی لیکن امام صاحب کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا تھا۔ امام صاحب کی یہی ادائیں تو تھیں کہ جن کی بنا پر مشائخ وقت ان سے محبت کرتے تھے۔ مسعر بن کدام فرماتے ہیں۔

قد جمع اللّٰہ فیه خصالاً شریفة

اللہ تعالیٰ نے ان میں بہترین خصلتیں جمع کر دی تھیں۔

ایک دفعہ مسجد کی چھت سے ایک سانپ گرا اور عین آپ کے برابر میں گرا سب لوگ تو

(۱) ایضاً۔

Marfat.com

اٹھ کر بھاگ لئے لیکن آپ بدستور بیٹھے رہے۔ راوی کہتا ہے۔

فعرفت انه صاحبُ یقین

میں جان گیا کہ امام صاحب یقین ہیں۔

ایک دفعہ ایک نوجوان آدمی امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اور ایک گوشہ میں کھڑا ہوکر زور زور سے آپ پر تنقید کرنے لگا۔ لوگوں کو اس کی حرکت پر سخت غصہ آیا لیکن آپ نے سب کو منع کر دیا کہ اس کو کچھ نہ کہا جائے۔ جب امام صاحب مجلس سے اٹھ کر چلے وہ شخص بھی پیچھے پیچھے برا بھلا کہتا چلا۔ جب امام صاحب اپنے دروازے پر پہنچے تو فرمایا بھائی! اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو اور کہہ لو۔ اب میں اندر جاتا ہوں۔ یہ حلم دیکھ کر وہ آدمی شرمندہ ہوا اور معافی چاہی۔

عمرو بن الہیثم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں شعبہ کا رقعہ لے کر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت عصر کا وقت تھا۔ آپ نے مسجد ہی میں عصر، مغرب، عشاء، کی نمازیں ادا فرمائیں اور بعد عشاء مجھے ہمراہ لے کر دولت کدہ پر تشریف لائے۔ کھانا کھلایا اور ایک بستر پر مجھے لٹا دیا اور خود ایک گوشہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ اور تمام رات پڑھتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو مجھے اٹھایا اور وضو کا پانی لا کر دیا اور مسجد میں تشریف لائے۔ صبح کی نماز پڑھ کر آپ اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اسی اثنا میں ایک سانپ مسجد کی چھت سے آپ کے اوپر گرا۔ آپ نے فوراً ہی اس کی اوپر پیر رکھدیا اور بیٹھ گئے۔ جب سورج طلوع ہوا تو آپ نے یہ دعا پڑھی۔

الحمد للّٰه الذی اطلعها من مطلعها اللّٰهم ارزقنا خیرها وخیر ما طلعت علیه.

اس خدا کی تعریف جس نے سورج کو اس کے مطلع سے نکالا اے اللہ! اس سے جس پر اس نے طلوع کیا ہے بہترین رزق عطا فرما۔

اس کے بعد آپ نے سانپ مارنے کا حکم فرمایا۔ اتنی دیر آپ نہایت سکون و وقار سے اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اشراق کی نماز پڑھکر آپ نے مجھے ایک حدیث پڑھکر سنائی وہ یہ ہے۔

ومن صلی الفجر ولم یتکلم الا بذکر اللّٰه تعالیٰ حتی تطلع الشمس کان کالمجاهد فی سبیل اللّٰه

جس نے صبح کی نماز پڑھی اور سورج نکلے تک سوائے ذکر خدا کے اور کچھ

Marfat.com

زبان سے نہ کہا وہ مثل مجاہد فی سبیل اللہ کے ہے۔

ان واقعات سے امام صاحب کے عالمانہ تحمل اور وقار کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ (1)

والدین کا احترام

آپ کے والد محترم کا انتقال تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ البتہ آپ کی والدہ حیات تھیں۔ آپ نے ان کی بے حد خدمت کی اور ان کی مرضی کا ہمیشہ احترام کیا چنانچہ محمد بن بشر اسلمی کہتے ہیں کہ کوفہ میں دو ہی شخص سب سے زیادہ والدین کی خدمت کرنے والے تھے۔ ایک منصور کہ وہ اپنی ماں کے سر کی جوئیں چنتے اور سر دھلاتے اور دوسرے امام صاحب۔

جن دنوں کوفہ کا گورنر ابن ہبیرہ آپ کو قضا قبول کرنے کے لئے کوڑوں کی سزا دیا کرتا تھا ان دنوں کا ذکر ہے کہ ایک دن کوڑا آپ کے سر پر لگا جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ مبارک متورم ہو گیا۔ یہ دیکھ کر آپ رو دیئے۔ جلاد نے کہا قضا قبول کر لو روتے کیوں ہو؟ امام صاحب نے فرمایا میں مار کی وجہ سے نہیں روتا بلکہ اس وجہ سے روتا ہوں جب میری والدہ محترمہ اس چوٹ کا نشان دیکھیں گی تو ان کو صدمہ ہوگا۔

کوفہ میں ذرعہ نامی ایک واعظ رہتا تھا۔ امام صاحب کی والدہ ان کی بہت معتقد تھیں۔ ایک دن امام صاحب کی والدہ کو ایک مسئلہ کی ضرورت پیش آئی۔ انھوں نے امام صاحب سے فرمایا۔ جاؤ ذرعہ سے یہ معلوم کر آؤ۔ امام صاحب نے کہا اس کا جواب یہ ہے والدہ نے کہا میں تیرا جواب نہیں مانوں گی۔ ذرعہ سے پوچھ کر آ۔ آپ گئے ذرعہ نے کہا حضرت! میں آپ کے سامنے کیا مسئلہ بیان کروں؟ آپ خود ہی بتلا دیتے۔ امام صاحب نے فرمایا والدہ کا حکم ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ امام صاحب کی والدہ سواری پر بیٹھ کر اور امام صاحب کو ساتھ لے کر ذرعہ کے پاس گئیں۔ تب ذرعہ نے کہا حضرت! آپ نے کیا جواب دیا تھا امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے تو یہ جواب دیا تھا۔ تو ذرعہ نے کہا آپ نے صحیح فرمایا تب کہیں امام صاحب کی والدہ کو اطمینان ہوا۔

کوفہ میں ایک واعظ اور تھا جس کا نام عمرو بن ذر تھا۔ امام صاحب کی والدہ ان کی بھی

---

(1) موفق متفرقاً۔

Marfat.com

بہت معتقد تھیں۔ان کے پاس بھی آپ کو اپنی والدہ کے مسائل پوچھنے کے لئے آنا جانا پڑتا تھا۔اتفاق سے ان کا مکان بہت فاصلہ پر تھا۔ایک دفعہ امام صاحب کی والدہ نے کہا عمر بن ذر سے یہ مسئلہ پوچھ کر آ۔امام صاحب تشریف لے گئے۔تو عمرو بن ذر نے کہا مجھے تو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے البتہ آپ بتلا دیں۔میں وہی آپ سے نقل کر دوں گا پھر آپ اپنی والدہ کو جا کر بتلا دیں۔امام صاحب نے ایسا ہی کیا۔(۱)

حسن سلوک

یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں صاحب کمال سے محبت رکھنے والے ہوتے ہیں وہاں اس سے بغض وحسد رکھنے والوں کی بھی کمی نہیں ہوتی اس لئے امام صاحب سے حسد وبغض رکھنے والے بھی کم نہ تھے۔آج امام صاحب کے متعلق غلط روائتیں اور ناقدانہ اقوال کا وجود اسی بغض وحسد کی کرشمہ سازی ہے۔احادیث کی متداول کتابوں میں جب ہم امام صاحب کی سند سے کم روائتیں دیکھتے ہیں تو ہمیں محدثین کرام کے خلاف اپنے جذبات اور خیالات کو دبانے میں بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے تب کہیں ہم اپنی سوءظنی کے رخ کو بدل پاتے ہیں کیونکہ راوی کی اس سند کو ترک کر دیا جاتا ہے جس میں امام صاحب موجود ہیں حالانکہ حدیث کا ایک ہی مدار روایت ہے۔اللہ بہتر جانے کیا معاملہ ہے وہ جانیں اور ان کا کام ''بعض الناس'' کہہ کر امام صاحب کو ناقابل اعتنا سمجھنا یہ ان کے اپنے منصب کا تقاضہ ہوگا۔دنیا تو امام صاحب کو امام اعظم ہی سمجھتی آئی ہے اور سمجھ رہی ہے اور ان شاء اللہ یہی سمجھا جائے گا۔مزید برآں کہ آج امام صاحب کا مسلک دنیا کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مسلک ہے اور فریق مخالف کے کہیں دس بھی مقلد نہیں ہیں۔

جس کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے

امام صاحب لوگوں کے اس رویہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

میں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا اور نہ کسی کو برائی کے ساتھ یاد کیا اس کے باوجود تم جانتے ہو کہ اہل مکہ نے مجھ سے کیوں بغض کیا؟ اس کہ وجہ یہی تھی کہ میں بعض مدنی آیات کے ذریعہ

---

(۱) موفق متفرقاً۔

بعض مکی آیات کو منسوخ الحکم قرار دیتا تھا۔ اور اہل مدینہ نے مجھ سے یوں بغض رکھا کہ میں نکسیر پھوٹنے اور پچھنے لگوانے سے وضو کو ساقط قرار دیتا تھا۔ اور اسی وضو کے ذریعہ نماز کو غیر صحیح قرار دیتا تھا۔ اہل بصرہ میرے اس وجہ سے مخالف تھے کہ میں ان کے معرکۃ الآراء مسئلہ قدر کا رد کرتا تھا۔ اور اہل شام نے میرے ساتھ اس وجہ سے بغض کو روا رکھا کہ میں حضرت علیؓ کو حق پر سمجھتا تھا اور اہل حدیث میرے اس وجہ سے دشمن ہوئے کہ میں آل رسول (زید بن علی، جعفر صادق) کی حمایت کرتا تھا۔ (1)

یحیٰی بن آدم سے دریافت کیا گیا کہ شریک کو امام صاحب کے اقوال پسند نہ تھے۔ فرمایا پسند تو کرتے تھے لیکن حسد کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کرتے تھے۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ کا تو یہ حال تھا کہ امام صاحب کو دیکھ نہیں پاتے تھے اسی بنا پر امام صاحب فرماتے ہیں، ابن ابی لیلیٰ میرے ساتھ اس سلوک کو روا رکھتے ہیں جو اپنی بلی کے ساتھ بھی روا نہیں رکھتے۔ لیکن امام صاحب ان حالات اور واقعات کے باوجود اپنے معاصرین کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے اور اپنی عنایات سے کسی کو محروم نہ رکھتے، حسن سلوک کا یہ مقام نہایت بلند مقام ہے۔

مخالفوں کے ساتھ حسن سلوک کے اس عنوان کو ہم یہیں چھوڑتے ہیں اور ان شرمناک واقعات کا تذکرہ کر کے گندگی اچھالنا پسند نہیں کرتے۔

خدا مجنوں کو بخشے مر گیا اور ہم کو مرنا ہے

یہ چند سطریں امام اعظم کے اخلاق وعادات اور عملی کمالات کے متعلق تحریر کی گئی ہیں جن سے یہ امر بخوبی واضح ہے کہ امام صاحب اعمال اور اخلاق میں بھی نہایت مکمل انسان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے انھیں نہایت مکمل ترین علم عنایت فرمایا تھا۔ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

من عمل بما یعلم اتاہ اللّٰہ علم مالم یعلم (الحدیث)

جس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطا کرتا ہے کہ جو وہ اب تک نہیں جانتا تھا۔

چنانچہ امام صاحب پر فیضان الٰہی تھا کہ ان کو ایسا علم عطا ہوا کہ جس کی وجہ سے بقول

(1) موفق ص۹، ج۲۔

Marfat.com

امام شافعی صاحب بقیہ امت اُن کی عیال ہے۔ حدیث، تفسیر، فقہہ، علم کلام، قرأة، نحو، صرف، عربیت وغیرہ میں امام صاحب نے ایسے ایسے نکات پیدا کئے کہ آج دنیا محو حیرت ہے۔ مناظروں میں انہوں نے اپنے حریفوں کو انہیں کے الفاظ میں شکست دی۔ یہ سب کچھ عطیہ اور فیضان الٰہی ہے جو حق سبحانہ تعالیٰ نے ان کی عملی زندگی اور بندگی سے خوش ہوکران پر نازل کیا۔

بني اندر خود علوم انبیاء   بے کتاب و بے معید و اوستا

وجہ اس کی غالباً یہ ہے کہ عمل کی وجہ سے ان کا تعلق حق سبحانہ تعالیٰ سے قریب تر اور قوی تر ہو جاتا ہے۔ اسی قربت کی وجہ سے اس کو وہ تمام کمالات تفویض ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے یہاں سب کے سب محبوب اور پسندیدہ ہوتے ہیں اور ان ہی میں سے علم بھی ایک ایسا کمال ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام کمالات میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور اعلیٰ ہے۔

امام صاحب کے حالات اور اخلاقیات کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک غیر جانب دار آدمی پر یہ بات روز روشن کی طرح کھل جاتی ہے کہ امام صاحب کی عملی اور علمی دونوں زندگیاں عطیہ الٰہی کا بہترین نمونہ ہیں۔ جنھوں نے امام صاحب کو اس نظر سے دیکھا وہ خود مقبول بارگاہ ہوئے اور جنھوں نے امام صاحب سے حسد وبغض کیا اور تنقید سے کام لیا آج تاریخ عالم کے صفحات پر ان کے واقعات دوسروں کے لئے عبرت بنے ہوئے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ آج امام صاحب کا مسلک اور ان کے نام لیوا اسی فرش زمین پر کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور حاسدین وناقدین کے قول و مسلک پر دس مسلمان بھی نماز پڑھنے والے شاید مشکل سے دستیاب ہوسکیں گے۔

جس کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے

رضی اللہ عنہم ورضوعنه واعدلهم جنت تجری تحتها الانهار

خالدين فيها ابداً

اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے باغیچے تیار کر کے رکھے ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

Marfat.com

خاتمہ الکتاب

وصایا اور اقوال زریں

وصیت امام اعظم

یہ وصیت امام ابوحنیفہ نے امام ابو یوسف کو آخری وقت میں فرمائی تھی۔علامہ ابن نجیم نے اپنی مایہ ناز کتاب الاشباہ والنظائر میں اس کو ذکر کیا ہے۔اسی جگہ سے اس پورے وصیت نامہ کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔علامہ شبلی نے بھی اپنی کتاب سیرت النعمان میں اس وصیت کو ذکر کیا ہے لیکن وہ وصیت نامہ مکمل نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا اے یعقوب (نام امام یوسف) بادشاہ کی عزت کر اور اس کو بڑا سمجھ اور بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولنے اور جا بے جا وقت اس کے پاس آنے جانے سے گریز کر ہاں ضرورت کے وقت کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ کثرت آمدورفت سے وہ تجھ سے بے پرواہی برتے گا اور تجھے حقیر سمجھے گا تو اس سے اس طرح منتفع ہو جس طرح آگ سے (بقدر ضرورت......انتفاع کیا جاتا ہے) اس وجہ سے کہ بادشاہ جیسا اپنے آپ کو سمجھتا ہے دوسرے کو خیال نہیں کرتا۔اور بادشاہ کے سامنے کثرت کلام سے بھی گریز کرنا کیونکہ وہ اس پر گرفت کرسکتا ہے اس صورت میں وہ اپنے حاشیہ نشینوں کے تئیں اپنے کو اعلم اور تجھے مخطی اور کم درجہ کا ثابت کرے گا جس وقت بادشاہ کے پاس جائے تو یہ ملحوظ خاطر رہے کہ وہ تیرے اور غیر کے مرتبہ میں امتیاز کرنے والا ہو ایسے وقت نہ داخل ہونا کہ اس کے پاس ایسے اہل علم ہوں جو تیرے مقام سے ناآشنا ہیں اگر وہ تجھ سے کم درجہ ہیں تو اپنے آپ کو بڑے درجہ کا ثابت کریں گے اور تجھے نقصان پہنچائیں گے اور تجھے بادشاہ کی نظر سے گرانے کی کوشش کریں گے۔

جس وقت بادشاہ اپنے معاملات میں سے کوئی معاملہ تیرے سامنے پیش کرے تو یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت اپنی رائے ظاہر نہ کرتا کہ علم اور حکم میں وہ تیرے مذہب اور فیصلے کو پسند کرے ورنہ حکومت کے معاملے میں تمہیں غیر کے مسلک پر عمل کرنا پڑ جائیگا۔

بادشاہ کے احباب اور خدام سے دوستی قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں وقت ضرورت ان سے ملاقات میں کچھ حرج نہیں ہے۔لیکن خداموں سے دوری ہی بہتر ہے اس طرح تمہارا وقار باقی رہے گا۔

عوام کے سامنے قطعاً کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں البتہ وہ تم سے دریافت کریں کیونکہ زیادہ کلام سے وہ یہ محسوس کریں گے کہ کہیں تم ان کے اموال کی طرف تو راغب نہیں ہو؟اور رشوت تو نہیں لینا چاہتے ہو؟عوام کے سامنے زیادہ ہنسنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔بازاروں میں بھی زیادہ نہیں جانا چاہیے اور امرد لڑکوں سے بھی بات نہ کرو کیونکہ وہ فتنہ ہوتے ہیں ہاں بچوں سے کلام کرنے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنے میں مضائقہ نہیں۔

مشائخ اور عوام کے ساتھ سڑکوں پر بھی نہ چلو کیونکہ اگر تم ان سے آگے چلو گے تو ان کی تحقیر اور وہ تم سے آگے چلے تو تمہاری تحقیر ہوگی کیونکہ وہ تم سے عمر میں بڑے ہیں اور رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا

من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا لیس منّا

جس نے ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم نہ کی ہم میں سے نہیں ہے۔

دیکھو! شاہراہ پر ہرگز نہ بیٹھنا ہاں اگر ضرورت ہو تو مسجدوں میں بیٹھو۔بازاروں اور مسجدوں میں کھانے پینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔سقایہ سے سقوں کے ہاتھ سے پانی نہ پینا (کیونکہ معلوم نہیں کہ سقایہ میں کچھ پڑا ہو یا پانی زیادہ دنوں سے ٹھہرا ہو)

دیکھو! دکان پر نہ بیٹھو! اور زیورات اور ریشمی کپڑا نہ پہنو۔کیونکہ اس سے رعونت پیدا ہوتی ہے۔

وقت فراش اپنی بیوی سے زیادہ بات چیت نہ کرو ہاں بقدر ضرورت مضائقہ نہیں۔اس

Marfat.com

سے زیادہ بوس و کنار بھی نہ کرو وہاں اس سے صحبت کرو تو اللہ کا نام لیکر کرو۔ اپنی عورت کے سامنے غیر عورت کا تذکرہ نہ کرو کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو غیر مردوں کا تذکرہ تمہارے سامنے شروع کر دے گی۔ بیوہ اور ماں باپ، بال بچے والی عورت سے نکاح مت کرو مگر اس کے ساتھ کہ اس کے اقارب تمہاری اجازت سے تمہارے گھر آ جا سکیں (کیونکہ عام طور سے ایسی عورت کو دوسرے خاوند سے زیادہ ہمدردی نہیں ہوتی لہٰذا وہ اس کے گھر کا سامان اپنے ماں باپ اور اولاد کو چوری سے دیدے گی) اور حتی الامکان اپنے سسرال میں بھی نہ رہو۔ خبردار اپنے سسرال میں اپنی بیوی سے صحبت ہرگز نہ کرنا۔ کیونکہ تم اس صورت میں پھنس جاؤ گے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا کر تمہارا مال مفت میں اڑائے گی۔ خبردار! اولاد والی عورت سے شادی ہرگز نہ کرنا کیوں کہ وہ تمہارا سب مال ان کو کاٹ کاٹ کر دیدے گی۔ کیونکہ تم سے زیادہ اسے اپنی اولاد محبوب ہوگی۔

ایک گھر میں دو سوکنوں کو بھی نہ رکھنا۔ اس وقت تک نکاح نہ کرنا جب تک تم اس قابل نہ ہو جاؤ کہ اس کی تمام ضروریات زندگی پوری کر سکو گے۔ پہلے علم طلب کرو پھر حلال طریقہ سے مال جمع کرو پھر شادی کرو۔ اس لیے اگر تحصیل علم کے وقت تم نے مال فراہم کرنا شروع کر دیا تو تحصیل علم سے رک جاؤ گے۔ اپنے مال سے باندیاں غلام نہ خریدو کیونکہ پھر تم ان کی ہی الجھنوں میں پھنس جاؤ گے اور تمہارا وقت ضائع ہوگا اور علم سے کورے رہ جاؤ گے۔ عنفوان شباب میں فارغ القلب ہو کر علم حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اور ادائے امانت اور ہر خاص و عام کو نصیحت کرنا اپنے اوپر لازم کر لو۔ کسی انسان کو ذلیل اور اپنے کو باعزت نہ سمجھو۔ عوام سے زیادہ اختلاط نہ رکھو البتہ بقدر تعلیم و تعلم کچھ حرج نہیں اس لئے کہ اگر کوئی ان میں سے اہل ہے تو تحصیل علم میں لگ جائے گا ورنہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ عوام سے امور دینیہ میں مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جب کبھی تم سے کوئی فتویٰ دریافت کرے تو بقدر سوال جواب دو ضرورت سے زیادہ نہ بتلانا۔ اگر تم دس سال بھی غریب اور فاقہ مست رہو تو علم سے ہرگز اعراض نہ کرو کیونکہ اس صورت میں تمہاری زندگی تنگ ہو جائے گی۔ جو طلبا تم سے فقہ حاصل کریں اس سے اولاد کی طرح برتاؤ

Marfat.com

کرنا۔ کیونکہ اس سے ان کی رغبت فی العلم زیادہ ہوگی۔ عوام اور بازاری لوگوں سے جھگڑا ہرگز نہ کرو اس سے تمہاری عزت ریزی ہو گی۔ حق بات کہنے سے بادشاہ کے سامنے بھی نہ چوکو۔ جب تک تم دوسروں سے زیادہ عبادت نہ کرو۔ اپنے نفس پر مطمئن نہ ہونا اس لئے کہ عوام تمہیں زیادہ کرتے نہ دیکھیں گے تو خیال کریں گے تمہیں اپنے علم سے اتنا فائدہ نہ ہو جتنا انھیں اپنے جہل سے ہوگیا۔

جب تم اہل علم کی بستی میں جاؤ تو اس بستی کو اپنے لئے مخصوص نہ کر لینا کہ تم ہی تنہا اس میں صاحب اقتدار ہو بلکہ اوراہل علم کی طرح رہو تا کہ وہ خیال کریں کہ تم کو ان کے مراتب سے کوئی غرض نہیں ہے ورنہ وہ سب مل کر تمہیں نکالنے کی کوشش کریں گے اور تمہارے مسلک میں طعن کرنا شروع کر دیں گے اور تم بلا وجہ مطعون ہو کر رہ جاؤ گے۔ اگر تم سے وہ استفادہ کریں تو جواب بلا دلیل بیان نہ کرو۔ ان کے اساتذہ میں بھی عیب نہ نکالو۔ عوام سے پرہیز اور اللہ تعالیٰ سے ظاہراً و باطناً یکساں معاملہ رکھو کیونکہ ایسا کرنے سے تمہارے اندر قابلیت علم پیدا ہوگی۔

بادشاہ تمہارے سپرد جب کوئی کام کرے تو اس وقت تک اس کو قبول نہ کرو جب تک اس کی قابلیت تمہارے اندر نہ ہو۔ جہاں نظر لگنے کا اندیشہ ہو کلام نہ کرو۔ کیونکہ اگر نظر لگ گئی تو کلام میں خلل پیدا ہو جائے گا اور زبان بوجھل ہو جائے گی۔ کثرت ضحک سے پرہیز کرو۔ کیونکہ اس سے قلب مرجاتا ہے راستہ میں وقار اور طمانیت سے چلو۔ امور میں جلد بازی نہ کرو۔ جو تمہیں پیچھے سے پکارے جواب نہ دو۔ کیونکہ چوپاؤں کو پیچھے سے پکارا جاتا ہے جب کلام کرو تو چیخ کر آواز بلند نہ کرو اور نہ زیادہ حرکت ہی کرو (جیسا کہ عام طور پر واعظین کی عادت ہاتھ پھینکنے کی ہوتی ہے)

لوگوں کے درمیان کثرت سے ذکر کرو۔ نماز کے بعد بھی کچھ وظیفہ پڑھا کرو خصوصاً تلاوت قرآن ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو۔ اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں صبر اور شکر اور دوسری نعمتیں عنایت فرمائی ہیں۔ ہر مہینہ چند دن روزے بھی رکھا کرو۔ تا کہ لوگ تمہاری اتباع کریں۔ نفس سے محاسبہ کرتے رہو۔ دوسروں کی حفاظت کرو۔ تا کہ وہ تمہیں دنیا اور آخرت سے نفع اندوز ہو سکیں ورنہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تم سے سوال ہو جائے گا۔ اپنے آپ کو

Marfat.com

سلطان کا مقرب ظاہر نہ کرو کیونکہ اس صورت میں لوگ اپنی ضرورتوں کا تمہارے پاس ڈھیر لگا دیں گے۔ اگر تم ان کو پورا کرنے کی سعی کرو گے تو تمہاری توقیر ہوگی اور اگر نہ پوری کر سکے تو لوگ تمہارا تمسخر کریں گے۔

خطا میں لوگوں کی اتباع مت کرو بلکہ صواب میں کرو جب یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص شریر ہے تو اس کے سامنے شر کا تذکرہ مت کرو خیر کا تذکرہ کرو ہاں دین کے معاملہ میں تم لوگوں کو خبردار کردو تا کہ اس سے بچنے لگیں اور اس کی اتباع نہ کریں۔ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

اذکر والفاجر بما فیہ حتی یحذرو الناس وان کان ذاجاہٍ ومنزلۃٍ

فاجر میں جو عادتیں ہوں اس کو ظاہر کردو تا کہ لوگ اس سے پرہیز کریں اگرچہ وہ فاجر صاحب اقتدار ہی کیوں نہ ہو۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور دین کا ناصر و مددگار ہے اگر ایک مرتبہ ایسا کردیا تو فجار تم سے ڈرنے لگیں گے اور کوئی بھی اظہار بدعت پر دلیری نہ کر سکے گا۔ جب تم اپنے بادشاہ سے اپنے علم کے خلاف امر دیکھو تو اس کی اطاعت ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے بیان کردو کیونکہ اس کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے قوی ہے۔ یوں بیان کرو کہ آپ حاکم ہیں ہم آپ کے تابع ہیں لیکن میں آپ کی ایک خصلت دیکھتا ہوں کہ جو علم دین کے موافق نہیں معلوم ہوتی ہے۔ پس اگر ایک مرتبہ بھی ایسا کہدیا ہے تو کافی ہے ورنہ بار بار ٹوکنے کی وجہ سے وہ تم پر غصہ ہو جائے گا۔ جب تم ایک دو مرتبہ روک ٹوک کرو گے تو امر بالمعروف میں تم کو حریص سمجھے گا۔ اس سے زیادہ اگر روک ٹوک کرنا چاہتے ہو تو تنہائی میں اس کے پاس جا کر نصیحت کرو۔ اگر اس کا رجحان طبع بدعت کی طرف مائل پاؤ تو کچھ مہلت دو اور کتاب و سنت سے متعلق تمہارے پاس جو علم ہے اس پر پیش کردو اگر وہ تم سے قبول حق کرلے تو فبہا اور اگر انکار کردے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو کہ وہ تمہاری حفاظت کرے۔

موت کو یاد رکھو۔ اپنے استاذ کے لئے استغفار کرتے رہو تلاوت قرآن پر ندامت اور مقابر اور متبرک مقامات کی زیارت اکثر کرتے رہو۔ عوام الناس میں سے جو رویاء صالحہ

Marfat.com

دیکھیں یا خواب میں رسول اللہ صلعم کو دیکھیں اس کو رد نہ کرو۔ فساق و فجار کے پاس نہ بیٹھو۔ ہاں تبلیغ دین کے لئے مضائقہ نہیں ہے، کھیل کود اور سب وشتم سے پرہیز کرو۔ جب مؤذن اذان دے تو مسجد کے لئے تیاری کرو تا کہ عوام تم سے اس معاملہ میں سبقت نہ لے جائیں۔ بادشاہ کے پڑوس میں مکان نہ بنانا۔ پڑوسی کی عیب پوشی کرنا۔ لوگوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر نہ کرنا۔ جو تم سے مشورہ طلب کرے تو اپنے علم کے مطابق دینا۔

(حضرت امام اعظم نے) فرمایا میری وصیت کو قبول کرو۔ اس کے ذریعہ سے موجودہ اور آنے والوں کو فائدہ پہنچے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ) فرمایا۔ بخل سے پرہیز کرو اس کے سبب سے آدمی مبغوض ہو جاتا ہے۔ جھوٹے اور لالچی نہ بنو بلکہ اپنی مروتوں کا تمام امور میں خیال رکھو۔ سفید لباس پہنو۔ اپنے کو حریص نہ ہونے کے لئے اپنے آپ کو ہر وقت غنی ظاہر کرو اپنے فقر کو ظاہر نہ کرو اگر تم فقیر ہی کیوں نہ ہو۔ صاحب ہمت بنو اس لئے کہ دون ہمت کا مرتبہ کمزور ہوتا ہے۔ جب راستہ میں چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو بلکہ نظر کو زمین پر قائم رکھو۔ جب حمام میں داخل ہو (یا مزدوروں سے کوئی کام کراؤ) تو اجرت میں اور لوگوں کی مساوات نہ کرو بلکہ دستور سے کچھ زیادہ دو تا کہ تمہاری شرافت ظاہر ہو اور وہ تمہاری عزت کریں۔ کوئی چیز پیشہ ور اور دستکار کے سپرد نہ کرو بلکہ اس کے پاس رکھو جس پر تمہیں اعتماد ہو۔ غلہ وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی نہ کرو۔ درہم و دینار کو نہ تولو روپیہ پیسہ کو شمار نہ کرو بلکہ دوسروں پر اعتماد رکھو۔ دنیا کی اہل علم کے لئے تحقیر کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ بہتر ہے اپنے امور میں دوسروں کو شریک کرو تا کہ علم حاصل کرنے کے لئے کچھ وقت بچ جائے۔ خبردار! بیوقوفوں اور جو فن مناظرہ سے واقف نہ ہوں اور اہل علم کے دلائل کو نہ سمجھیں۔ طلب جاہ کے لئے کوشاں ہوں اور تمہارے شرمندہ کرنے کے لئے مسائل یاد کریں۔ اس سے ہرگز بات نہ کرو اس لئے کہ اگر وہ تمہیں حق بجانب سمجھیں گے تب بھی پرواہ نہ کریں گے۔ جب روسا کے پاس جاؤ تو ان سے بلند اور بالا جگہ نہ بیٹھو۔ جب تک تم کو وہ اس جگہ نہ بٹھائیں۔ جب کسی قبیلہ میں پہنچو تو جب تک وہ تمہیں امام نہ بنائیں نماز نہ پڑھانا۔ حمام میں صبح اور دوپہر کو داخل نہ ہو۔ تفریح گاہ میں نہ جاؤ۔ مظالم سلطان پر حاضر نہ ہونا۔ ہاں جب یہ یقین ہو کہ تمہاری بات سن لی جائے گی

Marfat.com

تو مضائقہ نہیں۔خبردار! مجلس علم میں غضبناک نہ ہونا۔عوام میں قصہ گوئی نہ کرنا اس لئے کہ قصہ گو جھوٹ سے نہیں بچ سکتا۔جب کسی اہل علم کے اعزاز میں کوئی مجلس علم منعقد کرو تو اس کے استقبال کے لئے بنفس نفیس خود حاضر ہونا اور جو کچھ معلوم ہو بیان کرنا ورنہ نہیں تا کہ لوگ تمہاری موجودگی کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں اور آنے والے کو تم جیسا عالم تصور کریں۔حالانکہ وہ اس صفت سے موصوف نہ ہوگا جس کے تم مالک ہو۔کسی آدمی کو اپنی مسند درس پر نہ بٹھاؤ تا کہ وہ تمہارے سامنے درس دے بلکہ اپنے شاگردوں کو اس کے پاس چھوڑ دو تا کہ وہ اس کے علم کا امتحان لے سکیں۔مجلس وعظ اور اس مجلس میں جسے تیرے اعزاز یا تیرے تزکیہ یا تیرے متعلقین کے تزکیہ کے لئے منعقد کیا ہو نہ جانا (کیونکہ اس صورت میں صرف وہ آدمی ریا اور نمود کے لئے اور اظہار مشیخت کے لئے ایسا کر رہا ہے اس سے فائدہ نہ ہوگا) نکاح کے معاملات کو اپنے محلہ کے نکاح خواں اسی طرح عید اور جنازہ کی نماز کو اس کے مستحق کے لئے چھوڑ دو (کہ وہی نماز پڑھائے) جو آدمی تمہارے لئے دعا کرے اس کو فراموش نہ کرنا۔میری اس نصیحت کو قبول کرو۔جس کو میں نے تمہاری اور تمام مسلمانوں کی مصلحت اور فائدہ کے لئے کہا ہے۔فقط

دیگر زرین نصیحتیں

۱۔ جس وقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لئے تیار ہو جاؤ۔

۲۔ روزہ اور تلاوت قرآن کی عادت ڈالو۔

۳۔ کبھی کبھی قبرستان کی طرف نکل جایا کرو۔

۴۔ لہولعب سے پرہیز کیا کرو۔

۵۔ پڑوسی کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو۔

۶۔ تقوے اور امانت کو فراموش مت کرو۔

۷۔ جس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت نہ ہو اسے ہرگز مت قبول کرو۔

۸۔ اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو تو اس کی غلطی کا اعلانیہ اظہار کرو تا کہ عوام

Marfat.com

کواس کی تقلید کی جرأت نہ ہو سکے۔

۹۔ تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھو۔

۱۰۔ جو آدمی کچھ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دیدو اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہ کرو۔

۱۱۔ شاگردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو کہ دیکھنے والے ان کو تمہاری اولاد خیال کریں۔

۱۲۔ جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکو۔[1]

شکر کہ ایں نامہ بعنوں رسید پیشتر از عمر بپایاں رسید

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

تمت بالخیر

(۱) مقدمہ مسند امام اعظم مطبوعہ کراچی از مولانا سعد حسن صاحب۔

Marfat.com

ماخذ وحوالہ جات

Marfat.com

باب اوّل

قرآن پاک		مناقب	موفق
احادیث نبویہ		مناقب	کردری
حدائق الحنفیہ	از مولانا فقیر محمد صاحب	طبقات	ابن سعد
ابوحنیفہ	ابوزہرہ مصری	جامع صحیح	بخاری
خیرات الحسان	علامہ ابن حجر مکی	عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین عینی
سیرت النعمان	علامہ شبلی	ترجمان السنۃ	مولانا بدر عالم میرٹھی
فتح الباری	حافظ ابن حجر	نصب الرایہ	علامہ جمال الدین زیلعی
معجم المصنفین	دائرہ المعارف حیدرآباد	البنایہ	علامہ بدرالدین عینی
نخبۃ الفکر	حافظ ابن حجر	ہدایہ	علامہ کمال الدین
تنسیق النظام	مولانا محمد حسن سنبھلی	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی
نزہۃ النظر	حاشیہ	مبدا و معاد	حضرت مجدد الف ثانی
اوشحۃ الجید	مولانا شوق نیموی	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ
اوجز المسالک	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب	ریاض المرتاض	نواب صدیق حسن صاحب
مناقب	ذہبی	الجواہر المضیہ	علامہ ابن ابی الوفا

❀

باب دوم

۱۔ تاریخ — از علامہ طبری

۲۔ مناقب — از علامہ موفق

Marfat.com

۳۔	ابوحنیفہ	از علامہ ابوزہرہ مصری
۴۔	سیرت نعمان	از علامہ شبلی
۵۔	مناقب	از علامہ کردری
۶۔	مسند	از امام اعظم
۷۔	تنسیق النظام	از علامہ، اسرائیلی سنبھلی
۸۔	الجواہر المضیۃ	از علامہ ابن ابی الوفا
۹۔	حاشیہ الاشباہ	از علامہ حموی
۱۰۔	تاریخ بغداد	از خطیب بغدادی
۱۱۔	الخیرات الحسان	از علامہ ابن حجر مکی

❀

باب سوم

۱۔	ردالمحتار	از علامہ ابن عابدین
۲۔	حدائق الحنفیہ	از مولانا فقیر محمد صاحب
۳۔	مناقب	از علامہ کردری
۴۔	تذکرۃ الاولیاء	از شیخ فریدالدین عطار
۵۔	بخاری شریف	از امام بخاری
۶۔	مسلم شریف	از امام مسلم
۷۔	اوشحۃ الجید	از علامہ شوق نیموی
۸۔	جمع الفوائد	از علامہ الکہشبیی
۹۔	مناقب	از علامہ موفق

Marfat.com

۱۰۔ انوار الباری — از مولانا احمد رضا صاحب

۱۱۔ تابعین — از شاہ معین الدین صاحب اعظمی

۱۲۔ مکتوبات — از حضرت مجدد الف ثانی

۱۳۔ فیوض الحرمین — از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۱۴۔ الخیرت الحسان — از علامہ ابن حجر مکی

۱۵۔ الیواقیت والجواہر — از امام شعرانی

۱۶۔ احیاء العلوم — از امام غزالی

۱۷۔ فقہ اکبر — از ابو یوسف بخاری

۱۸۔ عمدۃ الرعایہ — از مولانا عبدالحیی صاحب

۱۹۔ اوجز المسالک — از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

۲۰۔ میزان الاعتدال — از علامہ ذہبی

۲۱۔ البنایہ شرح ہدایہ — از علامہ عینی

۲۲۔ المحکم — از علامہ ابوعمرو الدنی دمشقی

۲۳۔ غنیۃ الطالبین — از شیخ عبدالقادر جیلانی

۲۴۔ ابوحنیفہ — از ابوزہرہ مصری

۲۵۔ الجواہر المضیہ — از علامہ ابن ابی الوفاء

باب چہارم

۱۔ حیات ابن قیم — ترجمہ رشید احمد ارشد ایم۔اے

۲۔ جامع صحیح — از امام بخاری

۳۔ تفسیر مظہری — از علامہ ثناء اللہ پانی پتی

Marfat.com

۴۔	مناقب	از علامہ موفق
۵۔	اوشحہ الجید	از علامہ شوق نیموی
۶۔	سیرت النعمان	از علامہ شبلی
۷۔	موضوعات کبیر	از ملا علی قاری
۸۔	فتح الملہم	از علامہ شبیر احمد عثمانی
۹۔	تانیب الخطیب	از علامہ کوثری
۱۰۔	سنن	از ابن ماجہ
۱۱۔	الجوہر المضیہ	از علامہ ابن ابی الوفا
۱۲۔	اوجز المسالک	از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
۱۳۔	جامع المسانید	از علامہ ابی المؤید
۱۴۔	ابوحنیفہ	از علامہ ابوزہرہ مصری
۱۵۔	انوا الباری	از مولانا احمد رضا صاحب

❀

باب پنجم

۱	تاریخ الفقہ	از مولانا عمیم صاحب مجددی
۲	فقہ الاسلام	از الخطیب حسین احمد مصری ترجمہ رشید احمد
۳	مناقب	از علامہ موفق
۴	الجواہر المضیہ	از ابن ابی الوفا
۵	جامع المسانید	از امام ابوالمؤید
۶	معجم المصنفین	دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

۷	انوارالباری	ازمولانا احمد رضا صاحب
۸	امانی الاحبار	ازمولانا محمد یوسف امیر تبلیغی جماعت
۹	سیرت النعمان	ازعلامہ شبلی
۱۰	الطرق الحکمیہ	ازعلامہ ابن قیم جوزیہ

❀

باب ششم

۱۔	جمع الفوائد	ازعلامہ کہیثمی
۲۔	نورالانوار	ازملاجیون
۳۔	تفسیر مظہری	ازعلامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی
۴۔	فقہ الاسلام	ازعلامہ الخطیب حسین احمد مصری
۵۔	فتح القدیر	ازامام ابن ہمام
۶۔	عقدالجید	ازحضرت شاہ ولی اللہ دہلوی
۷۔	حجۃ اللہ البالغہ	ازحضرت شاہ ولی اللہ دہلوی
۸۔	ترجمان السنۃ	ازمولانا بدر عالم میرٹھی
۹۔	سہ روزہ مدینہ	بجنور
۱۰۔	معارف	اعظم گڑھ
۱۱۔	ترجمان القرآن	ازمولانا آزاد
۱۲۔	ردالمحتار	ازعلامہ ابن عابدین
۱۳۔	ادشحۃ الجید	ازعلامہ شوق نیموی

❀

Marfat.com

باب ہفتم

۱۔ فتح القدیر ازامام ابن ہمام
۲۔ درمختار از علامہ علاؤ
۳۔ داری الدین
۴۔ احکام سلطانیہ ازعلامہ درامی
ازابوالحسن مصری
۵۔ ردالمحتار ازعلامہ ابن عابدین
۶۔ ہدایہ ازعلامہ کمال الدین
۷۔ عقدالجید ازشاہ ولی اللہ
۸۔ مسند امام اعظم ازعلامہ حصفکی
۹۔ عالمگیری مختلف حضرات بحکم
عالمگیرؒ
۱۰۔ ہدایۃ المجتہد ازابن رشد
۱۱۔ عقودالجواہر
۱۲۔ سیرالنعمان ازعلامہ شبلی
۱۳۔ الاشباہ النظائر ازابن نجیم
۱۴۔ مجمع الانہر ازعلامہ آفندی
۱۵۔ شرح عقائد ازعلامہ نسفی
۱۶۔ الردعلی ازامام ابویوسف
الاسیروزاعی

۱۷۔ مدینہ اخبار بجنور
۱۸۔ مکتوبات ازشیخ الاسلام
۱۹۔ اسلام کا اقتصادی ازمجاہد ملت مولانا
نظام حفظ الرحمٰن
۲۰۔ اوجز المسالک از شیخ الحدیث مولنا
زکریا صاحب
۲۱۔ تنسیق ازعلامہ سنبھلی
۲۲۔ حجۃ اللہ البالغہ ازشاہ ولی اللہ
۲۳۔ ترمذی شریف ازامام ترمذی
۲۴۔ بنایہ ازعلامہ عینی
۲۵۔ عورت اسلامی ازمولانا جلال الدین
معاشرے میں عمری
۲۶۔ عنایہ ازعلامہ اکمل الدین
صاحب
۲۷۔ کتاب الحج ازامام محمد
۲۸۔ البدائع ازعلامہ کاشانی

❀

Marfat.com

باب ہشتم

۱۔ الاشباہ والنظائر — از علامہ ابن نجیم

ضمیمہ

۱۔ البدائع — از علامہ کاشانی

۲۔ فتح القدیر — از امام ابن ہمام

۳۔ ہدایہ — از امام کمال الدین

۴۔ درمختار — از علامہ علاؤالدین

۵۔ الاشباہ — از ابن نجیم

باب نہم

۱۔ فقہ الاسلام — از ڈاکٹر سید حسین احمد الخطیب

۲۔ صدیق صدید — از مولانا عبدالماجد دریا آبادی

۳۔ چٹان لاہور — از شورش کاشمیری

۴۔ مکتوبات — از حضرت مجدد الف ثانی

۵۔ اوشحتہ — از علامہ شوق نیموی

۶۔ مرقاۃ — از ملا علی قاری

۷۔ انوار الباری — از مولانا احمد رضا صاحب

۸۔ فیوض الحرمین — از شاہ ولی اللہ صاحب

باب دہم

۱۔	معجم المصنفین	از علامہ ابن ابی الوفا
۲۔	ابوحنیفہ	از ابوزہرہ مصری
۳۔	مہر انور	از مولانا وکیل احمد صاحب بلند شہری
۴۔	انوار الباری	از مولانا سید احمد رضا صاحب
۵۔	فتح الباری	از علامہ ابن حجر

باب یازدہم

۱۔	مناقب	از علامہ موفق
۲۔	سیرت النعمان	از علامہ شبلی
۳۔	مناقب	از علامہ کردری
۴۔	رسالہ چٹان	از شورش کاشمیری
۵۔	نفحات الانس	از مولانا عبدالرحمٰن جامی
۶۔	کشف المحجوب	از شیخ ہجویری
۷۔	مکتوبات	از حضرت مجدد الف ثانی
۸۔	مکتوب	از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
۹۔	الانتباہ	از شاہ ولی اللہ
۱۰۔	موضوعات کبیر	از ملا علی قاری

۱۱۔ تذکرۃ الخلیل — ازمولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی

۱۲۔ لغات القرآن — ازمولانا عبدالرشید صاحب نعمانی

❀

خاتمہ الکتاب

۱۔ الاشباہ والنظائر — ازعلامہ ابن نجیم

۲۔ مقدمہ مسند امام اعظم

❀

Marfat.com

سیرتِ امامِ اعظم

ابو حنیفہؒ

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری

Marfat.com